مقاماتِ داؤدی

مصنف

عبدالباقی بن جان محمد

ترجمہ و تحشیہ

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

پبلشر

سیّد محمد محسن ۔ رینالہ خورد

فہرست

عرض مترجم

کتاب "مقامات داؤدی" شیخ داؤد جُھنی وال (حضرت بندگی شیخ داؤد کرمانیؒ) کے احوال و کرامات کے ذکر پر مُشتمل ہے جسے عبدالباقی بن جان محمد نے ۱۰۵۳ھ/۱۶۴۳ میں فارسی زبان میں تصنیف کیا۔ یہ کتاب اب تک مخطوطے کی صورت میں تھی اور شیخ داؤد کے اسلاف کو نسلاً بعد نسل منتقل ہو رہی تھی۔ کچھ عرصہ قبل جنابِ سید محمد حیدر نے کہ شیخ کے احفاد میں سے ہیں، شیخ محمد اکرام مرحوم (صاحب رودِ کوثر، موجِ کوثر وغیرہ) کے ایما پر اسے چھپوانا چاہا، لیکن بوجوہ یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ چند ماہ پہلے ایک روز محب و دوست مکرم ڈاکٹر سید محمد اکرم شاہ صاحب اکرام (پرنسپل اورینٹل کالج۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور) نے راقم کو بُلوا بھیجا۔ وہاں جناب سید محمد حیدر کے فرزند ارجمند جنابِ سید محمد محسن (مینیجنگ ڈائریکٹر مچلز فروٹ فارمز لمیٹڈ لاہور) سے میرا تعارف کرایا گیا، جن سے مل کر طبیعت کو اک گونہ مسرت ہوئی کہ: ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

محسن صاحب نے مذکورہ کتاب کے ترجمے کی خواہش کا اظہار کیا۔ راقم نے مخطوطہ کی فوٹو کاپی دیکھ کر یہ خدمت قبول کر لی، اس لیے کہ اگر اس کا خط (جیسا کہ اکثر مخطوطات میں دیکھا گیا ہے) واضح نہ ہوتا تو شاید راقم پہلی ہی فرصت میں انکار کر دیتا۔ اگرچہ راقم اب تک مختلف قسم کے بیسیوں مخطوطات پڑھ چکا ہے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ بیشتر مخطوطات ایسے تھے جن کا پڑھنا نہ صرف جانکاہی تھی بلکہ ان کے پڑھنے سے گویا آنکھوں کا تیل بھی نکالنا پڑا۔ مذکورہ مخطوطے کی کتابت یوں تو خوش خط ہے، اور اسی خوش خطی نے راقم کو یہ خدمت فوراً قبول کر لینے پر آمادہ کیا، لیکن جب کام کا آغاز کیا تو پتا چلا کہ حضرت کاتب نے جگہ جگہ بیک جنبشِ قلم وہ وہ گُل کِھلائے ہیں کہ اللمان و الحفیظ۔ کہیں نقطہ فالتو لگا کر مفہوم کو کچھ کا کچھ بنا دیا اور کہیں کاف کو گاف بنا کر پوری عبارت کو خطرناک بنا دیا۔ ترجمے کے دوران اس قسم کے بے شمار مقامات آئے جن کے نتیجے میں بعض جگہ ایک ایک جملے کے ترجمے کے لیے بڑی بڑی دیر تک مغز کھپانا پڑا۔ اس کی مثالیں تو بہت ہیں لیکن یہاں ان کی تکرار دردِ سر کا باعث ہو

گی ، البتہ ایک مثال کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا ۔ ایک مقام پر حضرت کاتب نے ایک لفظ "سگانش" (س گ ا ن ش) لکھا تھا ، بمعنے اس کے کُتے ۔ اس لحاظ سے اس جملے کا ترجمہ کچھ اس طرح بنتا تھا :

"اور فرشتے اُس کی گلی کے کُتے تھے" ۔ ظاہر ہے یہ قابلِ اعتراض جملہ تھا ۔ راقم نے ترجمہ لکھنے کی بجائے نیچے حاشیہ میں لکھ دیا کہ یہ جملہ قابل اعتراض ہونے کے باعث چھوڑ دیا گیا ہے ؛ لیکن متجسس طبیعت مطمئن نہ ہوئی ۔ کچھ دیر غور کیا ، پھر چھوڑ دیا ۔ دوبارہ غور کیا تو یہ کُھلا کہ کاتب نے کاف کو گاف بنا کر یہ گُل کِھلایا ہے ، اصل لفظ "سُکّانش" ہے ، بمعنی اس کے ساکن (سُکّان ساکن کی جمع ہے) ۔ اب ترجمہ کچھ اس طرح ہوا کہ اس کی گلی کے ساکن فرشتے تھے ۔ یہ مشکل حل ہوئی تو طبیعت کو اطمینان میسر آیا اور حاشیہ کاٹ کر نئی عبارت لکھی ۔

اس ساری تمہید سے راقم کا مقصود یہ ہے کہ اگرچہ راقم نے اس کتاب کے ترجمے میں بڑی احتیاط اور دیانت (ایک مشہور ایرانی مصنف کے مطابق ترجمے کا کام بد دیانتی کا حامل ہوتا ہے کیونکہ جہاں مترجم کو کچھ سمجھ نہیں آتا وہ بات گول کر جاتا ہے) سے کام لیا ہے اور ایک ایک جملے پر بعض مرتبہ بڑی بڑی دیر تک غور و فکر کیا ہے تا ہم ممکن ہے پھر بھی کہیں ، محض کتابت کی غلطی کے باعث وہ بات پیدا نہ ہو سکی ہو جو مصنف نے کہنا چاہی ہے ۔ اس صورت میں دلی معذرت ۔ بعض مقامات پر عبارت بظاہر صاف لکھی ہوئی ہے لیکن مطلب واضح نہیں ، غالباً ضمیر غلط کتابت ہوئے ہیں ۔ پھر کہیں کِرم خوردگی کے باعث کوئی لفظ اُڑ گیا ہے جس سے مطلب غیر واضح رہا ۔ اس قسم کی عبارتوں کے آگے کہیں سوالیہ نشان دے دیا ہے اور کہیں (کذا) لکھ دیا گیا ہے ۔ بعض جگہ عبارت میں تسلسل کی خاطر ایک آدھ لفظ کا ( ) میں اضافہ کیا گیا ہے ۔ جہاں کہیں کوئی طویل عبارت آگئی ہے وہاں اس نشانی ـــ سے کام لیا ہے ۔ اصل عبارت میں بعض الفاظ ایسے بھی آئے جنہیں ان کے صوتی حُسن کی بنا پر ویسے ہی رہنے دیا اور بریکٹ میں اُن کا مطلب لکھ دیا ہے ۔ اس مخطوطہ میں بعض جگہ حاشیے پر دوسرے نسخے یا نسخوں کے الفاظ بھی لکھے ہوئے ہیں ، ان میں جو بھی بر محل اور صحیح معلوم ہوئے ان کا ترجمہ متن میں شامل کر لیا ہے اور اصل متن کے لفظ چھوڑ دیے ہیں ۔ ساری کتاب میں کہیں بھی کوئی پیرا نہ تھا بلکہ شعر بھی نثر کی صورت میں تھے ۔ راقم نے ترجمہ کرتے

وقت پیرے بنا دیے ہیں اور شعر یا اشعار کو الگ تحریر کیا ہے ۔ پہلے اشعار کا اصل متن دیا ہے تاکہ جو حضرات فارسی شعر کی کچھ سوجھ بوجھ رکھتے ہوں وہ اصل شعر سے محظوظ ہوں ، بعد میں ان کا ترجمہ بھی دے دیا ہے ۔ اگرچہ کتاب میں بہت سی شخصیات وغیرہ کا ذکر آیا ہے ، تاہم راقم نے بعض کا ذکر حاشیے میں مختصراً کر دیا ہے تاکہ قاری متعلقہ شخصیت سے آشنا ہو جائے ۔ اس ضمن میں حوالے کی مستند کتابوں سے استفادہ کیا گیا ۔ جہاں بھی کہیں قرآنی آیت یا قرآن کریم سے متعلق کوئی اقتباس آیا ہے ، حاشیے میں اس کا پورا حوالہ دے دیا ہے ۔ مصنف نے اکثر جگہ اشعار سے استفادہ کیا ہے ان میں سے بعض تو خود مصنف کے معلوم ہوتے ہیں لیکن بیشتر دوسرے فارسی شعرا کے ہیں ۔ راقم کو اپنے مطالعے کے مطابق جن جن شعرا کا علم ہو سکا ان کا نہ صرف حوالہ دے دیا ہے بلکہ بعض مقامات پر دلچسپی کی خاطر متعلقہ غزل کے چند اور شعر بھی دے دیے ہیں ۔ مصنف نے زیادہ تر حافظ اور رومی سے استفادہ کیا ہے ۔ کتاب میں دو تین مقامات پر سندھی ڈوہڑے بھی نقل ہوئے ہیں جو ترجمے کے بغیر اسی طرح نقل کر دیے ہیں جس طرح کاتب نے تحریر کیے ہیں ۔ حواشی ہر صفحے کے نیچے دینے کی بجائے ہر "مقام" کے آخر میں دے دیے ہیں ۔ آج ہم ہجری سن سے کہیں زیادہ عیسوی سن سے آشنا ہیں ۔ راقم نے اس مجبوری کے پیش نظر کتاب میں مذکور تمام ہجری سنین کے ساتھ ساتھ عیسوی سنین بھی درج کر دیے ہیں تاکہ قاری کو متعلقہ زمانے کا ٹھیک سے پتا چل سکے ۔ اگرچہ کتاب شیخ داؤد کے سوانح و کرامات ہی پر مشتمل ہے ، پھر بھی راقم نے شروع میں مختصراً شیخ کے کچھ حالات درج کر دیے ہیں اور ان کے لیے مذکورہ کتاب کے علاوہ مُلا بدایونی کی کتاب منتخب التواریخ سے بھی استفادہ کیا ہے کہ اس سے شیخ کی عظمت کا صحیح علم ہوتا ہے ۔

آخر میں راقم محبِ عزیز جنابِ سید محمد محسن کا بے حد ممنون ہے جن کی وساطت سے راقم کو اس خدمت کا موقع ملا اور ان کی علم دوستی کی بنا پر اپنے دور کی ایک اہم تصنیف اردو روپ میں عام قاری تک پہنچ سکی ؛ بصورت دیگر یہ کتاب اسی طرح کچھ اور عرصہ پردۂ اخفا میں رہ کر شاید بالکل بُھلا دی جاتی یا کرم کی نذر ہو کر فنا کی بھینٹ چڑھ جاتی ۔ اور یہ ایک ناقابل تلافی علمی ، ادبی اور تاریخی نقصان بھی ہوتا اور ظلم بھی ۔

خواجہ حمید یزدانی

لاہور ۱۰ اگست ۱۹۸۹

نوٹ : اس کتاب کی اشاعت کے ضمن میں ربع صدی قبل جو کوشش کی گئی اور جو بوجوہ بار آور نہ ہو سکی ، دو خطوط کی صورت میں ہمارے سامنے ہے ۔ ایک خط سید محمد حیدر مرحوم و مغفور کا ہے جو جناب سید محمد محسن (مینیجنگ ڈائریکٹر مچلز فروٹ فارمز) کے والد تھے اور دوسرا مرحوم ذوالفقار علی شاہ کا جو کبھی ایچی سن کالج کے پرنسپل تھے ۔ دونوں کی نقول اس حصے کے آخر میں شامل کی جا رہی ہیں ۔

شیخ داؤد جُھنی وال (۱)

شیخ داودؒ کے آباو اجداد سامی النسل عرب تھے ۔ یہ حضرات اربابِ علم و فضل ، متقی اور راسخ العقیدہ لوگ تھے ۔ خود شیخ داؤد علیہ رحمہ کے بقول ان حضرات میں اگر بعض عالم تھے تو بعض عارف بھی تھے اور عالم بھی ۔ ان کی زندگی توکل و قناعت اور نفس کشی میں بسر ہوئی ۔

انہی اسلاف میں سے ایک شیخ تقی الدین احمد عرب سے ایران آکر کرمان میں آباد ہو گئے ۔ یہ بزرگ شیخ داودؒ کی پانچویں پشت میں تھے ۔ ان کی زندگی علما اور زہاد کی تعلیم و تربیت میں گذری ۔ اسی بنا پر انہیں بڑی قدر و منزلت میسر آئی ۔ شیخ تقی الدین کے بعد ان کے فرزند شیخ صفی الدین آدم مسند نشین ہوئے ۔ شیخ مذکور علوم متداولہ کے علاوہ علم کلام اور تصوف میں بھی خاصی دسترس کے مالک تھے ۔ انہوں نے تصنیف و تالیف کی بھی طرف توجہ دی ۔ چنانچہ "روضۃ الاثمار" اور "جواہر الاسرار" کہ تصوف سے متعلق ہیں ، ان سے یادگار ہیں ۔ پھر فلسفہ و طب کے میدان میں بھی ان کا نام تھا ۔ انہیں سیر و سیاحت سے بڑی دلچسپی تھی ۔ ایک موقع پر وہ مشہد کے مقامات مقدسہ کی زیارت کے بعد برصغیر کی طرف متوجہ ہوئے ، لیکن کابل تک پہنچ کر واپس چلے گئے ۔ ان کی وفات جمعہ کے روز ۱۷ شوال ۷۹۳/اکتوبر ۱۳۹۱ کو ہوئی ۔

شیخ صفی الدین کے دو بیٹے تھے ۔ ایک تو ان کی زندگی ہی میں وفات پا گئے اور دوسرے میر فیض اللہ تھے جنہیں والد نے "باقی" کے لقب سے نوازا ۔ صفی الدین کی وفات کے کچھ عرصے بعد ان کا خاندان نقل مکانی پر مجبور ہوا ۔ چنانچہ میر فیض اللہ اپنے بیٹے سید مبارک کو لے کر برصغیر پاک و ہند چلے آئے ۔ یہاں وہ سندھ کے راستے ملتان پہنچے اور پھر اُچ کے ایک گاؤں داؤد جل کو اپنا ٹھکانا بنا لیا ۔ یہاں زمین کا ایک ٹکڑا خریدا اور اس پر ایک خوبصورت مسجد تعمیر کی جس کے ساتھ ایک تسبیح خانہ بھی تھا اور آب پاشی کے لیے ایک کنواں بھی ۔ ان کی وجہ سے یہ جگہ عوام الناس کے لیے گویا ملجا و ماویٰ کی صورت اختیار کر گئی ۔ بدایونی مؤلف "منتخب التواریخ" کے مطابق حضرت شیخ داودؒ کے اجداد سیت پور (ضلع مظفر گڑھ) میں وارد اور آباد ہوئے تھے ۔ شیخ داودؒ

کے خاندان کی تین پشتیں یہاں رہیں اور یہیں سپرد خاک ہوئیں ۔

میر فیض اللہ کی اولاد میں سید مبارک کے تین فرزند تھے جن میں سے ایک کا نام سید فتح اللہ تھا ۔ وہ صاحبِ معرفت تھے۔ یہی شیخ فتح اللہ نے حسب روایاتِ خاندان مبادیات کی تعلیم والد سے حاصل کی ۔ پھر مروّجہ علوم اور لسانیات کے اصول سے بہرہ ور ہوئے اور مزید حصول علم کی خاطر لاہور ان کی آمدورفت رہی ۔ اس سفر کے دوران میں ہ میر چاکر کی بستی (موجودہ ست گھرا) میں بھی آئے ، جہاں انہوں نے ملتان کے مشہور فتی معزالدین کے بیٹے محمد حافظ کی بیٹی سے شادی کر لی ۔ اس بیوی کے بطن سے دو ڑکوں اور ایک لڑکی نے جنم لیا ۔ بڑے لڑکے کا نام سید رحمت اللہ اور چھوٹے کا نام سید داؤد تھا ۔ شیخ داودؒ کی ولادت ۲۷ رمضان ۹۱۹/ دسمبر ۱۵۱۳ کو سیت پور کے گاؤں یں ہوئی جو آج کل مظفرگڑھ کی حدود میں ہے ۔ ملا بدایونی اور عبدالباقی صاحبِ مقاماتِ داؤدی کے مطابق شیخ داودؒ کے والد ان کی ولادت سے قبل ہی وفات پا گئے تھے ۔ ان کی والدہ بھی ان کی پیدایش کے جلد ہی بعد وفات پا گئیں ۔ طاعون کی وبا پھوٹنے اور بعض دیگر عوامل کی بنا پر انہیں اپنے ننھیال کی طرف ست گھرا میں نقل مکانی کرنا پڑی ۔ یعنی سید رحمت اللہ اور سید داؤد اپنے چچاؤں کو سیت پور چھوڑ کر ست گھرا چلے آئے ۔ یہاں وہ اپنے ماموں محمد حاجی کے پاس پہنچے ، جنہوں نے ان کی پذیرائی کی ، انہیں مستقل رہایش دی اور بعد میں اپنی بیٹیوں کی ان سے منگنی بھی کر دی ۔ ان دنوں دیپالپور تعلیم کا مشہور مرکز تھا جہاں بڑے بڑے علما و فضلا کسی معاوضے کے بغیر تدریس کرتے تھے۔ چنانچہ ان دونوں بھائیوں نے حصول تعلیم کے لیے دیپالپور کا رخ کیا ۔ عبدالباقی نے تو دیپالپور کے ان علما کے نام بھی گنوا دیے ہیں جن سے شیخ داؤدؒ نے تعلیم حاصل کی لیکن اس کے برعکس مُلا بدایونی نے مولوی محمد اسماعیل کا نام لیا ہے ۔ بدایونی نے شیخ داؤدؒ کی ذہانت و فطانت اور فہم و فراست کی تعریف کی اور اس ضمن میں ان کی عظمت کا ذکر ان کے ایک معلم کے حوالے سے کیا ہے ۔

سید داؤد نے دیپالپور کو چھ ماہ کے اندر اندر چھوڑ دیا اور پھر بصیر پور چلے آئے جہاں کے لوگ ان دو بھائیوں کے حسن اخلاق اور دیگر اوصاف سے متاثر ہو کر اس بات پر مُصر ہوئے کہ وہ اسی قصبے میں آباد ہو جائیں ۔ بہر حال شیخ (داؤدؒ) کچھ عرصہ وہاں گذار کر مزید تعلیم کے حصول کی خاطر لاہور چلے آئے ، جب کہ بڑے بھائی نے خود کو خاندان

ن نگہداشت اور بہبود کے لیے وقف کر دیا ۔ لاہور میں شیخ داؤدؒ کو اچھے علما سے سابقہ پڑا جن سے انہوں نے علوم مروّجہ کے علاوہ بعض زبانیں بھی سیکھیں ، دوسری طرف بڑے بھائی نے ایک مدرسہ قائم کر کے اپنے لیے ذریعۂ معاش کا سامان کر لیا ۔ ست گھرا سے ملنے والی مالی امداد اس سے الگ تھی ۔

ستائیس برس کی عمر میں شیخ داؤدؒ کی شادی ہوئی ، اس سلسلے میں انہیں ست گھرا جانا پڑا ۔ عبادت و ریاضت کی طرف متوجہ ہونے کے باعث وہ شادی سے پہلے ہی گھر سے کئی کئی دن غائب رہنے لگے تھے ۔ شادی کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا ۔ وہ سرمستی کے عالم میں قریبی جنگلوں میں سرگرداں رہتے ۔ شیخ داؤدؒ لاہور کی بستی اچھرے میں بھی کچھ عرصہ مقیم رہے ۔ یہیں ان کی ملاقات شیخ کمال سے ہوئی جو بعد میں ان کے مرید ہو گئے تھے ۔ پھر حالت جذب میں وہ موہلنوال نامی جنگل کی طرف نکل گئے جس میں لوگوں کی آمدورفت کم تھی ۔ یہ گاؤں ملتان روڈ پر اور ضلع لاہور کی حدود میں واقع ہے ۔ یہیں انہوں نے اپنی اساسی عبادت و ریاضت کی تکمیل کی ۔ مقامات داؤدی کے مطابق گیارہ برس کی محنت شاقہ کے بعد وہ مقام حاصل کیا جس میں صوفی روحانی انوار اپنے باطن میں منکشف پاتے ہیں ۔ شیخ ایک جید عالم بھی تھے اور ایک عالی مقام عارف بھی ۔ وہ آغاز میں کسی بھی سلسلۂ تصوف سے وابستہ نہ ہوئے اور "اویسی" کہلانے لگے (حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعلقِ خاطر کی بنا پر)

جب شیخ نے اپنی تعلیم مکمل کر لی اور عبادات و ریاضات کی بنا پر انہیں حسب دلخواہ رفعت میسر آ گئی تو وہ دوبارہ خاندان سمیت ست گھرا چلے گئے جہاں ان کا بیشتر وقت نواحی جنگلوں میں گذرنے لگا ۔ (مزید تفصیل اس کتاب میں ملاحظہ ہو)

شیخ داؤدؒ نے اپنی خدا ترسی اور اخلاق و کردار کی بلندی کے سبب لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا تھا ۔ چنانچہ تیس برس کے عرصے میں ان کے مریدوں میں صرف نومسلموں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ۔ وہ مبلّغ ہونے کے علاوہ ان پڑھ اور بے ہادی مسلمانوں کے معلّم بھی تھے ۔ ملا بدایونی نے شیخ کی اس عظمت و شہرت کی تصدیق کی ہے ۔ وہ خود شیر گڑھ (جہاں شیخ بعد میں منتقل ہو گئے تھے) میں شیخ سے ملا تھا ۔ اس نے منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ اس نے بیرم خان خانخاناں کے زمانے ہی میں شیخ داؤدؒ جُھنی وال کا چرچا سن لیا تھا جس سے اس کے دل میں ان سے ملاقات کا شوق

پیدا ہوا ۔ چنانچہ وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے شخصی جمال نے اسے بے حد متاثر کیا ۔ ملا بدایونی کے بقول وہ تین چار روز شیخ کے یہاں مقیم رہا ۔ اس عرصے میں کوئی بھی دن ایسا نہیں گذرا جس میں سو پچاس ہندو اپنے کنبوں سمیت حاضر ہو کر ان کے ہاتھ پر بیعت نہ ہوئے ہوں اور انہوں نے اسلام نہ قبول کیا ہو ۔ شیخ کے اشاعت اسلام سے متعلق شوق و جذبہ کے بعض واقعات مقاماتِ داؤدی میں مذکور ہیں ۔
شیخ داؤدؒ امن ، اخوت اور عفو و درگذر کے ایک عملی نمونہ تھے ۔ کسی کو کسی بھی قسم کی اذیت رسانی سے انہیں سخت نفرت تھی ۔ انسان تو ایک طرف وہ کسی حیوان کو بھی اذیت دینے کے قائل نہ تھے ۔ نفس کشی اور پاکبازی ان کا شعار زیست تھا ۔ وہ ہر ایسی شے سے بیزار تھے جو انہیں دنیوی رشتہ و پیوند کی طرف مائل کر سکتی تھی ۔ (اس کی تفصیل بھی مقاماتِ داؤدی میں مذکور ہے) ۔ بلا شبہ یہ قرآنی آیت ہمیشہ ان کے پیش نظر رہی کہ "بیشک تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے بہت بڑی آزمایش ہیں" ۔

مُلا بدایونی کے مطابق اس گاؤں کا نہ صرف ہر ہر پتا اور بوٹا نور خداوندی سے معمور تھا بلکہ وہاں کی ہر ہر اینٹ اس کیفیت کی حامل تھی ۔ شیخ کو روزانہ نقد نذرانے اور ہدیے پیش کیے جاتے لیکن انہوں نے کبھی دولت جمع نہ کی ۔ اس ضمن میں جو کچھ بھی جمع ہوتا وہ محتاجوں ، غریبوں ، لنگر کے مہمانوں اور تہی دست مسافروں پر اُٹھ جاتا ۔ مُلا ہی کے مطابق شیخ کی نفس کشی اور دریا دلی کا یہ عالم تھا کہ سال میں دو تین بار ہر وہ نقد و جنس جو ان کے پاس ہوتی غریبوں میں تقسیم کر دیتے ۔ ان کی گھریلو ملکیت مٹی کا ایک مرتبان ، ایک پرانا مصلیٰ اور سر چھپانے کو ایک کمرہ تھا ۔ جب بھی انہیں احساس ہو جاتا کہ ان کے پاس نذرانے اور ہدیے جمع ہونے لگے ہیں وہ اپنا عملِ تقسیم دہرا دیتے ، یعنی سب کچھ بانٹ دیتے ۔

خدا ترسی اور زہد و اتقا کے ساتھ ساتھ شیخ جہد و عمل کے بھی زبردست قائل تھے ۔ انہیں تساہل اور کاہلی سے نفرت تھی ۔ وہ اپنے مریدوں اور شاگردوں کو زندگی کی جدوجہد میں مستعد رہنے اور اپنی دنیوی حالت بہتر بنانے کی تلقین کرتے رہتے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی زور دیتے کہ اس فانی دنیا کے مال و دولت کے حصول میں خدا کو فراموش نہ کریں ۔ ان کے بعض اشعار سے ان کے نظریات کا پتا چلتا ہے ۔

ان کے اپنے قول کے مطابق انہوں نے خود کو اسم اور رسم کی پابندیوں سے آزاد کر لیا ہے اس لیے کہ تصوف ہر رنگ اور امتیاز کو مٹا دیتا ہے ۔ شیخ کو نمود و نمایش اور خوشامد سے نفرت تھی ۔ وہ دعا کی تاثیر کے شدت سے قائل تھے ، اور ان کے مطابق وقت کا بہترین مصرف عبادات و مناجات تھا ۔ ان کے بقول جو شخص خود کو دنیوی ہنگاموں سے آزاد نہیں کر سکتا اس کا ماتم کرنا چاہیے اور اس کا بھی ماتم کرنا چاہیے جو کسی دنیوی منصب کے ٹھاٹھ باٹھ سے خود کو وابستہ کر لیتا ہے ۔ ایک صوفی کا گراں بہا اثاثہ صرف وقت ہے ۔ اگر وہ اسے ضائع کرتا ہے تو پھر اس صوفی کا بھی ماتم کرنا چاہیے ۔

اکبری دور میں ان کی شہرت پورے برصغیر میں پھیل گئی تھی جس کے باعث ان کی قیام گاہ علما اور مؤرخین ، صوفیہ اور سلاطین کا مرجع بن گئی تھی ، اگرچہ وہ حتی الوسع ان سے دور رہنے کی کوشش کرتے تھے ۔ تاہم انہی لوگوں نے شیخ داؤدؒ کو ان کے صحیح رنگ میں متعارف کرایا ہے ۔ اور یہ بات واضح ہے کہ شیخ داؤدؒ نے وعظ و تبلیغ کے میدان میں جلیل القدر کارنامہ سرانجام دیا ہے اور یہی امران کی عظمت کے اعتراف کے لیے کافی ہے ۔ اگرچہ ہزاروں لوگ شیخ کی تبلیغ کے نتیجے میں مسلمان ہوئے لیکن خود شیخ کے اپنے دعوے کے مطابق جو قبائل جزوی یا کُلی طور پر ان کے مرید ہوئے اور انہی کی وساطت سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان کے نام یہ ہیں : ضلع گوجرنوالہ میں ورک ، چٹھے ، تارڑ ، ہنجرا ، دھوتار ، چیمے ، وڑائچ ، گرہائے ، مان ، سانسی اور کچھ دوسرے قبائل ۔ سیالکوٹ میں باجوے ، بسرا ، چیمے ، گھمن ، کاہلوں ، گرہائے ، ساہی اور سندھو ۔

خاص ضلع ساہیوال میں شیخ کو تبلیغ کا موقع کم میسر آیا کیونکہ یہ کام ان سے پہلے صوفیا کر چکے تھے ، تاہم حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر اور حضرت بہاء الدین زکریا رحمہم اللہ تعالیٰ کی مساعی جمیلہ کے باوصف جو قبائل دائرۂ اسلام میں داخل ہونے سے رہ گئے تھے اور جن کو مسلمان کرنے کا دعویٰ شیخ داؤدؒ کرتے ہیں وہ یہ ہیں : اِراڑ ، ہان ، ھُتیانے ،کولاہ کے مجھیانے ، مردانے بلوچ اور بعض دوسرے قبائل ۔

شیخ داؤدؒ کے بعض مریدوں کو بڑی شہرت نصیب ہوئی ۔ ان میں شاہ ابوالمعالیؒ (جنہیں لاہور کے ان پڑھ لوگ شبدر مالی یا صفدر مالی کے نام سے یاد کرتے ہیں) خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو اپنے وقت کے بہت بڑے صوفی ہونے کے علاوہ عالم اور شاعر

بھی تھے ۔ جہانگیر کے دربار کا مشہور ایرانی شاعر طالب آملی (جو بعد میں ایران واپس چلا گیا تھا) شیخ ابوالمعالی کا مرید تھا اور اس نے لاہور کی تعریف میں کہے گئے اپنے قصیدے میں ان کا نام بڑے احترام سے لیا ہے ۔ مولانا شبلی نے اپنی مشہور کتاب شعرالعجم جلد سوم میں وہ شعر اس طرح درج کیے ہیں :

کنم زان رو مرید آسا شب و روز   کرامتہا بیان در باب لاہور

کہ پیر و دستگیر و مرشد من   یکے قطب است از اقطابِ لاہور

خدایا زندۂ جاوید دارش   بہ آب خضر یعنی آب لاہور

(میں لاہور کے بارے میں اس لیے مریدوں کی طرح کرامتیں بیان کر رہا ہوں
کیونکہ میرا پیر و دستگیر اور مرشد لاہور کے قطبوں میں سے ایک قطب ہے ۔
خدایا تو اسے آب حیات یعنی آب لاہور سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ رکھ ۔)

شیخ کے ایک اور مرید حضرت ابو اسحاق مزنگ ہیں ، جن کا مزار لاہور میں مزنگ کے اندر کارپوریشن ڈسپنسری کے سامنے واقع ہے ۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں ان کا نام اولیا کی فہرست میں لکھا ہے ۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی خلفا کے نام ایسے آتے ہیں جو خاص مقام کے حامل تھے ۔

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا اکبری دور کے مشہور مؤرخ عبدالقادر ملوک شاہ بدایونی نے اپنی تاریخ "منتخب التواریخ" میں شیخ داؤدؒ کے بارے میں خاصی تفصیل سے لکھا ہے (ملاحظہ ہو اس کتاب کا اردو ترجمہ از محمود احمد فاروقی ۔ پبلشر شیخ غلام علی اینڈ سنز ۔ لاہور ۔ صفحات ۵۷۷ تا ۵۸۲) ۔ اس نے آخر میں شیخ داؤدؒ کے کردار کی تصویر ان الفاظ میں کھینچ دی ہے :

شیخ داؤدؒ جھنی وال (۲) اپنے وقت کے قطب ، صاحب کشف و کرامات تھے ۔ آپ نے بڑی بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کیے تھے ۔ ابتدا میں علوم ظاہری حاصل کیے اور ان کی تعلیم بھی دی ۔ پھر ایسے متوکل اور خانہ نشین ہوئے کہ کبھی اہل دنیا سے ملنے نہیں گئے ۔ صرف ایک بار شیر گڑھ سے گوالیار ، وہ بھی سلیم شاہ (سوری) کے طلب کرنے پر گئے تھے ۔ اکبر بادشاہ جب پٹن کو گیا تو اس نے شہباز خان کو شیخ کے بلانے کے لیے بھیجا تا کہ وہ ملاقات کا موقع دیں لیکن آپ نے عذر فرمایا کہ ہماری غائبانہ دعا ہی کافی ہے ۔ غرض آپ دنیاداروں کی صحبت سے ہمیشہ دور رہتے تھے اور الفقر فخری پر عمل

فرماتے ۔ جو شخص بھی حضرت کی صحبت میں پہنچ گیا وہ آپ کے فیض روحانی سے مستفید ہو کر لوٹا ۔ آپ نے ۹۸۲/۱۵۷۵ء میں وصال فرمایا آپ کی تاریخ "یا شیخ داؤدؒ ولی" ۹۸۲ ہے۔

(کتاب مذکور ص ۵۸۲)

شیخ داؤدؒ کا مزار شیر گڑھ میں ہے ۔ اوکاڑہ سے دس میل کے فاصلے پر رینالہ اور وہاں سے تقریباً گیارہ میل کے فاصلے پر شیر گڑھ ہے ۔ شیر گڑھ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں شیر شاہ سوری نے قلعہ بنایا تھا ۔ اس علاقے میں سب سے اہم تاریخی عمارت ، جیسا کہ مرحوم محمد شفیع نے لکھا ہے "جناب داؤد کرمانی کی خانقاہ ہے" یہ خوبصورت ہشت پہلو گنبد دار عمارت ایک چبوترے پر بنی ہے ۔ عمارت کے اندر چونے پر جا بجا گل کاری کی گئی ہے ۔ ہشت پہلو رقبے سے دیواریں اٹھا کر ان پر آٹھ محرابیں بنائی گئی ہیں اور ان محرابوں پر گنبد تعمیر کیا گیا ہے ۔ چار دیواری کی تمام درمیانی جگہ میں جناب کرمانی (شیخ داؤدؒ) کا گور خانہ ہے اور قبروں میں سب سے نمایاں قبر جناب کرمانیؒ کی ہے ۔ مذکورہ محرابوں کے نیچے شمالی سمت سے شروع کر کے مسلسل چار طرف پوری سورۃ الفتح لکھی ہے ۔۔۔۔ گنبد کے اندر روشنی کم ہے ۔۔۔۔ نیچے دیواروں پر فارسی کی نظم جلی نستعلیق خط میں درج ہے ۔ اس کا مطلع شمالی دیوار کے دائیں سرے پر ہے اور مقطع جنوبی دیوار کے بائیں سرے پر ۔ یہ نظم کل نو اشعار پر مشتمل ہے ۔۔۔۔۔

چند اشعار :

نکتۂ وحدت کہ کس رانیست حاصل بی گمان ۔۔۔ طالبان را از رخ خوب تو شد عین الیقین

قطب عالم شیخ داؤد آں سپہر معرفت ۔۔۔ عالم علم مبین و شارع شرع متین

خلعت قرب و کرامت راست بر بالای او ۔۔۔ ہم شریعت ہم حقیقت دارد اندر آستین

(وحدت کا نکتہ ، جو بلا شبہ کسی کو بھی میسر نہیں ، یعنی کسی پر واضح نہیں ، وہ آپ کے رخ خوب سے طالبوں کے لیے عین الیقین ہو گیا ، یعنی انہوں نے وحدت کو آنکھوں سے دیکھ لیا ۔

— دنیا کے قطب ، شیخ داؤد کہ معرفت کے آسمان ہیں ۔ وہ علم مبین کے عالم اور

شرع متین پر چلنے والے ہیں ۔
— قرب و کرامت کی خلعت ان کے جسم پر ٹھیک بیٹھتی ہے ۔ ان کی آستین میں شریعت بھی ہے اور حقیقت بھی)

کچھ کتاب کے بارے میں :

"مقاماتِ داؤدی" عبدالباقی بن جان محمد کی تالیف ہے ۔ مصنف کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ۔ کتاب سے اتنا پتا چلتا ہے کہ شیخ داؤدؒ کے اس وقت تک زندہ رہنے والے مریدین سے اس کی ملاقات رہتی تھی جس کی بنا پر اسے شیخ کے خوارق و کرامات کی تحریر کا شوق پیدا ہوا ، لیکن بوجوہ وہ اس شوق کو عملی جامہ نہ پہنا سکا ، تا آنکہ ۱۰۵۶/۱۶۴۶ء میں ناصر الدولہ کے ایک مقرب فراست خان کے ایما پر اس نے اس تحریر کا بیڑا اٹھایا ۔ کتاب کتنے عرصے میں مکمل ہوئی ، اس کا کوئی ذکر کتاب میں نہیں ملتا ۔ شیخ داؤدؒ کے اسم گرامی کی رعایت سے اس کتاب کا نام مقامات داؤدی رکھا گیا ۔ کتاب سات مقامات پر مشتمل ہے جن کی تفصیل مصنف نے شروع میں دے دی ہے ۔ شیخ داؤدؒ کے علاوہ ان کے بعض مشہور خلفا کے بھی مختصر سوانح اس میں آ گئے ہیں ۔ (متن میں صرف پانچ مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے ، باقی دو پر "مقام" کا عنوان نہیں ہے) ۔

کتاب کا شروع کا حصہ ، اس زمانے کے دستور کے مطابق ، مرصع نثر میں ہے اور جگہ جگہ اشعار سے اسے مزین کیا گیا ہے ۔ باقی حصہ سادہ نثر میں ہے ، کہیں کہیں مصنف نے صنائع بدائع سے بھی کام لیا اور مسجع و مقفیٰ جملے لا کر تحریر میں حسن و دلکشی پیدا کرنے کی سعی کی ہے ۔ بعض مقامات پر وہ جملہ ہائے معترضہ لا کر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہے ۔ اس نے جگہ جگہ جو حوالے دیے ، شخصیات کا ذکر کیا ، مختلف شعرا کے اشعار موقع کے مطابق جڑے اور قرآنی تلمیحات وغیرہ سے کام لیا ہے وہ اس کے وسیع مطالعے کا غماز ہے ۔ اگرچہ مصنف نے اکثر جگہ عربی الفاظ کھپائے ہیں لیکن کہیں کہیں وہ خالص فارسی الفاظ لایا ہے حالانکہ ان کی جگہ عربی الفاظ زیادہ واضح اور فہم کے نزدیک ہو سکتے تھے ، مثلاً ادراک کی بجائے "دریافت" کا لفظ جو خالصتاً فارسی ہے ۔

کتاب یوں تو شیخ داؤدؒ کے احوال و سوانح پر مشتمل ہے لیکن جیسا کہ ملاحظہ ہو گا ، کہیں کہیں مصنف نے عصری تاریخ کے بعض واقعات بھی قلمبند کر دیے ہیں ، جن سے اس کتاب کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے ۔ اس سلسلے میں خراسانیوں کے ظلم کے واقعات

.. .ہور میں قحط کا واقعہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔ اس دور کی معاشرت کی بھی کہیں کہیں تصویر کشی ہوئی ہے ۔ اس کتاب سے ہمیں اس بات کا بھی پتا چلتا ہے کہ دیپالپور (جو آج ایک چھوٹا سا شہر ہے) اس زمانے میں علم و تدریس کا بہت بڑا مرکز تھا ۔

مقاماتِ داؤدی اگرچہ کئی لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے (خاص طور پر اس لحاظ سے کہ وہ شیخ داؤدؒ جیسی عظیم المرتبت علمی و روحانی شخصیت سے متعلق ان کے قریبی عہد میں لکھی گئی) لیکن اس میں اکثر ایسی مبالغہ آرائی بلکہ غلو سے کام لیا گیا ہے جسے آج کا کوئی بھی بالغ ذہن تسلیم کرنے کو تیار نہ ہو گا ۔ فارسی کی ایک ضرب المثل ہے : "پیران نی پَرند مریدان می پرانند" (پیر حضرات نہیں اُڑتے ، مرید انہیں اُڑاتے ہیں) مطلب یہ کہ صوفیا و اولیا حضرات خود مافوق الفطرت باتوں پر نہ یقین رکھتے ہیں اور نہ انہیں پسند کرتے ہیں ، لیکن مریدین ان کی عظمت کو ظاہر کرنے کی خاطر اور کچھ اپنی اندھی عقیدت کی بنا پر ان سے ایسی ایسی باتیں اور کرامتیں منسوب کر دیتے ہیں کہ توبہ ہی بھلی ۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کی سب سے بڑی کرامت ان کا حسن اخلاق اور بنی نوع انسان سے ، بلا تمیز فِرَق و مذاہب ، محبت و ہمدردی تھی ۔ پھر دنیا سے بے نیازی اور خلوص نیت کی وجہ سے مستجاب الدعواۃ بھی تھے ، جو کوئی مصیبت کا مارا یا غرض مند ان کی خدمت میں پہنچا اس کے لیے انہوں نے خلوص دل سے دعا کی اور بس ۔ یہ حضرات اسوۂ حسنۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سختی سے کاربند رہے اور اس میں حسن اخلاق بنیادی چیز ہے ؛ چنانچہ خود رسول مکرمؐ کی حدیث ہے کہ مجھے اخلاق کی تربیت کے لیے یہاں بھیجا گیا ۔ آٹھویں صدی/چودھویں صدی عیسوی کے مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ مُنیری اپنے ایک خط میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے نبی ہونے کا کوئی معجزہ نہ بھی ہوتا تو بھی حضور صلعم کا اخلاق ستودہ حضور صلعم کے نبی ہونے کی بہت بڑی دلیل تھا ۔ تو گویا حسن اخلاق ہی ان صوفیا حضرات کی سب سے بڑی کرامت تھا ۔ جیسا کہ عرض ہوا مقاماتِ داؤدی میں شیخ داؤدؒ سے جو کرامات منسوب کی گئی ہیں ، انہیں پڑھ کر ، بالغ ذہن تو ایک طرف ، ایک بچہ بھی حیران و متعجب ہو گا اور سراپا سوال بن جائے گا ۔ بہر حال مصنف کو اس قسم کی ہوائیاں اڑانے پر اس خیال سے چھوٹ دی جا سکتی ہے کہ اس زمانے میں ایسی ہی باتوں کی طرف زیادہ توجہ کی جاتی تھی اور عام لوگ کسی بزرگ کی ایسی ہی باتیں سن کر

ان کی شخصیت سے مرعوب ہوتے تھے ؛ جیسا کہ خود مصنف نے کئی جگہ اس قسم کے واقعات تحریر کیے ہیں ۔ پھر یہ بھی ہے کہ اس نے زیادہ تر سُنی سنائی باتوں کو دہرا دیا ہے کیونکہ اس قسم کے ہر واقعے کا آغاز اس نے "نقل است" سے کیا ہے ۔ جہاں تک اس کتاب کے استناد کا تعلق ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصنف کے بیان کردہ سنین میں کہیں تھوڑا بہت فرق ہو تو ہو وگرنہ قریب العہد ہونے کے باعث (۹۸۲ھ میں شیخ داؤدؒ کی وفات ہوئی اور ۱۰۵۶ میں مصنف نے پچاس برس کی عمر میں یہ کتاب لکھنا شروع کی) اور خاص طور پر اپنے عہد کی تاریخ سے متعلق اس کی کئی باتیں درست ہی ہوں گی ۔ اگرچہ مصنف نے شیخؒ کی عالمانہ عظمت کو کماحقہ نہیں ابھارا اور زیادہ تر مافوق الفطرت باتوں ہی پر زور دیا ہے ، تاہم کہیں کہیں وہ مذکورہ عظمت کی طرف کچھ اشارے دے گیا ہے ۔ بالخصوص جہاں خود شیخ کی زبان سے کچھ بیان کیا ہے اس میں سراسر سُنت و شریعت اور دانش و حکمت ہی کی بات ہوئی ہے ۔ کچھ تو اس بنا پر اور کچھ دوسری باتوں کی وجہ سے ، جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ، اس کتاب کی بہر حال اپنی ایک اہمیت ہے اور اس کے ترجمے کی اشاعت بلا شبہ لائق تحسین و تبریک ہے ۔

۱۔ شیخ داؤدؒ جہنی وال رحمتہ اللہ علیہ کے یہ سوانح منتخب التواریخ اردو ترجمہ اور خود مقامات داؤدی کے علاوہ "احوال الشیخ داؤد جہنی وال" مرتبہ سید محمد حیدر سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ جہنی موجودہ چونیاں کو کہتے ہیں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از کوٹ ولیا

مورخہ ٦-٩-١٩٦٤ء

مکرمی و محترمی جناب شاہ صاحب ۔ زاد عنایتکم

السلام علیکم ۔ چٹھی انگریزی لف ہذا ہے ۔ ملاحظہ ہووے ۔ جس طرح آپ نے مجھے کچھ عرصہ ہوا شیخ داؤدؒ بندگی صاحب کے حالات طلب فرمائے تھے اسی طرح شیخ محمد اکرام سی ۔ ایس ۔ پی چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف نے بغرض چھپائی "مقاماتِ داؤدی" حاصل کر لی ہے جو چھپ جائے گی ۔ دو تصویریں ایک حضرت داؤد بندگی صاحب اور ایک شاہ ابوالمعالی صاحب کی میرے پاس ہیں ۔ نیز ایک فرمان بھی ہے جس میں اپنی اولاد اور خُلفا و مریدین کو ہدایتِ اعانتِ مرد نَو مسلم ہے ۔ وہ ١٥/٩/٦٤ تک ہمراہ لاؤں گا اور آپ سے ملوں گا ۔ مقاماتِ داؤدی پر مجھے چنداں درستی کا یقین نہیں ہے ۔ ٩٨٢ ہجری وفات ہے ۔ تو لکھنے والا ١٠٥٣ ہجری میں صداقت سے کیا حالات لکھے گا ۔ نیز ہر موقع پر "نقل است" سے شروع کرتا ہے ۔ اَلم غَلم بہت کچھ خلافِ عقل غلو بھی کرتا ہے ۔ جو اِس فقرہ کا مِصداق ہے کہ "پیراں نمی پرند مریداں می پرانند" ۔ نیز یہ کہ misprin بھی ہیں ۔ کچھ کِرم خوردہ ہے مگر بہت کم ۔ اب اس پر ابتداً کچھ لکھنا بھی ہے ۔ کیا آپ لکھیں گے ؟ یا محمد اکبر صاحب منیر ۔ سابق لیکچرار فارسی ۔ ایمرسن کالج ملتان کو کہا جائے ۔ یہ آج سے قریباً ٤٠ ۔ ٥٠ برس پہلے حاشیہ پر سرخی سے نوٹ بھی لکھتے رہے ہیں ۔ جب میں بی ۔ اے تھرڈ ایئر میں اِن سے ١٩١٦ - ٢٠ تک پڑھا کرتا تھا ۔ جہاں یہ الفاظ آتے ہیں "ایں دوہڑا را بزبان سندھی رانند" وہ کوئی پنجندیا سندھ و اُچ کے علاقہ کا خواندہ آدمی سمجھ سکتا ہے ۔ یہ دوہڑے خواجہ غلام فرید صاحب کی طرف کے ہیں جن کو میں کم از کم نہیں سمجھ سکا ۔ نیز یہ کہ مصنف "عبدالباقی بن جان محمد" یکے از خادمانِ درگاہ ہے جو جہانگیر کے زمانہ میں ان کے پوتے کے پاس تھا ۔ یہ شخص موضع "چھینہ!! کا رہنے والا ہے ۔ جو گکھڑ ضلع گوجرانوالہ کے پاس ایک گاؤں ہے ۔ اور جسے چھینی لکھا گیا ہے ۔

بہر صورت باقی حالات بوقت ملاقات ۔ حضرت کا شجرہ مرشدی تو صرف اتنا درکار ہے کہ آپ سید حامد گیلانی اُوچی کے مرید ہیں جو سلسلۂ قادریہ میں ان کے ذریعے ہی منسلک ہیں ۔ یقیناً آپ محمد بن احمدؒ بن موسیٰ مرقع ابن امام محمد تقی ابنِ امام علی ابنِ موسیٰ رضاؑ کی اولاد سے ہیں ۔

نیاز مند

محمد حیدر

اس کتاب میں کِرم خوردہ **misprint** کی درستی بھی لازم ہے ۔ ...... بھی اس میں ہیں ۔ لاہور آ رہا ہوں ۔ غلام شبیر صاحب کو مِلوں گا ۔

P.O. Amer Sidhu
Lahore-14.
April 10, 1964

My dear Haider,

Recently you have been very much in my mind for more than one. One such reason has been the desire to enquire about your thesis on Hazrat Daud Bandgi. Why keep it as a preserve? Why not let the world see it? Why not publish it?

The other thing has been a miniature painting of Hazrat Daud bandgi? Where is it? We could photograph it or even get more miniatures made.

Thirdly, if I rember, you had Malfoozat-i-Hazrat in persian. Why can't they be published?

I hope you are in good health and spirits.
With affectionate regards, I remain

Yours Sincerely

(ZULFIQAR ALI)

رب یسر — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — و تمم بالخیر

(الٰہی آسان فرما) شروع اللہ مہربان اور رحم فرمانے والے کے نام سے (اور بخیر و خوبی تمام ہو)

بے اندازہ سپاس اور پاکیزہ بنیاد تعریف اس خالق کے لیے سزاوار ہے جس نے انسان کی بدیع البیان (انوکھی باتیں بیان کرنے والی) زبان کی لوح میں گویائی کی قوت کا یاقوت مخفی رکھا اور (جس نے) اصحاب فطرت (دانائی) اور اربابِ حکمت کے روشن ضمیر کی ڈبیا کو دانش و معرفت کے درخشاں موتیوں سے نوازا، نیز (جس نے) اہل خرد کی بصارت کے نور کو بدائع صنائع (معنوی خوبیوں) کے شاخ در شاخ نور کی قابلیت و اہلیت اور فراخی عطا فرمائی، اور صالحین کے ذکر کے ناحیہ کی بادِ نسیم سے، یقین کے لباس سے آراستہ دل کی کلی کو اپنے لطف و کرم کی بدولت کھلایا۔ وہ ذاتِ علیم ایسی ہے جس کے علم قدیم کے صفیر (؟) کے سوا عالمِ عدم کے میدان میں نہیں پہنچا جا سکتا۔ ایسا کریم جس کی مہربانی کے فیض کے بغیر کسی کو رشد و ہدایت کا عَلَم نصیب نہیں ہوتا۔

نظم:

خدایی کہ ہستی مراو را سزاست — بجز ہستی او فنا در فناست

زہی صنع کامل کہ ازیک وجود — پدیدارشد ہر چہ ہست آنچہ بود

(خدا ہی کو بقا سزاوار ہے۔ اس کی ذات کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سراسر فنا ہے
(اس خالقِ کامل کے کیا کہنے کہ ایک وجود سے وہ کچھ ظاہر ہوا جو ہے اور جو تھا)

اور بے پایاں درود ہو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ فلکِ رسالت کے مُشتری اور نبوت کے یمن (مُلک) کے سہیل ہیں۔

نظم:

شہی چترِ او ابرِ مشکیں پرند — سرسدرہ از پای تختش بلند

جہان داوری یثربش بارگاہ — بشرق و بغرب امتش بادشاہ

ہزاران ہزار آفرین و درود — زجان آفرین، خالقِ ہست و بود

بروّ باد و برآل و اولاد او — براصحاب و احفادِ امجادِ او

(حضورؐ ایسے بادشاہ ہیں جن کا چتر سیاہ ریشمی بادل کا ہے۔ جن کے مبارک تخت کے پائے

ے سدرہ کو عظمت ملی ہے ۔ حضور ایسے منصف ہیں جن کی بارگاہ یثرب میں ہے اور جن کی امت مشرق و مغرب میں بادشاہ ہے ۔

جان کو پیدا کرنے والے اور ہست و بود (کائنات) کے خالق کی طرف سے حضور پر ، حضور کی آل و اولاد پر اور حضور کے صحابہ کرام نیز حضور کی بزرگ نسل پر ہزاروں لاکھوں درود ہوں)

اما بعد ! صاحبِ قوت خدا کا بندہ حقیروضعیف عبدالباقی بن جان محمد جمجی عرض پرداز ہے کہ سنِ شعور کی صبح کے طلوع ہونے سے اب تک ، کہ عمرِ عزیز پچاس (برس) کو پہنچ چکی ہے ، ہمیشہ اور پیوستہ اس ذات (داؤدؒ) کی خوارق (کرامات) کی روشن شعاعوں سے اور حقیقتوں کی نقدی کے اس خزانے اور فلک ولایت کے خورشید دقائق کے یاقوتوں کے اس مخزن ، قادریہ دربار کے مقربین کے پیشوا ، ہدایت کی بلندی کے قطب ، سلسلہ علّیہ کی لڑی کے بڑے موتی ، الداؤد کے پاکیزہ خطاب سے مخصوص ، قلبی (میرے دل) اور القلب جانب الایسر (اور دل بائیں جانب ہے) ، حقیقت اور معنویت سے منسوب حضرات بلکہ صلبی فرزندوں کے محسود (جس سے حسد کیا جائے ، مورد رشک) سلطان المتاخرین (بعد میں آنے والوں کے بادشاہ) برہان المتقدمین (پہلے لوگوں کی دلیل، رہنما) مصحفِ وجود کی آیتِ سجود حضرت کی خدمت اقدس ۱ سے

نظم

شیخ داؤد سپہرِ کرم و نیرّ جود — کزوجودت شدہ مقصود دو عالم موجود

نورِ پاک مہ جیلی ۲ کہ جہان روشن ازوست — گشت تاباں ز رخ خوب تو درعین شہود

ہمچناں کز دو جہان خواہش حق بود — خواہش غوث دو عالم ہمہ اظہار تو بود

خلعت قادری آمد بقدتِ راست چنان — کز تو تاحضرت قادر نتوان فرق نمود

سُہروردیہ چشتیہ تصرّف در باخت — کہ کمالش زہمہ گوے تصرف بربود

خاص اولادِ تو شد دولت غوث الثقلین — کز ایاز است ہمہ آنچہ بود از محمود ۳

تاابد در رہِ صدق تو بود سرِزمین — ہر کہ اورا ز ازل گشت نصیبہ بہبود

یافت آسائش کونین و نجات دارین — ہر کہ در سایہ درگاہ تو لحتی آسود

روح قدسی شود از نغمۂ تسبیح تومست — غیرداؤد کہ داند دگر این نغمہ سرود ۴

در سوادِ خوش آب و شجر شیر کرہت — طالبان را بنظر دجلہ و بغداد نمود

حرم روضہ دہد یاد ز مکّہ حرمش | درمیان کعبہ و از چار طرف مسجود
بتو جویند مراد دوجہان مردم | کہ توئی نایب مبعوث مقام محمود
ہر عبادت کہ تواند بکند زاہد و شیخ | وردِ جان و دل باقیست ہمین یا داؤد

(— شیخ داؤد کرم کے آسمان اور بخشش و سخاوت کے خورشید ہیں جن کا وجود دونوں عالمہائے وجود کا مقصود ٹھہرا ہے ۔
— آپ ماہِ جیلی کے ، جس سے دنیا منور ہے ، پاک نور ہیں ۔ آپ کے چہرہ مبارک سے عین شہود کا در روشن ہوا ۔
— بالکل اسی طرح جس طرح کہ دونوں جہانوں سے حق کی خواہش تھی ، دونوں عالموں کے غوث کی خواہش ہی کا سارا اظہار آپ نے ہوا ۔
— آپ کے قد پر قادری خلعت کچھ اس طرح ٹھیک بیٹھی ہے کہ آپ میں اور حضرت عبدالقادر میں فرق نہیں کیا جا سکتا ۔
— سہروردیہ اور چشتیہ فرقوں کا تصرف جاتا رہا ، کیونکہ آپ کا کمال ، سب سے گوے سبقت و تصرف لے گیا ۔
— غوث ثقلین (عالم انس و جن کے غوث) کی دولت آپ کی اولاد کے لیے مخصوص ہو گئی ، کیونکہ جو کچھ محمود کا ہے وہ دراصل ایاز ہی کا ہے ۔
— جس کسی کو ازل سے بہتری کا نصیبہ ملا ہے وہ آپ کے صدق کی راہ میں ابد تک زمین پر سر رکھے گا ۔
— جس کسی نے تھوڑی دیر کے لیے بھی آپ کی درگاہ کے سائے میں آرام کر لیا اسے کونین کی آسایش اور دونوں جہانوں کی نجات میسر آگئی ۔
— آپ کی تسبیح کے نغمے سے روح قدسی سرور میں ہے ۔ بھلا داؤد کے سوا اور کون ایسا نغمہ الاپ سکتا ہے ۔
— آپ کے شیر گڑھ کے عمدہ پانی اور درختوں کے نواح میں طالبوں کو دجلہ اور بغداد دکھائی دیا ۔ (پانی کی رعایت سے دجلہ اور تازگی و سبزہ کی رعایت سے بغداد کا ذکر کیا)
— آپ کا حرم ، حرم مکہ کی یاد دلاتا ہے ۔ درمیان میں کعبہ ہے اور چاروں طرف اہل سجدہ ہیں ، شیخ داؤدؒ کے روضہ کو مکہ سے تشبیہ دی ہے جو مبالغے کی انتہا یعنی غلو ہے)

— لوگ آپ سے دونوں جہانوں کی مرادیں مانگتے ہیں کیونکہ آپ مقامِ محمود پر معبوث کیے گئے نایب ہیں ۔
— شیخ و زاہد جو بھی عبادت کر سکتے ہیں اس میں صرف یہی یا داؤد کا ورد جان و دل میں باقی ہے)

استفادہ و استفاضہ کرتا رہا اور آں حضرت (شیخ داؤدؒ) کی سیرت کی خوبیوں اور خصلت کے اوصاف سننے کے عشق میں شب و روز اصحابِ سعادت پیوند کی صحبت کا جویا رہا ہے ۔ اگرچہ اس حقیر کی نظر میں حضرت کے جمال جاں پرور کے ناظرین اور آپ کی فیض اثر نظر سے فیض یافتہ بیس حضرات بلکہ اس سے بھی زیادہ آئے لیکن بڑے بڑے لوگوں اور نامدار احباب میں سے جو راستی گفتار اور درستیِ کردار کے لحاظ سے تجربے کے معیار پر پورے اترے ، عدد و شمار میں کوئی ہزار کے لگ بھگ ٹھہرے ۔ ان حضرات و اصحاب نے خدائے ذوالجلال کی اس برگزیدہ ہستی کے افعال کے خصائص اور عمدہ اقوال کا جس طرح مشاہدہ و معائنہ کیا تھا ، اسے جس طور بیان کیا اس کی سماعت سے میں نے بڑی لذت پائی اور وافر حظ اٹھایا ۔ ان کی بیان کردہ معلومات کو سن کر اس کمترین کو اس امر کا پورا یقین ہو گیا کہ جو جو کرامات اور عجیب و غریب تصرفات (کرامتیں ، خوارق عادت) آپ سے ظہور پذیر ہوئیں ۔
— مثلاً فقر و فاقہ اختیار کرنا ، غیب کے عالموں کا اسرار ظاہر کرنا ، زمانۂ مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے امور کی اطلاع دینا ، گذشتہ واقعات بیان کرنا ، آگ میں داخل ہونا ، پانی پر چلنا ، دلوں کو منوّر کرنا ، بھیدوں کا بتانا ، زمین کو طے کرنا ، مرض دور کرنا ، جذبِ قلوب اور تسخیر و حوش و نفوس ۔ وہ قدیم مشائخ اور آخر میں آنے والے اولیا سے ساری عمر میں شاذ و نادر ہی صادر ہوئی ہوں گی ۔ نیز یہ کہ آپ کے زمانے کے کسی بھی فاضل اور قریب العہد صاحبِ بلاغت نے آپ کے ملفوظات قلمبند کرنے کی طرف توجہ نہ کی ۔ گویا حضرت کی طرف سے اس کام کا اجازت نہ تھی اور نہ آپ اسے جائز سمجھتے تھے ۔ حضرت افعال کے اخفا اور پوشیدگی کے بارے میں حد سے زیادہ کوشش فرماتے ، بلکہ خانقاہ کے فقرا اور اس معارف آگاہ درگاہ کے اہل رشد و ہدایت کو تاکید فرماتے کہ اگر کبھی کوئی اجنبی آ جائے جو تمہیں نہ جانتا ہو تو اسے یہ مت بتاؤ کہ تم فلاں کے دوست ہو کیونکہ یہ بات بھی پیر فروشی اور خود نمائی کے ذیل میں آتی ہے ، اور جو

کوئی دنیاوی فائدے کی خواہش میں اپنے معنوی نام و نسبت کا اظہار کرتا ہے وہ گویا اسے اسی معمولی سے نفع پر بیچ ڈالتا ہے جس کے نتیجے میں اس کی آبروے صحبت خاک مذلت میں مل جاتی ہے ۔ اس بنا پر ولایت مآب اصحاب اس امر کو بڑی حد تک ملحوظ و محفوظ رکھ رہے تھے کہ کسی بھی صورت میں حضرت کا نام ظاہر نہ ہو ، اور اگر ضرورت پڑ جاتی تو باہم دگر رمز و اشارہ کے انداز میں بلکہ جمل ۵ کے حساب سے بتاتے پھر اس صورت میں بھلا مناقب کا تحریر کرنا کیونکر ممکن تھا ، اور اس میں بیانِ احوال اور قیل و قال کی مجال کی کہاں گنجائش ۔

قطعہ :

نشان و نام ترا روزگار کے داند　　صفات و ذات ترا غیر یار کے داند

کسے کہ ہستی خود را بحق بپوشاند　　دگر کسش بجز از کردگار کے داند

(— زمانے کو تیرے نام و نشان کی کیا خبر ؟ دوست کے سوا تیری صفات و ذات کا کسے علم ؟

— جو اپنی ہستی کو حق میں چھپا لیتا ہے اسے کردگار کے سوا دوسرا کون جانتے والا ہے ؟)

یہ تو خدائے ذوالجلال کے عارفوں کے پیشوا عنوان کی صورت بلند مقامات کے حامل جناب حضرت شاہ ابوالمعالی نے خود اپنے فیض منزل دل میں یہ ارادہ کیا کہ وہ بھی خواجہ حسن شاعر کی فوائد الفواد ٦ کی مانند کتاب ترتیب دیں جیسا کہ جو کچھ وہ اپنے مرشد سے سنتے حیطۂ تحریر میں لے آتے ۔ اسی طرح وہ بھی ہر قسم کی غیبی واردات اور مقدس کلمات ، جو حضرت سے ظہور پذیر ہوں ، ہر روز کتابت کی لڑی میں پرو کر ایک مجموعہ تیار کریں اور زمانے کے بازو پر ایک عجیب تعویذ باندھ دیں اور عزیز و جانی دوستوں کی خاطر روحانی ضیافت کا اہتمام کریں ۔

اتفاق سے زمانے کے اس انوکھے نسخے (کتاب) کی تحریر و تسوید چار جزوں تک پہنچی تھی کہ ایک رات جب شاہ جیو (احترام کے لیے شاہ جیو یعنی شاہ صاحب، قبلہ شاہ صاحب لکھا جاتا ہے) اندر (گھر میں) تشریف فرما تھے اور خادم حجرے کا چراغ حسبِ دستور جلا کر رکھ گیا تھا ، تو گویا چراغ نے اس فرشتہ اخلاق کے فراق کے داغ اور دردِ اشتیاق میں اشکِ آتشیں نیچے پڑی دری پر بہائے جس سے حجرے کے طاق اور چھت کو تیز آگ لگ گئی اور وہاں پڑا ہوا اسباب ایک دم اس کی صورت اختیار کر گیا (منی

سامان بھی جل گیا) صبح جب شاہ جیو (شاہ ابوالمعالیؒ) کرامت پناہ بارگاہ میں حاضر ہوئے تو حضرت (شیخ داؤدؒ) نے تبسم کے ساتھ حافظ کا یہ شعر اپنی زبان مبارک سے پڑھا :

بیت :

بشو اوراق گرہمدرس مائی   کہ حرف عشق در دفتر نباشد

(اگر تو ہمارا ہم درس ہے تو اوراق دھو ڈال ، کیونکہ عشق کی بات کتاب میں نہیں ہوتی)

بہر حال راہ حق کے سجادہ کے خلف الصدق ، ولایت کی نشانیوں کے مظہر ، ہدایت کی روشنیوں سے منور ، آراستہ باطن اور باعظمت خدمت کے ظاہر سے پیراستہ شاہ محمد باقر کا کہنا ہے کہ حضرت شاہ دین پناہ نے آخرِ عمر میں ملفوظات لکھنا شروع فرمایا اور ان کی تکمیل کے اہتمام کی وصیت فرمائی ، جسے اب میں (ان) اوراق کی صورت میں لکھنے میں مشغول ہوں ۔ اس کی تکمیل کے اسباب کی تیاری اور اس مقصد کے حصول تک رسائی کے لیے حضرت ذوالجلال سے آرزو مند اور خواہاں ہوں اور اللہ ہر طلب و آرزو کو پورا کرنے والا ہے ۔

صوفیہ میں اکثر بلند مرتبہ حضرات کا یہ خیال ہے کہ جس طرح پیغمبروں (علیہم السلام) پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنے معجزے اور نشانیاں ظاہر کریں ، اسی طرح اولیا پر یہ عاید ہوتا ہے کہ وہ کرامات اور خارق عادات کو مخفی رکھیں تاکہ عوام الناس کسی فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کی موجودگی (حین حیات) میں کوئی بھی ملفوظات کی تالیف میں کامیاب اور مامور نہ ہوا ۔ اُن صاحبِ کمال کے وصال کے بعد ، کہ اب انہیں رحلت فرمائے ستر برس ، سے زیادہ ہو چکے ہیں ، اس سلسلے سے وابستہ حضرات کی سماعت کی سیپی عظمت مآب اصحاب کی زبان مبارک سے بیان شدہ درخشاں موتیوں اور بیانِ لسانی کے اعلیٰ جواہر سے مالا مال رہی اور اس عالی مرتبہ خاندان سے وابستہ تمام حضرات ، اشراقی حکما کی مانند اور صوفیۂ اصفیا کی طرح --- اس روشن قول کے تقاضے کے مطابق کہ علم حقیقت ہے ، کوئی درس نہیں ، یہ تو سینے کا درس ہے ، کیونکہ جو کچھ کتاب میں ہے اس سے کوئی فیض نہیں پہنچتا ، لہٰذا ضروری ہے کہ کتاب خانہ سینے میں ہو ۔ صوفی کا دفتر (کتاب) کتاب و حرف نہیں ہے سوائے دل کے اور دل بھی وہ جو برف کی مانند سفید ہو ۸ --- خزینۂ حقائق اور گنجینۂ دقائق کو سینہ بسینہ ایک دوسرے کے سپرد کرتے رہے ، جس کے نتیجے میں یہ خزانہ دفتر کی صورت اختیار کرنے اور تحریر

کی قید سے مستغنی و آسودہ رہا ۔

نظم :

راست چون سوسن و گُل از اثر صحبت پاک　　　برزبان بود مراہرچہ ترا در دل بود

ہر چہ از پیر مغان نقلِ معانی می کرد　　　عشق می گفت بشرح آنچہ برو مشکل بود

(صحبت پاک کے نتیجے میں بالکل سوسن اور گل کی طرح میری زبان پر وہ کچھ تھاجو تیرے دل میں تھا

پیر مغاں سے متعلق جو کچھ بھی وہ معانی بیان کر رہا تھا ، عشق اسے شرح کے ساتھ بیان کر رہا تھا جب کہ اس پر یہ مشکل تھا)

اور اس دور میں جو صداقت مآب حضرات ہیں انہوں نے اس دارِ غرور و دروغ میں دامنِ ہمت چھوڑ دیا ہے ، اور حضرت کی موجودگی کی شراب طہور پلانے والوں میں آج کوئی بھی نہیں ہے ، جس کے نتیجے میں اس بے مثل ذات (داؤد) کے احوال کی کیفیت کے مصفا اور شیریں پانی کے پیاسے اور سلوک و طریق کے تشنہ حضرات اضطرار کی حالت میں نقل و اخبار کے مے کدہ کے اس جرعہ بردار (گھونٹ پینے والے) یعنی مصنف کی طرف رجوع کر رہے ہیں اور حضراتِ زہدواتقا کے اسی پیشوا کے بارے میں جو بھی حقیقتِ حال اور واقعیت سنتے ہیں اسے مغتنمات عظمیٰ (ایسی چیزیں جو بے حد غنیمت ہوں) میں سے سمجھتے ہیں ۔ افسوس صد افسوس

نظم :

ز جمعِ دُرد کشاں غیر ما نماند کسی　　　بیارباده کہ ماہم غنیمتیم بسی

(تلچھٹ پینے والوں کی جماعت میں سے ہمارے سوا کوئی نہیں رہا ۔ شراب لا ، کہ ہم بھی اب بہت غنیمت ہیں)

مدت ہو چلی ہے کہ تحریر و تقریر کی لیاقت سے عاری ہونے کے باوجود ، حضرت پیر دستگیر کے مقاماتِ دل پذیر کی تحریر کا سودا اس حقیر کے ضمیر شکستہ سے سر اٹھا رہا تھا اور اگرچہ شیخ ابوالبقا محمد کہ جمشید کے سے جاہ و مرتبہ کے حامل ، افاضل پناہ اور صدق صفا کے جادہ کے سجادہ نشین ہیں ، اس بات پر زور دے رہے تھے کہ حضرت کی ولادت سے وفات تک ان کی جو بھی عادات اور کشف و کرامات تحقیق پذیر ہوئی ہیں ، اگر آسانی

کی حد تک بہت میں سے کچھ اور ہزار میں سے ایک بھی سادہ رقم قلم سے لکھ دی جائے تو یقیناً حضرت کے قریبی اور دور کے دوستوں کے لیے یہ ایک عجیب ضیافت اور انوکھی دعوت ہو گی ، نیز غائب و حاضر کے لیے فیض بخشی اور مجاور و مسافر اور اپنوں اور بیگانوں کی روح پروری کا سامان ہو گا ؛ لیکن زمانے کے علائق کی کثرت کے باعث ، جن (علائق) کا ہجوم (اچانک حملہ) ارباب دانش سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہے ، رکاوٹیں پیش آئیں ، جن کے نتیجے میں اس صورت کے ظہور اور اس آراستگی کے میسر آنے کا معاملہ تاخیر و التوا میں پڑا رہا ۔

بیت :

خاطرِ جمع بباید کہ توان کارے کردن ہیچ از (قلب) پریشان گرہی نکشاید
خندہ ام گیرد ازیں نکتہ کہ شخصے گفتہ ست گریہ را ہم قدرے خاطر جمعی باید

(کسی کام کے کرنے کے لیے دل جمعی ضروری ہے ۔ کوئی بھی پریشان دلی کے ساتھ گرہ تک نہیں کھول سکتا ۔
مجھے ایک شخص کی اس لطیف بات پر ہنسی آتی ہے کہ رونے کے لیے بھی دل جمعی کی ضرورت ہے)

تاآنکہ ۱۰۵۶/۱۶۴۶ء میں عظمت و بزرگواری کی بلندیوں پر چڑھنے اور رفعت و نامداری کے معارج (بلندیوں) کی طرف بڑھنے والے ، ربانی اخلاق سے آراستہ ، انسانی شرافتوں کے اوصاف سے مزین اور ناصرالدولہ کے سلطانی دربار کے مقرب ۹ (یعنی فراست خان)

نظم :

خان عالی مقام ، وہم و گمان درکمالات او شود حیران
عنصرِ ذات بافراست و فہم جوہر آفرینش عرفان
مُتقی سیرت و غنی صورت پارسا گوہر رفیع الشان
تورّع نظیر شیخ شیوخ در تفقّہ نمونۂ لقمان
تمودہ نظر بچشم وقار ہیچ گہ بر کمالِ جاہ جہان
صورتش آیتست از رحمت گشتہ منزل بشان مسکینان (؟)

مسندش مسکنِ یتیم و اسیر — خرگہش خانقاہ درویشان
ذاتِ باصفاتِ او مَلکی است — متمثل بصورتِ انسان
اتقوامِن فراستہ المومن — در منظر نورِ او نمود عیان
ایں کہ از نور آن منظر آمد — ناصر دولتِ خدیو زمان
مخزن مردمی وکان کرم — جانِ جسم سخا فراست خان

(— وہ عالی مرتبہ خان جس کے کمالات کے بارے میں وہم اور گمان حیران ہیں ۔
— وہ ذات کا عنصر ہیں فہم و فراست کے ساتھ اور عرفان کی تخلیق کے جوہر ہیں ۔
— ان کی سیرت متقیوں کی اور صورت ارباب غنا کی سی ہے ۔ وہ پارسا ہیں اور عالی شان گوہر ۔
— پارسائی میں وہ شیخ شیوخ (شیخوں کے شیخ) کی مثال اور عقل و دانش میں لقمان کی نظیر ہیں ۔
— اپنی باوقار نظروں میں انہوں نے کبھی دنیا کے کمالِ جاہ کو وقعت نہیں دی ۔
— ان کی صورت رحمت کی نشانی ہے ، اور عاجزوں کی سی شان میں بھیجے گئے ہیں ۔
— ان کی مسند (تخت) یتیموں اور قیدیوں کا ٹھکانا ہے ۔ ان کا شاہی خیمہ درویشوں کی خانقاہ ہے ۔
— ان کی صفات کی حامل ذات فرشتوں ایسی ہے ۔ شکل و صورت میں وہ انسان ہیں ۔
— "اِتّقوامِن فراست المومن" (یعنی مومن کی فراست سے بچو) ان کے نور نے نظر میں صاف دکھا دیا ہے ۔ مطلب یہ کہ وہ مومن ہیں اور صاحب فراست اور یہ بات ان کی نظروں سے ظاہر ہے ۔
— یہ کہ اس منظر کے نور سے زمانے کے بادشاہ کی سلطنت کے ناصر (مددگار) بنے ۔ یعنی انہیں اس فراست کی وجہ سے یہ مرتبہ ملا ۔
— وہ انسانیت کے مخزن اور کرم کی کان ہیں اور وہ یعنی فراست خان سخاوت کے جسم کی روح ہیں)،
نے (یعنی فراست خان نے) اسی صورت کو ظاہر کرنے کا اشارہ فرمایا ۔ جس نے مدتوں فانوس خیال میں جلوہ آرائی کی تھی ۔ بلاشبہ ایک مستقل آرزو اور پختہ ارادہ اس امر

(ترتیب ملفوظات) کی تجدید اور اس پر شدت سے عمل کرنے کا پیدا ہوا ۔ اگرچہ یہ بینوا خود قطعاً یہ کام بجا لانے کے لائق اور اس بوجھ کو اٹھانے کا اہل نہیں سمجھتا تھا ، لیکن اس عالی مرتبہ خان کے جلیل القدر حکم کے بجا لانے میں روگردانی نہ کر سکا ۔ بہر حال :

نظم :

گر تنگِ شکر خرید می نتوانم　　　بارے مگس از تنگ شکر می رانم

(اگر میں شکر کی بوری خرید نہیں سکتا تو شکر کی بوری پر سے مکھی تو اڑا سکتا ہوں)

ان اوراق کے قارئین کے عمدہ اخلاق سے یہ توقع ہے کہ اس قول پر "اُنظر الیٰ ما قال ولاتنظر الیٰ من قال" (یہ دیکھ کہ کیا کہا گیا ہے اور یہ مت دیکھ کہ کس نے کہا ہے) عمل فرماتے ہوئے الفاظ کی رکاکت اور عبارت کی جھول سے صرفِ نظر کرتے ہوئے مشاہدہ معنی کے بے مثال جمال کا نظارہ کریں گے ۔ اور جب (قارئین) حضرت کے پاکیزہ انفاس اور مقدس روح کے فیض سے مسرور و محظوظ ہوں تو سلسلۂ تصنیف کے محرک اور اس کتاب کی ، کہ مقامات داؤدی سے موسوم ہے، ترتیب و تدوین کے مہتمم کو اپنے گوشۂ خاطر سے فراموش نہ کریں اور فاتحہ سے یاد فرمائیں (دعا کریں)

بیت :

ہر کہ خواند دعا طمع دارم　　　زانکہ من بندۂ گنہگارم

(جو کوئی یہ کتاب پڑھے میں اس سے دعا کی طمع رکھتا ہوں ، کیونکہ میں گنہگار بندہ ہوں)

پہلا مقام ۱۰ : حضرت کے آباو اجداد گرامی کے اسما اور خطۂ کرمان سے قصبہ داؤد جال میں منتقلی کے سبب کے ذکر میں

دوسرا مقام : حضرت کی ولادت اور مذکورہ قصبے سے ستگھرہ اور دیپالپور کی طرف ہجرت کرنے کے سبب کے ذکر میں

تیسرا مقام : تحصیلِ علوم اور دارالسلطنت لاہور میں سکونت اور جذبۂ ہر روز کے پہنچنے کے ذکر میں

چوتھا مقام : غوث الصمدانی کے نور کے ظاہر ہونے اور حضرت مخدوم شیخ حامد گیلانی کی بیعت کے اشارے کے ذکر میں

پانچواں مقام : تربیت کی تلقین ، مرید بنانے اور رشد وہدایت کے قانون کے ذکر میں

چھٹا مقام : (حضرت) ولایت مآب ۱۱ کے اصحاب کے اسما و احوال کے ذکر میں

ساتواں مقام : حضرت کی بلند فطرت اولاد و آل کے ذکر میں

حواشی

دیباچہ

۱) "روشن شعاعوں سے" کے بعد القابات ہیں اور مذکورہ کلمہ مبتدا ہے ، خبر اشعار کے بعد ہے۔

۲) مراد حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ

۳) غزنوی دور سے متعلق تاریخی تلمیح۔ ایاز سلطان محمود غزنوی کا خاص غلام تھا جس سے محمود کو بے حد محبت تھی۔ ایاز لاہور کا گورنر بھی رہا۔ اس کی قبر لاہور میں رنگ محل کے علاقے میں ہے۔

۴) قرآنی تلمیح، اور رعایت لفظی ۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو موسیقی پر عبور تھا۔ مصنف نے جناب شیخ داؤد کے نام کی رعایت سے فائدہ اٹھایا ہے۔

۵) جُمل : حروفِ ابجد کے اعداد کا حساب جس سے کسی نام کے حروف کے عدد یا تاریخی مادہ نکالتے ہیں ، جیسا کہ بسم اللہ ـــــ کے اعداد ۷۸۶ ہیں ۔

۶) خواجہ حسن دہلوی ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مرید خاص اور امیر خسرو کے یار غار تھے ۔ انہوں نے حضرت خواجہ کے ملفوظات فوائد الفواد کے نام سے ترتیب دیے تھے ۔ جنہیں حضرت خواجہ نے پسند فرمایا تھا ۔

۷) عبدالباقی نے یہ کتاب حضرت کے وصال کے ستر برس بعد تحریر کی ، اس لحاظ سے اس کا سنہ تصنیف ۱۰۵۶/۱۶۴۶ ہوا ۔

۸) متن میں یہ جملہ شعر کی صورت میں ہے :

دفتر صوفی کتاب و حرف نیست　　جُز دل اسفید ہمچون برف نیست

۹) فاعل کا ذکر نظم کے بعد آئے گا ۔

۱۰) یہاں سے کتاب کی اصل ترتیب شروع ہوتی ہے ۔ اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اسے دیباچہ یا مقدمہ سمجھنا چاہیے ۔

۱۱) ولایت کی واپسی کی جگہ ، ولایت کی منزل ، یعنی ولی ہونا ۔

پہلا مقام

اس اولیا کے پیشوا کے بعض عالی نسب آباؤ اجداد کا ذکر اور ہر ایک کی معاش و معاد کی کیفیات کا ، جو (کیفیات) قابلِ اعتماد ناقلوں سے مسلسل اس ہیچ مدان تک پہنچتی رہی ہیں ، بیان اختصار و تفصیل کے ساتھ اس صحیفہ شریفہ میں انوکھی خوشبو والے قلم سے تحریر کیا گیا :

نقل ہے کہ حضرت ایشاں ۱ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ علم کا حصول اور فقر کا اکتساب قدیم زمانے ہی سے ہمارے عالی اوصاف کے حامل اسلاف کے روزگار فیض سے مخصوص رہا ہے اور اللہ کا دستور کچھ اس طرح رہا ہے کہ اگر کسی ایک کی دولتِ دانشوری نے یاوری کی ہے تو دوسرے کو فقر و تقویٰ کی سعادت نے تقویت بخشی ۔ اور اکثر تو عالم ربانی بھی تھے اور عارف حقانی بھی ۔ دیگر کام مثلاً ملازمت اور سوداگری وغیرہ اگرچہ جائز اور مسنون ہیں لیکن کسی نے بھی ان کی طرف توجہ نہیں کی اور سبھی نے زندگی و معیشت صبر و توکل کے ساتھ گذار کر اپنی ساکھ بنائی اور یہ عطیہ بھی ہمارے رفیع الشان (بلند مرتبہ) بزرگوں کے فیض سے پُر باطن کی برکت کے طفیل ہے کہ میں اس قسم کی عالم گیر پیری کی تربیت کے شرف و ارادت سے مشرف و صاحبِ استعداد ہوا ہوں ۔

یعنی ۲ :

قطبِ ربانی محبوب سبحانی غوث الصمدانی ۳ حضرت شیخ محی الدین ۴ عبدالقادر الحسنی الحسینی گیلانی

آپ فرزند تھے

حضرت شیخ صالحؒ موسیٰ کے ،

صالح فرزند تھے ابی عبداللہ یحییٰ کے ،

ابی عبداللہ فرزند تھے یحییٰ زاہد کے ،

یہ محمد کے فرزند تھے ،

محمد بیٹے تھے داؤد کے ،

داؤد ، موسیٰ کے اور موسیٰ فرزند تھے عبداللہ کے

یہ فرزند تھے موسیٰ الجون کے اور موسیٰ الجون فرزند تھے عبداللہ محض کے

اور یہ فرزند تھے الحسنؓ مثنیٰ کے اور ان کے والد تھے الحسن (امام حسنؓ)
جب کہ الحسن (امام حسن) امیرالمومنین اور امام المتقین (مومنوں کے سردار اور متقیوں کے پیشوا) علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ (خدا نے ان کے چہرے کو مکرم کیا یعنی عزت بخشی) اور رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا)
نظم :

شد بجان ملک و ملک خاک شہِ گیلانی　　　لہٰن چہ قدراست زہی قادری و سلطانی
جوق جوق از فضلا و بدلا ونجبا۔۔　　　ہست استادہ برآن در ز پے دربانی

(سلطنت و شاہی ۵ دل و جان سے شاہ گیلان کی خاک بنی ہیں ۔ یہ کیا خوب عزت ہے ، واہ وا قادری اور سلطان کے اہل فضل و دانش ، شرفا اور بُدلا [اولیا کی ایک جماعت ۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ صرف سات حضرات ہیں] اس در پر دربانی کی خاطر کھڑے ہیں)

ارباب عقل و خرد کے امن و پناہ سے آراستہ ضمیروں (دلوں) پر مخفی نہ رہے کہ اسلام کے ان پیشواؤں کے آباے کرام اور اجداد صاحبِ احترام کی گنتی ایک طویل داستان ہے جس کی تفصیل کی اس مختصر (کتاب) میں گنجایش نہیں ہے ۔

در جوہر اول نسبش باز ناستد　　　زآبایش اگر بشمرم اصحاب کرم را ٦

(اگر میں اس کے آباو اجداد میں سے اصحابِ کرم کو شمار کرنے لگوں تو یہ سلسلۂ نسب جوہر اول (حضرت جبرئیل یا نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہیں رکنے پائے گا)
لیکن جو کچھ اس مقام کے مناسب تھا اسے اختصار کے ساتھ سپرد قلم کر دیا گیا ہے ۔ یہ کہ حضرت ایشاں کے پانچویں جد امجد تقی الدین احمد دیار عرب سے عجم آئے جہاں کرمان کے دلکشا علاقے کی آب و ہوا انہیں پسند آئی :

بیت :

خوشا باد عنبر نسیم سحر　　　کہ برخاک کرمانش باشد گذر

(اس عنبر کی سی خوشبو رکھنے والی نسیم سحر کا کیا کہنا جس کا گذر خاک کرمان سے ہوتا ہے)
ان بزرگ (تقی الدین احمد) نے ظاہری اور باطنی طور پر (دونوں طرح سے) اپنی زندگی ارباب فقر کو تلقین کرنے اور علما کو فائدہ پہنچانے میں بسر کی اور کچھ عرصہ مدرسہ

اور خانقاہ کو عجیب رونق اور انوکھی زینت بخشی ۔ جب ان کا وقت آن پہنچا تو ان کے خلف الصدق صفی الدین آدم دنیا کے عارفوں کے پیشوا (تقی) کی ولایت و کرامت والی گدی پر بیٹھے ۔ یہ حضرت (صفی) کرمان کے عام و خاص اور ارباب عظمت و مکرمت کے مرکز توجہ بنے ۔ آپ ظاہری اور باطنی علوم سے پوری طرح آراستہ تھے ۔ فنِ سلوک و تصوف میں آپ کی کتاب ، "روضۃ الاثمار و جواہر الاسرار" دیار کرمان میں مشہور و معروف ہے۔ حکمت اور طبابت کے فن میں بھی آں حضرت کو مکمل مہارت تھی ۔

کہتے ہیں ایک روز محترم سلطان زادہ میران شاہ گھوڑے سے گر پڑے جس سے ان کے دماغ کو تکلیف پہنچی ۔ اس دور کے اطبا نے جس قدر بھی علاج کیا کوئی فائدہ نہ ہوا ، نتیجہ یہ ہوا کہ ضعف دماغ کچھ اس حد تک بڑھ گیا کہ ماخولیا اور جنون کی صورت اختیار کر گیا ۔ جب اطبا نے علاج سے ہاتھ کھینچ لیا تو آں حضرت نے علاج فرمایا جس سے شہزادے کو جلد شفا ہو گئی ۔ اِس بنا پر آپ کو ارسطوے ثانی کہا جانے لگا ۔ آپ دلوں کی پوشیدہ باتوں اور بھیدوں سے باخبر تھے ۔

شاہی مورخ اپنی کتاب "روضۃ النوادر" میں اپنے دادا کے حوالے سے لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ میں (دادا) اس ارادے سے حضرت کی زیارت کے لیے گیا کہ ان سے عرض کروں کوئی ایسی دعا تلقین فرمائیں جو میں باقاعدگی سے پڑھتا رہوں ۔ اور بھی لوگ آپ کی خدمت میں حاضر تھے ۔ اس سے پہلے کہ میں اپنے ارادے کا اظہار کروں اپنے جدِ بزرگوار یعنی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا دہرانے اور حاضرین مجلس کو اسے یاد کرنے اور باقاعدگی سے پڑھتے رہنے کی تلقین فرمانے لگے ؛ چنانچہ میں نے اسے یاد کر لیا :

اللھم انی اسالک رزقاً طیباً و علِماً نافعاً و عملاً متقبلاً

(یا رب مجھے پاکیزہ رزق ، نفع بخش علم اور پسندیدہ عمل سے نواز)

پھر یہ رباعی بھی آپ نے پڑھی :

خلق خوش تو بہار باغ تو بس است — تسلیم و رضا چشم و چراغ تو بس است

ور زانکہ نعوذ باللہ آن وصف تو نیست — محرومی ازین صفات داغ تو بس است

(تیری خوش خلقی تیری باغ کی بہار کافی ہے ، یعنی خوش خلقی باغ کی بہار کی مانند ہے ۔

تیرے لیے یہ بہت ہے تسلیم و رضا تیرا چشم و چراغ کافی ہے ۔ یعنی تسلیم و رضا کی خصلت گویا چشم و چراغ ہے جس سے آدمی راستہ معلوم کرتا ہے ۔
اور اگر خدانخواستہ ، تجھ میں یہ وصف نہیں ہے تو ان صفات سے محرومی کا داغ ہی تیرے لیے کافی ہے)

نقل ہے کہ آں حضرت ، بلند مقام مشہدِ مقدس زیارت کے لیے گئے ۔ طواف کے وظائف ادا کرنے کے بعد آپ نے چاہا کہ ہند کی سیر کو جائیں؛ چنانچہ پختہ ارادہ کر کے کابل اور اس کے دریا (دریاے کابل) تک پہنچے ، لیکن وہاں سے دل اٹھ گیا اور واپس چلے گئے ۔ آں حضرت کی وفات جمعہ کے دن ۱۷ شوال ۷۹۳ھ آغاز اکتوبر ۱۳۹۱ء کو ہوئی ۔ آپ کرمان کے ایک قصبہ دماوند میں رحمت حق کے جوار میں پہنچے اور دماوند ہی میں دفن ہوئے ۔ آپ کا روضہ منورہ مرجع خاص و عام ہے ۔ آپ کی عمر ، جب آپ نے دعوت حق کو لبیک کہی ، ستاسی برس سے زیادہ تھی ۔

آپ کی اولاد کا ذکر اور ان کے نام

آنحضرت کے دو فرزند تھے اور دونوں خلف الصدق (سچے وارث) ۔ تین بیٹیاں تھیں ۔ بیٹوں میں سے ایک کا نام میر فیض اللہ باقی اور دوسرے کا کاظم علی تھا ۔ تینوں بیٹیاں اپنے والد بزرگوار کی زندگی ہی میں اللہ کو پیاری ہوگئی تھیں ۔
کاظم علی کی اولاد میں ابوالحسن اور محمد رشید ان کی یادگار ٹھہرے ۔

دوسرے بیٹے سید صفی الدین آدم کی اولاد میں میر فیض اللہ باقی کے سوا کوئی نہ تھا ، اسی لیے انہیں باقی کا لقب دیا گیا ۔ اور آنحضرت کے بعد جانشین اور اہل اللہ کے مرجع میر فیض اللہ ہوئے ۔ آپ بلند احوال اور عالی مقامات کے مالک تھے ۔

شروع میں آپ (میر فیض) کی اولاد صرف ایک بیٹی تھی ۔ آخر میں بعمر اُنچاس برس آپ کو اللہ نے ایک خوب صورت اور مقبول سیرت فرزند سید محمد مبارک سے نوازا ۔ ان (سید محمد) کے لقب مبارک کا سبب یہ تھا کہ ایک مرتبہ میر فیض اللہ کو شدید تکلیف ہوئی ۔ اطبا سے ان کا علاج نہ بن پڑا اور صحت کی امید جاتی رہی ۔ اُسی شب سید محمد مبارک پیدا ہوئے اور میر نے غیبی فیوضات سے (اس بیماری سے) شفا پائی ۔

گویا (سید محمد) کا قدم مبارک ثابت ہوا ۔ اسی لیے انہیں "مبارک" کے لقب سے ملقب کیا گیا ۔ لیکن حادثۂ کرمان کے زمانے میں میر فیض اللہ کو اپنے بیٹے کے ہمراہ ہند کا رخ کرنا پڑا ۔ (اس حادثے کی تفصیل کچھ اس طرح ہے) ۔ میران شاہ خوش شکل ، شجاع اور صاحب ہمت شاہزادہ تھا ۔ وہ سات برس خراسان کا بادشاہ رہا ۔ تین سال اس نے عراق پر لشکر کشی کیے رکھی اور آذربائیجان کا ارادہ کیا ۔ ماہ جمادی الاول ۷۹۵/مارچ ۱۳۹۳ میں جب اجل کا ہاتھ اس کی زندگی کے گریبان تک پہنچا تو اس کا بیٹا ابابکر میرزا تخت سلطنت پر بیٹھا اور اس کے باپ کو اس کے سپرد کر دیا گیا ۔ اس نے اس کی اچھی حفاظت کی ۔ سلطنت پر نام تو باپ ہی کا رہا لیکن امور سلطنت کُلی طور پر ابابکر کے دست تصرف میں رہے ۔ کچھ عرصہ اسی طرح گذر گیا ۔ ۷۹۸ھ/۶-۱۳۹۵ء میں ابابکر ، قرایوسف ترکمان کے ہاتھوں قتل ہوا ۔ میران شاہ بیٹے کی موت کے بعد ترکمانوں سے شکست کھا کر کرمان پہنچا جہاں اسے قتل کر دیا گیا ۔ اس کی موت کرمان کی تباہی کا باعث بنی ۔ ترکمانوں نے کرمان میں لوٹ مار کی جس کے نتیجے میں وہاں کے خاص و عام کو ہجرت کرنا پڑی ۔ (اور میر فیض اللہ) کو بھی وہاں سے نکلنا پڑا ۔ ابوالحسن اور محمد رشید ، نجف کی طرف نقل مکانی کر گئے ۔

نظم :

جہان را ازیں فتنہ در ہر سریست   کہ رنجِ یکی راحتِ دیگرے ست

(اس حادثے کی بنا پر دنیا والوں کے سر میں یہ بات سمائی ہے کہ ایک کا دکھ دوسرے کی راحت بنتا ہے)

مؤرخ سلطانی نے "روضۃ النوادر" میں یہ تفصیل دینے کے بعد لکھا ہے کہ میر سید فیض اللہ باقی اور سید محمد مبارک کے ہند پہنچنے کے بعد مجھے ان کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی ، لیکن جب شیخ بہاء الدین اصفہانی کہ دینی محقق اور یقینی عارف ہیں ، دہکن (دکن ؟) اور ہند کا سفر کرتے ہوئے پنجاب پہنچے تو ان سے مجھے پتا چلا کہ میر فیض اللہ باقی کے بیٹوں میں سے میر ابوالمعالی قصبات ہند کے نواح میں ہیں اور صلاح و تقویٰ سے آراستہ اور اپنے دادا کی راہ پر گام زن ہیں ۔ کہتے ہیں کہ میر فیض اللہ باقی اور سید محمد مبارک کی وفات کے بعد وہ ملتان کے علاقے اُچ کے نواح میں پہنچے اور وہاں قصبہ

داؤد جال کی پاکیزہ فضاء و ہوا کی انتہائی لطافت و اعتدال دیکھ کر انہوں نے ایک قطعہ زمین خریدا اور وہاں ایک خوبصورت مسجد اور مصفا معبد کی بنا ڈالی ۔ علاوہ ازیں ایک کنواں اور حویلی بھی تعمیر کی ۔ ان کے وجود شریف کے باعث وہ مقام تھوڑی ہی مدت میں شرفا اور خاص و عام کی طواف گاہ اور مرجع و ملجا بن گیا ۔ سعد اللہ فایض سے جو حضرت ایشان کے نبیرۂ خاص ، منقول و معقول علوم کے جامع اور فروع و اصول پر حاوی ہیں اور خود حاصل کردہ و خداداد کمالات ان کی ذات میں جمع ہیں اور جنہیں ان کی ہم دانی اور نادرہ سنجی (خوش بیانی) کے باعث میر خسرو ثانی کا لقب دیا گیا ، یہ منقول ہے کہ میر فیض اللہ دریائے سندھ سے واپس ہوئے اور ولایت (وطن) کو لوٹ گئے تھے ۔ لیکن اس فقیر نے اکثر اعزہ سے یہ سنا ہے ، خاص طور پر اپنی دادی جان سے ، کہ اپنے صدق و عبادت کے مطابق رابعۂ ثانی اور نسبت کے لحاظ سے رابعۂ بنات یعنی چوتھی لڑکی ہیں، یعنی خوند بی بی جو ان کی بڑی بہن تھیں ، یہ تحقیق ہوا کہ میر فیض اللہ باقی اور سید محمد مبارک دونوں کے مرقد منور اسی سرزمین پاک میں اور پیلو کے درخت کے نیچے واقع ہیں ۔ اکثر لوگوں کے مشاہدے میں یہ بات آئی کہ بعض اوقات جنگل سے ایک شیر آتا اور ان کے مقبرہ مطہرہ پر دُم سے جھاڑو دیتا ۔ اور وہ جو دریائے سندھ سے ہوتے ہوئے وطن (کرمان) لوٹے تھے وہ سید صفی الدین آدم تھے۔ چنانچہ مورخ سلطانی نے بھی "روضۃ النوادر میں" اس امر کی وضاحت کی ہے ۔ واللہ اعلم بحقائق امور (اور اللہ ہی معاملات کی حقیقتوں کو جانتا ہے۔)

نقل ہے کہ میر فیض اللہ باقی ایک روز سیلاب کے موسم میں دریائے سندھ کے کنارے سے گذرے ۔ اس سیلاب کی وجہ سے قدیم قبرستان بری طرح متاثر ہوا تھا ، اور پھٹے پرانے کفن اور خاک آلود ہڈیاں ادھر ادھر بکھر کر دیکھنے والوں کے لیے عبرت کا سامان کر رہی تھیں ۔ اسی اثنا میں (یعنی جب میر فیض گزر رہے تھے) سفید کفن میں ملبوس ایک مردہ قبر سے باہر نکلا تھا۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے ، جیسے کوئی کسی کی بات کے جواب میں متوجہ ہوتا ہے ۔ اس کے بعد کچھ دیر تک وہ خود میں گم رہے۔ بعد میں جب انہوں نے سر اٹھایا تو احباب میں سے کسی نے اس حالت کے بارے میں ان سے استفسار کیا ۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ مردہ پوچھ رہا تھا : آیا وہ خوش گوار ہوائیں اور ٹھنڈے سائے اب بھی دنیا میں موجود ہیں ؟ پھر انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری اور فرمایا :

سبحان اللہ ! خدا جانے کس حال میں اس نے زندگی بسر کی جو دنیا کے سائے اور ہوا کو حسرت کے ساتھ یاد کر رہا تھا ۔

نظم :

دم را بناز دار و غنیمت شمار عمر　　　آنہا کہ رفتہ اند خرابِ ہمین دَمند

(دم یعنی سانس کو ناز سے رکھ ، مُراد احتیاط سے کام لے اور زندگی کو غنیمت جان ۔ جو لوگ جا چکے یعنی مر چکے ہیں وہ اسی دم کے مارے ہوئے ہیں) ،

نقل ۸ ہے جس رات وہ فوت ہوئے اس کے دوسرے دن صبح ان کا ایک مخلص (مرید وغیرہ) جس کا تعلق ایک گاؤں سے تھا اور جسے ان کی وفات کی خبر نہ تھی ، دہی کا ایک کوزہ اٹھائے ان کی زیارت کو چلا ۔ اس نے دیکھا کہ وہ دریا کے پانی پر بیٹھے ہوئے ہیں ۔ اس نے وہ کوزہ ان کے آگے رکھا ۔ انہوں نے دہی کی طرف انگلی بڑھائی اور فرمایا کہ سید مبارک کو پہنچا دو ۔ جب وہ وہاں پہنچا اور اس نے دیکھا کہ لوگ تو ان کی تعزیت کر رہے ہیں ، تو اس عجیب صورتِ حال نے اسے مبہوت کر دیا ۔ اس نے (لوگوں سے) کہا : یہ تم کیا کہہ رہے ہو ؟ میں تو ابھی اور سیدھا ان ہی کی خدمت سے آ رہا ہوں ۔ وہ تو فلاں جگہ تشریف فرما ہیں اور انہوں نے انگلی بھر دہی بھی اٹھایا اور مجھ سے فرمایا کہ جاؤ یہ دہی سید مبارک کو پہنچا دو ۔ سو تم لوگ دیکھ لو کہ اس انگلی کا نشان ابھی تک دہی پر موجود ہے ۔ جب لوگوں نے یہ بات مشاہدہ کی تو سبھی بول اٹھے کہ واقعی " ان اولیاء اللہ لایموتون" (تحقیق اولیاء اللہ مرتے نہیں) سچ ہے ۔

بیت :

کُشتگان خنجر تسلیم را　　　ہرزمان از غیب جانی دیگر است

(خنجر تسلیم کے مارے ہوؤں کو غیب سے ہر لمحہ ایک نئی جان عطا ہوتی ہے)

نقل ہے کہ میر فیض اللہ باقی پر مشربِ توحید کچھ اس حد تک غالب تھا کہ انہوں نے زندگی بھر سید مبارک کو علوم ظاہری کے حصول کے لیے نہ کہا ۔ ان کی وفات کے بعد سید مبارک نے حصول علم کی خاطر اپنے مقام اُچ سے بخارا کا عزم کیا ۔ وہ ایک قافلے کے ہمراہ بخارا روانہ ہوئے ۔ راستے میں ایک موقع پر انہیں درخت کے زیر سایہ عجیب حالت میں نیند آگئی ۔ خواب میں انہیں میر فیض اللہ دکھائی دیے ، جنہوں نے اپنا مبارک

لعابِ دہن ان کی زبان پر لگاتے ہوئے فرمایا : گھر لوٹ جا ۔ وہاں اپنی ضعیف بہنوں کی دل جوئی کر ۔ جو کچھ تو بخارا میں تلاش کرنے جا رہا ہے وہیں کسی وسیلے کے بغیر تو اس کا مطالعہ کر لے اور دہرا لے گا ۔ جب وہ گھر لوٹ آئے تو ظاہری اور باطنی علوم کے باب ان پر وا ہو گئے ۔ چنانچہ انہیں یہ مقام حاصل ہوگیا کہ اگر نواحی ملتان کے علما پر کوئی مسئلہ بخوبی واضح نہ ہوتا تو وہ ان (مبارک) سے اس بارے میں استفسار کرتے ۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ ملتان میں لوگوں کو سرراہے پڑا ہوا ایک نامکمل بچہ ملا ، جس کی ہڈی نہ تھی ۔ اسے وہ اس وقت کے بادشاہ کے پاس لے گئے ۔ بادشاہ نے علما اور حکما سے اس ضمن میں پوچھا ، کسی سے بھی اسے شافی جواب نہ ملا ۔ جب اس نے سید مبارک سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ بچہ دو عورتوں کی منی سے پیدا ہوا ہے ، کیونکہ صحیح حدیث میں ایک جگہ آیا ہے کہ انسان کے جسم میں جو بھی سخت چیز (ہڈی وغیرہ) اور مہرے ہیں وہ آدمی کی منی سے ہیں ۔ آخر جب تحقیق کی گئی تو ثابت ہوا کہ دو عورتوں نے باہم صحبت کی تھی جس کے نتیجے میں یہ بچہ پیدا ہوا ۔

نقل ہے کسی شخص کے گھر بیٹا پیدا نہیں ہوتا تھا ۔ وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا ان سے دعا کی بھیک مانگی (دعا کے لیے درخواست کی ۔) انہوں نے اس کی مَنّت قبول کر لی ۔ جب اس کے بیٹا پیدا ہوا تو وہ ان کی خدمت میں حاضر نہ ہوا اور نذر لے کر شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے مزار کی طرف چل پڑا ۔ دریائے سندھ میں سے گزرتے ہوئے جب اس نے کشتی میں بیٹے کو موجود نہ پایا تو اس نے رونا پیٹنا شروع کر دیا ۔ اچانک ایک شخص آیا اور اس سے کہنے لگا کہ اس قسم کا لڑکا تو میں نے سید مبارک کی مجلس میں دیکھا ہے جہاں وہ کھیل رہا تھا ۔ وہ شخص بھاگم بھاگ وہاں پہنچا ۔ وہاں اسے بیٹا نظر آگیا ۔ انہوں نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا : یہ عجیب بات ہے کہ بیٹا تو حق سبحان تعالیٰ سے ہم نے تجھے لے کر دیا اور نذر تم کہیں اور لے کر جا رہے ہو ۔ اس شخص نے اپنا سر اُن کے پائے مبارک پر رکھ کر اپنی کوتاہی کی معافی چاہی ۔

نقل ہے کہ ایک روز وہ بلندی پر ، جو ان کی مقررہ نشست گاہ تھی ، بیٹھے ہوئے تھے ۔ اس کے نیچے لوگوں کی آمدورفت کی راہ تھی ۔ ایک حسین مغرور نوجوان گھوڑے پر سوار ادھر سے بے ادبانہ گذرا ۔ جو اصحاب اس وقت وہاں موجود تھے انہوں نے کہا کہ یہ نوجوان ادب بجا نہیں لایا ۔ انہوں نے جوش میں آکر اس جوان کی طرف تند نگاہ سے

دیکھا جو ابھی نظروں سے غائب نہیں ہوا تھا ۔ اِدھر انہوں نے دیکھا اور اُدھر اس کا گھوڑا زمین پر گر گیا ۔ جس سے گھوڑے کا سر اور اس جوان کی گردن کا مُہرہ ٹوٹ گیا ۔ نعوذ باللہ من قہر اللہ و قہر اولیا (اللہ کے قہر اور اس کے اولیا کے قہر سے اللہ کی پناہ) ۔

بیت :

اے کہ در کوچۂ معشوقہ ما می گذری پُر حذر باش کہ سرمی شکنند دیوارش

(اے وہ شخص جو ہماری معشوقہ کے کوچے سے گذر رہا ہے ، محتاط ہو کر چل کہ اس کی دیوار سر پھوڑ کے رکھ دیتی ہے)

نقل ہے ایک رات ایک چور ان کے کتاب خانے میں گھس آیا ، جہاں وہ اندھا ہو گیا ۔ اگرچہ اس نے ادھر اُدھر بہت چکر کاٹے لیکن اسے باہر کی راہ نہ سوجھ سکی ، چنانچہ وہ توبہ و استغفار میں مشغول ہو گیا ۔ اتنے میں حضرت آ گئے ۔ انہوں نے دست مبارک اس کی آنکھوں پر پھیرا اور اسی وقت اس کی آنکھوں کو شفا ہو گئی اور وہ ان کے قدموں میں گر کر ان کا مرید ہو گیا ۔

بیت :

سعادتہا ست اندر پردۂ غیب نگہ کن تا کرا ریزند در جیب

(پردۂ غیب میں خوش بختیاں پوشیدہ ہیں ۔ دیکھ کہ یہ خوش بختیاں کس کے دامن میں ڈالی جاتی ہیں)۔

منقول ہے گلر نام کا ایک جِن ان کا مرید تھا ۔ جس کے ذمے ان کے بیلوں ، کھیتی باڑی اور کنوئیں وغیرہ کی دیکھ بھال تھی ۔ ایک رات ان کی منکوحہ ماہ بی بی نے بے وقت تازہ مچھلی کی خواہش کی ۔ انہوں نے اسی جِن کو حکم دیا ۔ اس نے اسی لمحے تازہ مچھلی لا اور بھون کر دسترخوان کے نیچے رکھ دی ۔ سید مبارک نے بی بی سے فرمایا کہ مچھلی حاضر ہے۔ بی بی نے مچھلی کھائی ، اور خدا تعالیٰ کا شکر بجا لائیں ۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ یہ مچھلی یہاں کس نے رکھی تھی ۔ انہوں نے فرمایا اسی جن نے جو کنوئیں کی خدمت پر مامور ہے ۔ بی بی کو اس سے بہت ہی نفرت و کراہت ہوئی ۔ انہوں نے فرمایا : کسی قسم کا وسوسہ دل میں نہ لائیں ، کیونکہ یہ جن گھریلو ۱۰ اور مسلمان ہے اور وہ اسی لمحے دریا سے پکڑ کر لایا ہے ۔

منقول ہے ایک مرتبہ سیر کے لیے باہر نکلے ہوئے تھے ۔ اتفاق سے ایک گاؤں میں پہنچے ۔ وہاں کسی سردارزادے نے خواہش کی کہ ان کے گھر تشریف لے چلیں ۔ انہوں نے قبول نہ فرمایا ۔ ادھر ایک جولاہے نے بھی اسی خواہش کا اظہار کر دیا ۔ سید اس کے گھر تشریف لے گئے ۔ اس سردارزادے نے اس شب رات کا کھانا ان کی خدمت میں بھجوایا ۔ حضرت نے خادم سے فرمایا کہ سب کھانا زمین میں دفن کر دے ۔ جب اس شخص نے یہ ماجرا سنا تو بہت دل گرفتہ ہوا ۔ صبح ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ آپ نے رات وہ کھانا تناول کیوں نہ فرمایا اور اسے زمین میں دفن کروا دیا ۔ حضرت نے خادم سے فرمایا کہ کھانے پر سے مٹی ہٹا دے ۔ مٹی ہٹانے پر لوگوں نے دیکھا کہ سارا کھانا خون میں لتھڑا پڑا ہے ۔ اس کے بعد انہوں نے اسے ڈانٹ پلائی کہ یہ تم نے ظلم کے نتیجے میں حاصل کیا ہے اور لوگوں کے دل خون کر کے لیا ہے ، تو ظاہر ہے میں خون کیوں کر کھاؤں (پیوں) گا ۔

بیت :

ہم دلہاے مظلومانست آن صید بریان ۱۱ کہ تو بر خوان سلطان قلیہ می خوانی

(شاہی دسترخوان پر پڑی ہوئی جس چیز کو تو قلیہ [بُھنا ہوا گوشت] کہتا ہے وہ بُھنا ہوا شکار اصل میں مظلوموں کے دل ہیں)

مہدیت (مہدی ہونے) کا دعویٰ کرنے پر سید محمد جونپوری ۱۲ کا خروج بھی اسی دور میں ہوا ۔ اس کے مناقب مشہور ہیں ۔ مشہور ہے کہ جب وہ یہاں سے گجرات گیا تو سلطان مظفر گجراتی ۱۳ نے کہ خود ایک عالی عالم ، محدث اور مفسر بادشاہ تھا ، اس سے ملاقات کی ، اور صحبت رکھی ، لیکن علما کی تحریص کے باعث اس نے مکہ معظمہ کی اجازت لی ۔ اس سفر میں اس سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں تاآنکہ وہ مکہ پہنچ گیا ۔ وہاں کے اکثر محدثین نے اس حدیث کے صحیح اِستفتا (فتویٰ پوچھنا ، جس تحریر میں فتویٰ لکھ کر پوچھا جائے) پر دستخط کیے کہ میں ہزار سال سے زیادہ خاک میں نہیں رہوں گا ۔ اور ہزار برس سے زیادہ پر ضروری ہے کہ علامت کبریٰ ظاہر ہو کہ مہدی موعود کا خروج اسی میں سے ہے ۔ شیخ جلال الدین سیوطی ۱۴ (دسویں صدی کے محدث) نے پہلی مرتبہ انصار ۱۵ کا دفاع کیا اور اس جماعت کے خلاف بہت مبالغے اور اس حدیث کی ترثیف (؟) کے بعد "کشف فی تجاوز ھذا الآیتہ عن الالف" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ۔ اس پورے

رسالے کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ یہ علامت اس ہزار میں سے تین سو برس گذرنے کے بعد ظاہر ہونا شروع ہوگی اور پانچ سو (برس) میں پوری ہوگی اور پہلا صور پھونکا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب (اور صحیح بات کا علم اللہ ہی کو ہے)

کہتے ہیں کہ جب میر مذکور (سید محمد جونپوری) نے وہاں اس دعوے کا اظہار کیا تو اس کے اخراج کا حکم صادر کیا گیا۔ وہ ذوالنون بیگ کے زمانے میں ہرات پہنچا۔ وہاں بڑا غلغلہ مچا۔ بہت سی خلقت جمع ہوگئی۔ شیخ الاسلام ہروی نے اپنے دو شاگردان رشید منتخب کر کے ہرات سے تحقیق حال کے لیے بھیجے اور چند شبہات بھی لکھ بھیجے کہ ان کا حل درکار ہے۔ وہ دونوں آدمی اس وقت وہاں پہنچے جب میر "یا ایھاالناس اعبدواربکم ۱۶ .... الخ" کی تفسیر کر رہا تھا۔ یہ لوگ جو چند شبہات لے کر گئے تھے وہ اسی آیت کی تفسیر کے دوران دُور ہو گئے۔ گویا تمام تر سرکشی کے باوجود انہیں سوال کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اب کسی قسم کے استفسار کی ضرورت نہ رہی۔ اس امر کو انہوں نے کرامت پر محمول کیا۔ ادھر خود میر نے ان سے کہا کہ تم شیخ کا پیغام کیوں نہیں دے رہے تم تو قاصد ہو۔ انہوں نے پیغام میر تک پہنچا دیا، جو مذہب اور رویت سے متعلق تھا۔ میر نے یوں کہا کہ مِن حیث الاطلاق (اطلاق کے طور پر) میں خدا کا مذہب رکھتا ہوں اور تقدیر ۱۷ کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذہب رکھتا ہوں۔ جس طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتوں کی نفی کے لیے مبعوث ہوئے اسی طرح میں اجسام (جسموں) کی نفی کے لیے (بھیجا گیا ہوں) اور میں اختلاف کو دور کرنے والا ہوں۔ اگر اصحابِ مذاہب (مختلف مذہبوں والے) اِس دور میں ہوتے تو حقائق الٰہی اور معارفِ یقینی کے سلسلے میں میرے سوا کسی کی پیروی نہ کرتے۔ دوسری یہ بات کہ رویت معلیٰ کا، جو عبارت ہے مشاہدے سے، ہر کوئی قائل (یا قابل) ہے اور اسی طرح رویت بسر کا امکان بھی رہتا ہے اور اس کا وقوع دنیا میں نہیں دیکھتا۔ کیونکہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی رویت بصری اس دارِ ابتلا (دکھوں کے گھر یعنی اس دنیا) میں واقع ہوا۔ اگر کسی ایسے شخص کو جس کی ذات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں فنا ہو چکی اور محوِ مُطلَق ہو گئی ہو' اس سرور (حضور نبی کریم صلعم) کی پیروی کے طفیل اس دولت سے بہرہ ور کر دیا جائے تو کیا عجب ہے۔ اور فلاں بزرگ نے فلاں کتاب میں لکھا ہے کہ "رایتُ ربی" (میں نے اپنے رب کو دیکھا) اور کئی

دوسرے بھی متعدد مقامات پر کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کو دیکھا ۔ تو کیا تعجب کی بات ہے کہ ان کو تو تم تسلیم کرتے ہو اور انکار نہیں کرتے ۔ اس کی غایت اس کی تاویل کرے گی اور ہمارے لیے کیا ضرور ہے کہ ہم ظاہر سے صرفِ نظر کرتے ہوئے تاویل کے قایل ہوں ۔ (میر کی یہ باتیں سُن کر) دونوں آدمی جذب و تصرف کا انداز دیکھ کر علمی گفتگو بھول گئے اور میر کے اصحاب (ساتھیوں) میں شامل ہو گئے ۔ انہوں نے شیخ الاسلام کو کہلا بھیجا کہ یہ شخص (میر) اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور جو علم ہم نے برسوں پڑھا یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے ۔ انہوں نے شیخ الاسلام کو اس کی خدمت میں حاضر ہونے کی ترغیب دلائی ۔ اسی اثنا میں میر اِس سرائے فانی سے کوچ کر گیا ۔ لفظ "شیخ" سے اس کی تاریخ وفات نکالی گئی (یعنی ۹۱۰ھ مطابق ۵-۱۵۰۴ء) ۔ آخر میں میر اپنے اِس دعویٰ مہدویت سے تائب ہو گیا تھا ۔

میر مذکور کے ایک مرید نے بلوجان میں عیسیٰ ہونے کا دعویٰ کر کے بعض علاقوں پر قبضہ جما لیا ۔ اس نے "مثل عیسیٰ عنداللہ کمثل آدم خلقه مِن تراب ۱۸ 'اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی مثال کی سی ہے جسے اس نے مٹی سے پیدا کیا) کی تاویل کر کے اسے اپنے حق میں سند بنا لیا ۔ وہ اپنے منکروں سے جذیہ وصول کرتا ۔

ایک اور شخص نور محمد بخشی نے بدخشاں میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ۔ تیس ہزار آدمی اس کے ساتھ مل گئے ۔ وہ شیخ محمد جونپوری سے پہلے گذرا ہے اور کبرویہ سلسلے سے منسلک تھا ۔ ابو اسحاق ختلانی کا مرید ہے ، وہ (ختلانی) سید علی ہمدانی کا مرید ہے ۔ جس روز اس محمد بخشی نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا (اسی روز) وہ شیخ ابواسحاق کے بڑے خلیفہ جعفر مردانی کے حجرے میں گیا اور کہنے لگا کہ میں امر پر مامور ہوا ہوں ۔ اس نے کہا تمہارے کشف میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے کیونکہ تمہاری پیشانی پر اس کی علامتیں موجود نہیں ہیں ۔ شیخ نے کہا کہ : تم جو میرا انکار کر رہے ہو تو اس کا باعث حسد کے سوا کچھ اور نہیں ۔ پھر وہ اسی عالم میں اپنے پیر کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا کہ میں مہدی آخر زماں ہوں ۔ پیر نے بے تامل کہا کہ : اور کوئی مانے یا نہ مانے میں تمہارے اس دعوے کو تسلیم کرتا ہوں ۔ اس نے بدخشاں میں ایک جمعیت (کچھ لوگ) اپنے ساتھ ملا لی اور بادشاہِ وقت سے جنگ کی ۔ اس جنگ میں شکست کھا کر عراق کے پہاڑوں کی طرف نکل گیا ۔ جہاں اس نے حکام سے لڑائیاں لڑیں اور فتح پائی ، اور اطراف

غضنفر ۳۲۹

میں اپنے فرمان لکھ بھیجے ۔ اس کے فرمان کی نقل یہ ہے :

فرمان :

اللہ کی طرف بلانے والے ہادی ابی القاسم بن محمد بن عبداللہ کی طرف سے فرمان :

نصر مِن اللہ و فتح قریب ۱۹ (اللہ کی طرف سے نصرت و مدد ہے اور فتح قریب ہے) و بشر المومنین (اور مومنوں کو بشارت دے)

اولیا ، اقطاب ، افراد ، اوتاد اور ابدال ۲۰ کے تمام طبقات اور جلال کے خیموں اور جمال کی سجدہ گاہوں کے تمام مقربین نے ، اللہ تعالیٰ ان کی تجلیات میں اضافہ فرمائے ، طالبین کی طرف پہنچائے (؟) ، میرے مشاہدات کے فیوضات کے آثار کی تحقیق کر لی ہوگی (ان پر سچے ثابت ہو چکے ہوں گے) کہ اس وقت حقیقی بادشاہ نے آیہ قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء ۲۱" (کہ اے اللہ تو ہی سلطنت کا مالک ہے ، جسے تو چاہتا ہے سلطنت عطا کرتا ہے) کے مطابق ظاہری اور باطنی سلطنت اکٹھی کر کے حضرت خلافت پناہ کے سپرد کی اور(اس طرح) "ولقد کتبنا فی الزبور بعد الذکر .... عبادی الصالحون ۲۲" (اور جو ہم لکھ چکے ہیں آسمانی کتابوں میں کہ اس زمین [جنت] کے مالک میرے نیک بندے ہونگے) کا وعدہ وفا کر دیا ۔ "الحمدللہ الذی اذھب .... ربنا شکور ۲۳ " (اور کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کر دیا بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا قدردان ہے ۔) بہرحال چونکہ "الامور مرہونتہ باوقاتہا" (معاملات اپنے اپنے وقت پر ہی طے پاتے ہیں) کے مضمون کے مطابق محققین کے نزدیک یہ بات واضح بلکہ تمام گروہوں کا اس پر اتفاق رائے ہے کہ کسی کام (یا معاملے) کا اپنے وقت سے پہلے یا بعد میں ہونا ایک محال بات ہے ، اور چونکہ برج عقرب میں ، کہ حضرت امام کے دین و ملت اور مآثر کا طالع ۲۴ ہے ، قران علیّن ۲۵ کے اجتماع ہی میں وعدہ کی گئی سلطنت "لولم یبق من الدنیا الایوم واحد ... ظلما" ۲۵ الف کے ظہور کا وقت مناسب تھا ، لہٰذا حضرت خلافت .... کی حکومت کے پرچم نے غیب کے ممکن (؟مسکن) سے صحرائے ظہور میں نزول فرمایا ۔ سلطنت اور ہماری آخرالزمان سلطنت کے تمام عوام کے لیے خوش بختی کا سورج ہدایت کے برج سے طلوع ہوا اور اس (آفتاب) نے تمام عارفان

محقق اور کاشفان مدقق ۲۶ کو "متی ہذاالفتح ان کنتم صادقین" ۲۷ کی شماتت سے نجات دلا دی اور عالم موقوف کی سلطنت و خلافت اور اولی الامری (حکمرانی) ، سیدؐ ولد آدم کی شریعتِ مطہرہ کے موافق صاحبِ استحقاق تک پہنچا دی۔ اس حقیقت کی بنا پر ہمایوں شرف (مبارک عظمت کا عامل) بشارت نامہ جاری ہوا تا آنکہ محمدیؑ عوام کی شادمانی کا موجب بلکہ دنیا اور اہل دنیا کی مسرت کا سبب بنا ۔

ارباب سعادت ازلی اور اصحابِ ہدایت لم یزلی ۲۸ مقدر یعنی خوش بختی کے قبلے کی طرف چلے اور آمال و آجال ۲۹ کے کعبے کی طرف متوجہ ہوئے ۔

بیت :

اے قومِ بحج رفتہ کجائید کجائید چون کعبہ ہمین جاست بیائید بیائید

(اے حج کو جانے والے لوگو ! تم کہاں ہو تم کہاں ہو ؟ ۔ چونکہ کعبہ یہی ہے ، اس لیے آ جاؤ ، آ جاؤ)

سبیل : فدا کار محققین (وہ حضرات صوفیا جن پر حقیقت اشیا منکشف ہوئی ہو) ، ارباب کشف و سلوک ، سلاطین و امرا ، سادات و مشائخ ، علما ، اہل ہندسہ و حکمت ، صاحبانِ سخاوت و شجاعت اور سید امام علیہ الصلوات والسلام کی امت تمام خواص و عوام جب بلند مرتبہ فرمان کے مضمون سے مُطلع ہوں تو اسلحہ اور سامانِ سفر تیار کرنے میں مشغول ہو جائیں اور جو کوئی تیار ہو جائے وہ بارگاہ عالی کی طرف متوجہ ہو (آئے) اور چونکہ یہ ثابت اور طے شدہ بات ہے کہ اہل دنیا خواہ وہ مومن ہو یا کافر ، صالح ہو یا فاجر ، دنیاوی دولت کا متمنی ہوتا ہے یا معنوی سعادت کا طالب ، تو اس زمانے میں سعادت دو جہانی اور دولت جاودانی دونوں جمع ہو گئی ہیں ، لہذا ان مقدمات (ابتدائی باتیں یا امور) کی بنا پر ہر صاحبِ بخت جو کچھ بھی مانگنا چاہے ـــــ بلند مرتبے جیسے مکاشفات ، مشاہدات ، معاینات و تجلیات اور سبعہ اطوار (سات طریقے!) ، ارباب قلوب (مانگیں) جیسے کوئی قلب ، کوئی نفس ، کوئی سرّ(؟) اور روح ، خفی اور غیب الغیوبی ، مشارب عمیقہ (دور دراز کے گھاٹ ؟) ، موحد (مانگیں) جیسے ماتقدم اور معارف یقینیہ ۔ اسی طرح اربابِ حکم مانگیں بلند دنیوی مناصب جیسے سلطنت ، امارت ، دیانت اور وزارت ـــــ اسے (صاحبِ بخت کو) چاہیے کہ ہماری خلافت شعار اور ولایت دثار (ولایت کا لباس رکھنے والی) بارگاہ کے ملازموں سے طلب کرے ۔

بیت :

مائیم چو سایۂ الٰہی ازما بطلب ہر آنچہ خواہی

(ہم سایہ الٰہی کی مانند ہیں جو کچھ بھی تو چاہتا ہے ہم سے مانگ)

اگر دعوت عام ہے تو خاص ہدایت کے ساتھ ہے ۔ اگر اہل سعادت ہے تو اہل سعادت ہی کو پہنچے گی ۔

اِن اللہ ملکا ۰۰۰ الاہل الی الاہل ۳۰

اہل اللہ کے لیے یہ مکتوب باعث نصرت ہے ۔ توفیق ایزدی اس کی رفیق ہو اور سعادت و خوش بختی شامل حال ہو ۔ ۳۱

حضرت ایشاں فرمایا کرتے تھے کہ اگرچہ یہ عزیز مہدی موعود تو نہ تھے ، کیونکہ مہدی آخرالزماں تو ایک سے زیادہ نہیں ہیں ، تاہم تو سب کو شفقت کی نظر سے دیکھ اور جہالت اور اعتراض سے کسی کا دل زخمی نہ کر ، اس لیے کہ وہ معذور محقق (جن پر حقیقت اشیا منکشف ہوئی) ہیں ، وہ لُغوی مہدی ۳۲ ہیں یعنی ہدایت یافتہ ہیں ۔

القصہ سید مبارک کے یہاں مدت العمر میں تین بیٹے پیدا ہوئے ۔ ایک علماءِ ربانی کے پیشوا ، مقامات پرستی و خدا دانی کے جامع اور حقایق پناہ سید فتح اللہ ، دوسرے اس خالقِ لاشریک کی نشانیوں کے مظہر سید محمد ہارون اور تیسرے صدق و سداد (راستی و درستی) کے راستوں پر چلنے والے سید الہ داد ۔

سید فتح اللہ کی شادی پہلی مرتبہ اہل قریش کے قبیلۂ جمیلہ میں کی گئی ۔ اس صاحبِ عفت خاتون سے ایک لڑکا پیدا ہوا ۔ (اس کے کچھ ہی عرصہ بعد) وہ سانپ کے کاٹے سے راہگرائے دارالقرار ہوئی (فوت ہو گئی) ۔ یہ ماجرا یوں پیش آیا کہ ان کی حویلی چار چبوتروں اور چار حجروں پر مشتمل تھی ۔ ہر بیٹے کے لیے ایک چبوترا اور ایک حجرہ مقرر کیا گیا تھا ۔ صحن کے وسط میں ایک وسیع اور بلند چبوترا تھا ، جب وہ عشاء کی نماز اور وظیفوں اور دعا کے بعد مسجد سے لوٹتے تو کبھی کبھی اس چبوترے پر بھی کچھ دیر کے لیے بیٹھ جاتے اور پھر حجرہ خاص میں چلے جاتے ۔ ایک رات اس مرکزِ سرور اور مہبط نور (نور اترنے کی جگہ) پر حضورِ باطن ۳۳ کے ساتھ "سعادت سے مخصوص" جلوس کیے ہوئے تھے (بیٹھے ہوئے تھے) کہ اسی اثنا میں فتح اللہ کی بیوی اپنے بیٹے جلال الدین کو روتے ہوئے چھوڑ کر حجرے کے اندر چلی گئی اور وہاں اتنی دیر تک ٹھہری رہی کہ بچہ زور

زور سے رونے لگا، جس سے ان کو سخت پریشانی لاحق ہوئی ، چنانچہ غصے کی حالت میں فرمانے لگے : تو باہر نہیں آ رہی ، کیا سانپ نے کاٹ لیا ہے ۔ بہو اضطراب میں دوڑی آئی ۔ اتنے میں غیب سے ایک سیاہ سانپ نمودار ہوا اور اس نے اس ضعیفہ ۳۴ کے پاؤں پر کاٹ لیا ۔ وہ اسی وقت گر پڑی اور بے جان ہو گئی ۔

رباعی :

بچہ ایمن ازین عالم نا پا برجای　　که یک دم زدنش کاردگرسان گردد

دل برین گنبدِ گردنده منِہ کین دولاب　　آسیائیست که بر خون عزیزان گردد

(اس فانی دنیا میں سکون و امن کیوں کر میسر آ سکتا ہے کہ اس میں تو ایک ہی سانس لینے سے معاملہ دگرگوں ہو جاتا ہے ۔ اس گھومنے والے گنبد یعنی آسمان سے دل نہ لگا کیونکہ یہ رہٹ ایک ایسی پن چکی ہے جو پیاروں کے خون سے چلتی ہے)

اِس اندوہناک واقعے کے بعد سید فتح اللہ کی (دوسری) شادی محمد حافظ بن معزالدین بن محمد عمادالدین جمجی کی دختر سے ہوئی ۔ معزالدین محمد خطۂ ملتان کے سربرآوردہ مفتیوں میں سے تھے ۔ اس آفتاب پایہ اور گوہر گراں مایہ خاتون سے (دو بیٹے اور) ایک دختر پیدا ہوئی ۔ ۳۵ اول : عِلم و عمل کی دنیا ، دین و دل کے جسم کی روح ، فاضل عالی جاہ سید رحمت اللہ ، دوم : مملکتِ شہود کے سلطان ، ممالکِ جُود (بخشش و سخاوت) کے سلیمان ، ہستی و نیستی سے فارغ حضرت شیخ داؤد قدس اللہ سرہ العزیز ۳۶ اور تیسری لڑکی کہ خوند بی بی اس کا نام تھا ۔

اس با وَقعت نسبت کے پیوند (مذکورہ شادی) کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ معزالدین کے والد عماد الملک نے ملتان اور پرگنہ قبولہ کی نزہت آئین (تازگی و خوشحالی سے آراستہ) سرزمین میں ایک قصبہ آباد کیا اور عماد پور اس کا نام رکھا ۔ یہ قصبہ زراعت اور عمارت سے خوب آراستہ تھا اور (اس وجہ سے) تھوڑی ہی مدت میں بڑا ہی آباد ہو گیا ۔ آخر کار وہ (عماد) اپنے خاندان کے ساتھ آ کر اس معمورہ (بستی) میں آباد ہو گئے ۔ لیکن چونکہ اس نوآباد قصبے کی بنیاد گنبد حباب کی مانند لبِ آب (کنارِ دریا) پر تھی اس لیے اس کی قوت کے بعد کئی سال تک دریا کی لہروں کے غلبے نے اسے ویران کر دیا ، جس کے نتیجے میں لوگوں کی وہ تمام جمعیت اور ہر لحظہ اس آبادی کی طرف رجوع و توجہ ، جو بڑی تیزی سے عمل پذیر ہوئی تھی ، برباد ہو کر رہ گئی ۔

عظم گڑھ ۲۶۸

بیت :

دولت آن بہ کہ سُست چیز بود دولتِ تیز رستخیز بود

(گردش زمانہ وہی اچھی جو سست ہو ، تیز گردش تو قیامت بن جاتی ہے)

اس زمانے میں میر چاکر بلوچ کا معمورہ دائرہ (ڈیرا) ، جس کی بستی اب ستکرہ (سب گھرا) کے نام سے مشہور و معروف ہے ، ہر دیار کے اکابر اور اشراف کا مرکزِ ادوار (گردشوں یعنی آمدورفت کا مرکز) اور نقطہ پرکارِ دولت تھا ۔ قرب و جوار کے لوگ اور سرداروں کے چند سوار میر چاکر کی چاکری کرتے تھے ۔ محمد حافظ نے بھی اپنے بڑے بھائی صدرالدین اور چند دوسرے اقربا کے ہمراہ اس امن و امان کے گھر میں (ستگھرا میں) سکونت اختیار کر لی ۔ یہاں عزت و کامرانی کے ساتھ اس نے زندگی بسر کی ۔ جب اس کی روح کے پرندے نے خاک کے پنجرے کو چھوڑا (مرگیا) تو اس وقت اس کا صرف ایک بیٹا محمد حاجی تھا اور ایک بیٹی تھی حاج خاتون ۔ اُس نے وقتِ رحلت یہ وصیت کی کہ اس دختر کی شادی کسی ایسے سید سے کرنا جو عالم کامل ہو ؛ کیوں کہ اگر میرے والد کی اولاد سے چراغ عِلم کی روشنی بجھ گئی ہے تو ممکن ہے کسی دوسرے کی اولاد سے دانش و فضل کی انجمن کی شمع روشن ہو جائے ۔

معز الدین محمد کی اولاد سے علم کے منقطع ہونے کا باعث یہ ہوا کہ حضرت شیخ بہاءالدین زکریاؒ کے سجادہ نشین کو ملتان کی کسی نوجوان عورت سے کچھ زیادہ ہی عشق ہو گیا جو اس کے بے حد اضطراب کا سبب ٹھہرا ۔ اُدھر محبوبہ بھی اُس کے عشق کی کشش میں گرفتار ہوتی چلی گئی ۔ یہاں تک کہ وہ اس عورت کو اپنے گھر لے آیا ۔ بظاہر اس کے والد نے اس کی صغر سنی ہی میں کسی اور مرد کے ساتھ ایجاب و قبول کی شرائط طے کر رکھی تھیں ۔ اس شخص نے والیِ ملتان کے یہاں دعویٰ دایر کر دیا ۔ بادشاہ (والی) نے ایک دعوت کا اہتمام کیا اور سجادہ نشین اور چاروں مفتیوں کو اپنے گھر بُلوا لیا ۔ اُس مدعی نے عورت کو حاضر کر دیا ۔ تین مفتیوں نے اس ضمن میں مذہبی حکم سے متعلق غلط بیانی اور مدافعت (حمایت) سے کام لیتے ہوئے کہا کہ اگر وہ بالغہ ہے تو اسے اختیار حاصل ہے ۔ معزالدین محمد نے اس کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ جب اس کے باپ نے طفولیت میں کسی شخص سے اس کا ایجاب و قبول کروا لیا ہو تو اختیار درجہ اعتبار سے گر جاتا ہے ۔ بادشاہ نے (اسے) حاضر کرنے کا حکم دے دیا ، اور مخدوم زادہ آتش فراق میں جل گیا ۔

ولی مستجاب الدعوات ۲۷ سید اس محضر (شرعی فیصلے) کے وقت مخدوم زادہ کی خدمت میں موجود تھا۔ اُس نے معزالدین کے حق میں بد دعا کی کہ اللہ کرے آج کے بعد سے تیری اولاد میں کوئی بھی دانشمند و فقیہ پیدا نہ ہو۔ اسی وقت اس کی دعا کا تیر قبولیت کے نشانے پر بیٹھا۔ چنانچہ اس کے بیٹوں اور بیٹوں کے بیٹوں (یعنی اگلی نسل) میں اب تک کوئی بھی دانشمند نہیں ہوا۔

قصہ کوتاہ، محمد حافظ کی وصیت کے مطابق سید عالم کا انتظار اور جستجو جاری تھی کہ اسی اثنا میں سید فتح اللہ کو دارالسلطنت لاہور کے علما سے ملنے کی آرزو دلِ پُرنور سے پیدا ہوئی۔ چنانچہ والد بزرگوار کی اجازت سے سفر اختیار کیا۔ ایک روز میر چاکر کے ڈیرے میں تشریف لے گئے۔ حافظ محمد کی مہمان سرا میں، جو اس نے مسجد کے سامنے تعمیر کی تھی، عمدہ ضیافتوں سے ان کی عزت و پذیرائی کی گئی۔ جمیع خاندان والوں کو ان کی صورت و سیرت وصیت کے مطابق کچھ ایسی نظر آئی کہ:

گوئی (کہ) زپُشتِ پاے تافرقِ سرش　　در قالبِ آرزوی ما ریختہ اند

(گویا اُس کے پُشتِ پا سے اس کے سر کے اوپر تک اسے ہماری آرزو کے ڈھانچے میں ڈھالا گیا ہے)

چنانچہ ان کی خاطرومدارات کے لوازم سے فارغ ہو کر اُن لوگوں نے ان سے یہ عہد لیا کہ واپسی پر وہ اس کُٹیا کو پھر منوّر فرمائیں گے۔ چند ماہ کے بعد لاہور کی سیر سے واپس ہوئے تو اس قول کے مطابق کہ جب "کوئی کریم وعدہ کرتا ہے تو اسے نبھاتا ہے" اُس جگہ کو انہوں نے نور و صفا سے نوازا۔ اور دونوں طرف سے مافی الضمیر (دل کی بات، مطلب و مقصد) کے اظہار کے بعد یہ بات طے پائی کہ ایک قابلِ اعتماد شخص ان کے ساتھ جائے اور حضرت سید مبارک کی خدمت میں پہنچ کر تاریخ مقرر کر آئے تاکہ اس کے مطابق دلہن کی روانگی کے لوازمات پورے کیے جائیں۔

تو جب اس مبارک آغاز اور باسعادت انجام والے مقصد کو سید مبارک کی طرف سے بھی صاد کر دیا گیا تو سید محمد ہارون اور سید الہداد ہمراہ آئے اور سید فتح اللہ کی شادی کر کے دلہن کو ساتھ لے گئے۔

منقول ہے کہ ایک رات بابرکت نصیبے کی مالک یہ دلہن عید کے چاند کی مبارکباد دینے کے لیے سید محمد ہارون اور الہداد کی بیویوں کے ہمراہ سید محمد مبارک کی خدمت

میں حاضر ہوئی اور زمین پر سر رکھا ۔ ۳۸ اس وقت آنحضرت بحرِ مکاشفہ میں مستغرق تھے ۔ انہوں نے مراقبے سے سر اٹھایا اور اس کی عزت و تکریم مبالغے کی حد تک کی ، جس سے اس کے ساتھ آنے والی خواتین کے دل آتشِ رشک سے جل جل گئے ۔ ایک روز ان کی زوجہ ماہ بی بی نے موقع پا کر ان سے یہ کہا کہ آپ کی دونوں بہوؤں نے خدمت کے سابقہ حقوق کے پیش نظر اس بات پر بڑی غیرت کھائی ہے کہ اس نئی نویلی دلہن کو اس قدر تعظیم و تکریم ملی ہے ، جب کہ ہماری سماعت نے زبانِ مبارک سے کبھی اپنا نام تک بھی نہیں سنا ۔ انہوں (سید مبارک) نے فرمایا کہ میں اس کی تعظیم و تکریم کیوں نہ کروں کہ اس کا شکم دنیا کو منور کرنے والے ایک ایسے آفتاب کی جائے طلوع ہے جس کے نور شرف سے ہمارا خاندان دنیا میں قیامت تک منوّر و مفتخر رہے گا ۔ اتفاق سے خدائے وہاب و شکور کے حکم کے مطابق "یہب لمن یشاء اناثاً و یہب لمن یشاء الذکور ۳۹" کے خزانے سے پہلی مرتبہ حضرت بی بی حاج خاتون کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی ۔ سید مبارک نے اس کا نام خوند بی بی رکھا ۔ ان دونوں بہوؤں کو موقع ملا اور انہوں نے زبان طعن و ملامت کھولتے ہوئے کہا کہ یہ لو ! وہ آفتاب طلوع ہو گیا جس کے بارے میں ہم نے سن رکھا تھا ۔ جب یہ بات سید مبارک تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ وہ آفتاب اس لڑکی کے بعد ایک واسطے سے طلوع اور آفتاب جہاں کو سربسر منوّر و مزین کرے گا ۔

مخطوطہ ۱۹۸۵

بیت :

ای دل آرا خانۂ جان کان دل آرامی رسد   دیدہ روشن کن کہ نورِ چشمِ بینا می رسد

(اے دل ، روح کا گھر سجا کیوں کہ وہ دل آرا پہنچ رہا ہے ۔ دیدہ روشن کر کیوں کہ چشمِ بینا کا نور پہنچ رہا ہے)

منقول ہے کہ سید فتح اللہ عالم فاضل اور متقی کامل تھے ۔ اس سے پیشتر کہ ان ۴۰ کی ہستی کا جوہر ان کے والد کے نطفے سے ان کی والدہ کے رحم کی سیپی میں نزولِ حلول فرمائے (داخل ہو) ، تفاسیر و احادیث کے باریک نکتے ، صوفیہ کے بلند مرتبہ گروہ کے علوم اور بعض عالموں کا کشف سید فتح اللہ پر وارد ہو رہے اور اس طرح ہجوم کر رہے تھے کہ اس سے پہلے ہرگز ایسا نہ ہوا تھا ۔ یہ حالت کوئی چھ ماہ تک رہی ۔ ان کے احباب و اصحاب ان کی اس حالت سے حیرت کا شکار ہو جاتے ۔

پہلا مقام

۱) حضرت ایشاں کلمۂ تکریم ہے ۔ یہاں مراد حضرت شیخ داؤدؒ ہیں ۔

۲) آگے جناب غوث کا شجرۂ نسب ہے ۔

۳) تینوں القاب ہیں ۔

۴) دین کو زندہ کرنے والا ۔ یہ بھی لقب ہے ۔

۵) مُلک کے معنی صوفیا کی اصطلاع میں ماسوا اللہ اور عالم شہادت یعنی موجودات بھی ہیں ۔

۶) عرفی کے شعر میں ذرا سا تغیر کر کے یہ شعر نقل کیا گیا ہے ۔ عرفی کا شعر ہے :

تا گوہر آدم نسبم باز نہ استد زآبا ے خودار بشمرم اصحاب کرم را

(قصاید عرفی ۔ مطبع نولکشور لکھنؤ ۔ ص ۲)

(اگر میں اپنے آبا میں سے اصحاب کرم کو گننے لگوں تو میرا یہ سلسلۂ نسب آدمؑ کے جوہر [جس سے ان کی تخلیق ہوئی] تک نہ رکے گا)

۷) میر انیس کا شعر ہے : انیس دم کا بھروسا نہیں ذرا ٹھہرو چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

۸) یعنی بیان کیا جاتا ہے ، کہتے ہیں :

۹) یہ مشہور صوفی احمد جام زندہ پیل کا شعر ہے ۔ پوری غزل اس طرح ہے :

منزلِ عشق از مکانے دیگر است مرد معنی را نشانے دیگرست
عقل کے داند کہ ایں رمزاز کجاست کاین جماعت رانشانی دیگرست
آن فقیرانے کہ اینجا می روند ہریکے صاحبقرانے دیگرست
دل چہ می بندی درین فانی جہان کاین جہان را ہم جہانے دیگرست
در دلِ مسکینِ ہر بیچارہ اے شاہ را گنجے نہانے دیگرست
برسرِ بازارِ صرافان عشق زیرِ ہر دارے جوانے دیگرست
کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگرست
دل خورد زخمے ز دیدہ چون چکید ایں چنین زخم از کمانے دیگرست
عشق در مدرسۂ تعلیم نیست کانچنان علم از بیانے دیگرست
احمدا تا گم نکردی ہوش او کاین جرس را کاروانے دیگرست

(دیوان حضرت احمد جام زندہ پیل
مطبع نولکشور لکھنؤ ص ۴۱-۴۲)

۱۰) حاشیے میں کسی دوسرے نسخے کے حوالے سے خانگی کی بجائے صالح لکھا ہے ۔

۱۱) یہ شعر اسی طرح لکھا ہے ، پہلا مصرع وزن سے خارج ہے ۔

۱۲) اکبری دور کے مشہور مؤرخ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب منتخب التواریخ میں میر سید کو بڑے اولیا میں شمار کیا ہے ۔ اس کے مطابق میر سید دکن سے ہند کی طرف آتے ہوئے "قرہ" کے شہر میں فوت اور وہیں دفن ہوئے ۔ تاریخ وفات ۹۱۰/۵-۱۵۰۴ء ہے ۔

۱۳) سلطان مظفر گجراتی جیسا کہ اوپر مذکور ہے واقعی ایک متشرع بادشاہ تھا اور اس کی اسی خوبی سے متاثر ہو کر علامہ اقبال نے جاوید نامہ میں اسے خراج تحسین پیش کیا تھا ۔ اس کا اصل نام خلیل خان اور وہ سلطان محمود بیگڑہ

والی گجرات کا چوتھا لڑکا تھا ۔ ولادت بدھ وار چھ شعبان ۸۸۰/ دسمبر ۱۴۷۵ء ۔ وفات ۲ جمادی الاول ۹۳۲/ فروری ۱۵۳۶ء ہے ۔ ۱۴ برس ۹ ماہ حکومت کی ۔ قطب الاولیا شیخ احمد کھٹو کے گنبد میں واقع اپنے باپ کے مقبرے میں سپرد خاک ہوا ۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب "بیا بہ مجلس اقبال" مضمون "اقبال کا ایک ہیرو" ۔

۱۴) سیوطی : ابوالفضل عبدالرحمن بن ابی بکر بن محمد جلال الدین السیوطی ۔ عہد ممالیک کے بے شمار کتابوں کے مصنف ۔ ایرانی الاصل ہیں ۔ ولادت یکم رجب ۸۴۹ھ/ ۳ — اکتوبر ۱۴۴۵ء ۔ مقام ولادت قاہرہ ۔ آٹھ برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا ۔ ۱۸ جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ/۱۷ اکتوبر ۱۵۰۵ء کو وفات پائی ۔ احادیث و تفسیر اور دیگر کئی علوم میں جو کتابیں تحریر کیں وہ تین اور چارسو کے لگ بھگ ہیں ۔

۱۵) متن میں "امضا" بمعنی دستخط اور حاشیے پر انصار تحریر ہے ۔

۱۶) قرآنی آیت : اے لوگو ! اپنے رب کی عبادت کرو ۔ یہ کسی ایک آیت کا حصہ ہے ، اس لیے واضح نہیں ہو پاتا کہ یہ کس جگہ سے ہے ۔ کیونکہ یہ عبارت قرآن کریم میں کئی مقامات پر آئی ہے ۔

۱۷) متن میں 'من حیث الفند" ہے جس کے معنی ہیں فند کے لحاظ سے اور فند کے کئی معنی ہیں مثلاً گروہ ، جماعت اور رائے اور گفتار میں سستی وغیرہ

۱۸) سورہ آل عمران (۳) آیت ۵۹

۱۹) سورۃ الجمعہ آیہ : ۱۳

۲۰) اولیا اللہ کا ایک گروہ

۲۱) سورۃ : آل عمران آیہ : ۳۶

۲۲) سورۃ انبیا (۲۱) آیہ : ۱۰۵

۲۳) سورۃ فاطر (۳۵) آیہ ۳۴

۲۴) طالع : وہ برج یا درجہ جو کسی کی ولادت یا سوال پوچھنے کے وقت افقِ مشرق سے نمودار ہوتا ہو ۔

۲۵) بلند مرتبوں کا ملاپ

۲۵۔الف) موعودہ سلطنت کا ظہور مناسب وقت پر ہوگا جب دنیا کی زندگی کا صرف ایک دن رہ جائے گا ۔ اللہ تعالیٰ اُس دن کو طول دے گا تا آنکہ میری اولاد میں سے ایک شخص ظاہر ہوگا جس کا نام میرے نام پر ہوگا اور جس کی کنیت میری کنیت سے ملتی ہوگی ۔ وہ روے زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھردے گا جس طرح وہ پہلے ظلم و جور سے پُر تھی ۔

۲۶) باریک نکتوں کو کھولنے والے

۲۷) یہ فتح کب ہے ، اگر تم سچے ہو (متن میں متیٰ کی بجائے منی ہے) ۔ سورہ السجدہ آیہ ۲۸

۲۸) ازلی یعنی ہمیشہ ہمیشہ کی خوش بختی والے اور ایسی ہدایت والے جسے زوال نہیں

۲۹) آرزوئیں اور عظمتیں

۳۰) بے شک اللہ ایک ایسا بادشاہ ہے جو حق دار کو اس کے حق کی طرف راغب کرتا ہے ۔

۳۱) مذکورہ فرمان یہاں ختم ہو جاتا ہے ۔

۳۲) مہدی کے لفظی معنی ہدایت یافتہ کے ہیں ۔

۳۳) باطن کی حاضری ، باطن کی طرف توجہ کیے ۔

۳۴) ممکن ہے صحیح عفیفہ ہو ۔

۳۵) "یک دختر" سے پہلے عبارت حذف ہو گئی ہے کیونکہ آگے چل کر دختر کے نام سے پہلے دو بیٹوں کے ناموں کا

ذکر ہے ۔

۳۶) اللہ تعالیٰ اس کے عزیز بھید کو مقدس فرمائے ۔ بزرگوں کے لیے "اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے" کی بجائے یہ کلمات کہے جاتے ہیں ۔

۳۷) جس کی دعائیں قبول ہوتی ہوں

۳۸) تعظیم کے طور پر

۳۹) جسے چاہتا ہے اسے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے عطا کرتا ہے ۔ سورہ الشوریٰ آیہ : ۴۹

۴۰) "ان" سے مراد سید فتح اللہ کے فرزند ہیں جنہیں آفتاب عالمتاب کہا گیا تھا یعنی حضرت داؤد

مخطوطہ ۲۹A

دوسرا مقام

حضرت کی ولادت اور قصبۂ مذکور سے ستگھرا اور دیپالپور کی جانب ہجرت کا ذکر

مخطوطہ ۲۹B

"نعم الالہٰ علی العباد کثیرۃ و اجلھن نجابتہ الاولاد" ۱ ۔ صاحبانِ دانش و بصیرت اور کارخانۂ خِلقت کے واقفانِ حال نے اولاد کی نجابت و ہدایت کو اُن بے انتہا بڑی بڑی نعمتوں میں سے اور حدوشمار سے باہر بڑی آسایشوں اور بخششوں میں سے جانا ہے جو خاص طور پر عالی مرتبہ بنی نوع انسان کے افراد و اشخاص کو اُس ختم نہ ہونے والے فیض سے میسر آتی رہتی ہیں ۔ کیونکہ نوعِ انسان کی بقا توالد وتناسل (افزایش نسل) سے وابستہ اور خاندان کی خوش بختی کے زمانے کا دوام لائق اور ہونہار فرزندوں کے وجود سے مربوط و متعلق ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ انبیا علیہم والصلوات اس بخشش و عطا فرمانے والی ذاتِ لاشریک کے حضور دعا کی زبان سے اس گراں بہا عطیے کے حصول کی درخواست کرتے ۔ چنانچہ آیہ کریمہ "ربِ ہب لی مِن لدنک ذریتہ طیبتہ اِنکَ سمیع الدعآ" ۲ اس باعث فصیح تر ٹھہری ۔

بلاشبہ چونکہ دولت سرمدی نے عنایت صمدی (خداے بے نیاز کی مہربانی) کی توفیق سے دنیا کے عارفوں میں بڑے عارف سید صفی الدین آدم اور اس خداے تبارک و تعالیٰ کے برگزیدہ سید مبارک کے خجستہ آثار (مبارک نشانیوں والے) زمانے کے ذکر کی عظمت و جلالت سے پیوندِ کامل جوڑ رکھا تھا ، اس لیے ان کے خاندان کے مستحکم بنیاد محل کو حضرت شیخ داؤد کے وجود سے ، قیامت برپا ہونے تک ، ہر طرح کے خلل و انہدام سے محفوظ و مصون کر دیا۔

تاریخ ولادت :

اُس بخشش و عنایت کی خلعت کی زیبایش اس طرح ہے کہ ۲۷ ویں رمضان کی رات کو ، کہ اکثر علماء ربانی اور مشائخ حقایق اِسی کو شب قدر قرار دیتے ہیں ، ۹۱۹/ جنوری ۱۵۱۴ میں حضرت ایشان (داؤد) کی ذات قدسی صفات علم سے یقین میں آئی ۔

بیت :

یکی غنچہ از باغ دولت رسید   کز آنسان گلی چشم گیتی ندید

(نصیبے کے باغ میں ایک ایسی کلی کِھلی کہ زمانے کی آنکھ نے اس جیسا پھول نہیں دیکھا ہو گا)

اور یہ رباعی بھی اسی تاریخ کی خبر دیتی ہے ۔

رباعی :

باد مبارک لقا بر اب وجد جاودان   ثانی داؤد سید آمدہ در دودمان

نورِ ہدایت ببین شد زجبینش عیاں ۳   آمدہ تاریخ او از "ہادی آخر زمان"

(مبارک چہرہ باپ اور دادا کو ہمیشہ کے لیے مبارک ۴ ہو ۔ خاندان میں دوسرا داؤد سید آگیا ہے

اس کی پیشانی پر نورِ ہدایت کو عیاں دیکھ ۔ اس کی تاریخ ولادت "ہادی آخرزمان" یعنی ۹۱۹ھ نکلی ہے)

اُس رات سید مبارک بہت ہی شادمانی و انبساط میں تھے ، اس حد تک کہ اس سے پیشتر کبھی کسی نے انہیں اتنا خوش و خرم نہیں دیکھا تھا ۔ وہ فرط شوق میں کبھی گھر کے اندر جاتے اور کبھی باہر آ جاتے اور عجیب حالت و لذت سے دو چار تھے ۔

بیت :

گہی بر آستان ۵ گہ بروںم گاہ برمنزل   نوید مقدم او بردہ است امشب قرارِ من

(کبھی تو میں آستاں پر ہوتا ہوں ، کبھی باہر اور کبھی گھر میں ۔ اس کی آمد کی خوش خبری نے آج رات میرا قرار لوٹ لیا ہے)

انتہائی عالمِ مسرت میں "انا انزلناہ فی لیلتہ القدر" ۶ پڑھتے ، اور حافظ (شیرازی) کا یہ شعر زبان پر لاتے ۔

بیت :

آن شبِ قدری کہ گویند اہل خلوت امشب است　　یارب این تاثیر دولت از کدامین کوکب است ؟

(اہل خلوت جسے شبِ قدر کہتے ہیں وہ آج کی رات ہے ۔ یا الٰہی نصیبے کی یہ تاثیر کس ستارے میں ہے)

اُن کے بعض اصحاب نے ان سے اس قدر خُرمی کا باعث پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں بھلا کیوں نہ اس طرح خوش و خرم ہوؤں کہ حق سبحان تعالیٰ و تقدس نے ایک ایسے فرزند کے وجود سے مجھ پر احسان فرمایا ہے جو دین محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی از سرِ نو زندگی کا باعث ہو گا اور دنیا اور دنیا والے اس کے باطنی اور ظاہری فیض سے معمور و مغفور ہوں گے ۔

منقول ہے کہ جب آپ ڈیڑھ برس کے ہوئے تو آپ کی شہ رگ کے قریب ایک پھنسی سی نکل آئی ۔ اطبا نے اس کا علاج آپریشن بتایا ۔ ان کی والدہ نے فریاد کی اور وہ اس پر قطعاً راضی نہ ہوئیں ۔ سید مبارک نے کہا : حق سبحانہ تعالیٰ کو تیرے بیٹے سے بڑے بڑے کام لینے ہیں ۔ جب وہ وقت آ پہنچے گا تو تو اپنی دلی مراد کے مطابق امید کے پھول چنے گی ۔ اس کے بعد سید مبارک نے انہیں اپنی بغل میں لیا ، جراح کو بلایا اور آپریشن کرا دیا ۔ زخم چند ہی روز میں اچھا ہو گیا ۔

ملتان میں طاعون

اسی زمانے میں اُچہ اور ملتان کے علاقوں میں ایک عظیم وبا پھوٹ پڑی جسے ملتانی زبان میں "کہلتی" کہتے ہیں ۔ جائفل (جائے پھل) کے دانے کے برابر ٹھوڑی کے نیچے ایک غدود نکل آتا جس سے انسان جلد ہی ہلاک ہو جاتا ۔ یہ وبا کچھ اس حد تک اس علاقے میں پھیل گئی کہ ایک دنیا راہی ملک عدم ہو گئی ۔ جب الم کی کدورت کے حامل غم کے غبار نے سراسرِ عالم کو اپنی گرفت میں لے لیا اور لوگوں کی آبادی اور معیشت پوری طرح انتشار کا شکار ہو گئی تو اسی اثنا میں رحمت و عطوفت کا بادل برسنے لگا ۔

بیت :

ابوالقاسمؐ　قسیم　نار و جنت　شفیع مجرمان بی مزد و منّت

(ابوالقاسم جو دوزخ اور جنت تقسیم کرنے والے اور کسی اجرت اور احسان کے بغیر خطاکاروں کی شفاعت فرمانے والے ہیں)

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ملک غیاث الدین لنگاہ ، کہ اپنے وقت کی ایک سربرآوردہ شخصیت تھی ، رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا اور اسے یہ جاودانی سعادت قطب ربانی حضرت مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی کی ارادت کے توسط سے حاصل ہوئی تھی ۔ اسے حکم ہوا کہ عبدالقادر ثانی کے فرزند سے کہو کہ وہ وبا کا غبار اور تکلیف کی گرد اس دستے (جھاڑو) سے صاف کر دے ۔ جب یہ جھاڑو ملک غیاث الدین کے ہاتھ لگا تو وہ اٹھا کہ اسے ہاتھوں ہاتھ وہاں پہنچا دے ۔ راستے میں اسے خیال آیا کہ معلوم نہیں مخدوم ثانی اس اچانک کے تحفے سے آگاہ بھی ہیں یا نہیں ۔ اور خود اسے اِس بات کی خبر نہ تھی کہ حضرت سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پہلے مخدوم سے بالمشافہ بات فرمائی تھی اس کے بعد وہ جھاڑو اس کے حوالے ہوا اور اس امر میں کہ وہ دستہ کسی دوسرے کے ہاتھ اور کسی غیر کے ذریعے پہنچائیں ، خاص لطیف باتیں ہیں جنہیں خواص ہی جانتے ہیں ۔ چنانچہ جیسے ہی وہ (لنگاہ) خانقاہ کے دروازے پر پہنچا اور اس نے بارگاہ کا حلقۂ در کھٹکھٹایا تو حضرت مخدوم نے فرمایا : غیاث الدین ہماری امانت ساتھ لائے ہو ؟ ۔ عرض کیا کہ حاضر ہے ۔ اُسے چوم کر انہوں نے رکھ لیا اور اسی وقت شہر میں منادی کرا دی کہ جس کسی کو کوئی تکلیف یا بیماری ہو وہ "غربا پناہ" خانقاہ میں حاضر ہو ۔ حضرت وہ جھاڑو آزار والی جگہ پر ایک ہی مرتبہ لگاتے اور مریض کو اسی وقت شفا اور صحت کامل حاصل ہو جاتی ۔

بیت :

یارِ مردانِ خدا باش کہ در کشتیِ نوح　　　ہست خاکی کہ بآبی نخرد طوفان را

(اللہ والوں کا دوست بن کیوں کہ حضرت نوحؑ کی کشتی میں ایسی خاک ہے جو طوفان سے محفوظ رکھتی ہے)

وہ دستۂ جاروب جو اہل عالم کے لیے ایک طلسم بن گیا اب اُچہ میں حضرت مخدوم ثانی کے سجادہ نشین کے پاس ہے اور باعث خیروبرکت ہے ۔

سید رحمت اللہ اور حضرت ایشاں کی داؤد جال سے ستگھرا اور دارالسلطنت لاہور کی طرف مُنتقلی (کہ حیران کن ہے) کا مذکورِ دیگر :

جہان اور جہان والوں کے احوال کو گردش میں لانے اور زمانے اور زمانے والوں کے اوضاع کو بدلنے والے (خدا) نے حکمت بالغہ کی بنا پر پریشانی اور رنج و محن میں بھی فرحت و آبادی کے بہت سے اسباب پوشیدہ اور کامرانی و کشادگی کے بہت سے بھید نقصان و ضرر کی گرد میں مخفی کر رکھے ہیں ۔

قطعہ :

در ضمنِ ہر بلای مدرج سعادتیست مغزِ لطیفہ تعبیہ در استخوان بود

لابد چو آسمان بیاید جہان نوشت آن را کہ تکیہ گہ زیر آسمان بود(؟)

(ہر بلا میں کوئی خوش بختی پنہاں ہے ۔ پاکیزہ مغز ہڈی میں چھپا ہوتا ہے ۔ بلا شبہ اس شخص کو ، جس کی تکیہ گاہ زیرِ آسمان ہو ، آسمان کی طرح دنیا کو طے کرنا چاہیے)

باریک بیں دانشمندوں اور تاریخ سے عبرت حاصل کرنے والوں پر احوال مخفی و پوشیدہ نہیں ہیں کہ سلطان حسین ارغنون نے ، کہ ملکِ سیوستان کا والی تھا ، ۹۲۱ھ/۱۵۱۵ء میں خطۂ ملتان کو تاراج کرنے اور لنگاہ قوم کے استیصال کی خاطر چند ہزار سوار کے جرار لشکر سے وہاں (ملتان) کا محاصرہ کر لیا اور اس کے لیے بڑا ہی تردد کیا ، لیکن وہ قلعۂ ملتان کو فتح نہ کر سکا اور جاتے جاتے نواحی ملتان و اچہ کو غارت کرتا ہوا واپس سیوستان کی طرف متوجہ ہوا ۔ اس ایک زمانے میں تین سلطان حسین تھے ، تینوں صاحبانِ تخت اور نیک کردار تھے اور تینوں نے ایک دوسرے کے ساتھ خط و کتابت کے باب وا کر رکھے تھے ۔ مذکورہ سلطان حسین کا تعلق سیوستان سے تھا ، جب کہ ایک سلطان حسین جونپور میں اور ایک سلطان حسین میرزا ہرات میں تھا ۔

سلطان جب اس واقعے کے بعد ملتان سے لوٹا ہے تو اس حادثے میں حضرت ایشان کو جن کا سن مبارک ابھی دو سال بھی نہ ہوا تھا تین شب و روز اپنی والدہ شریفہ سے جدا ہو کر صحرا میں اپنی ہمشیرہ خوند بی بی کی گود میں رہنا پڑا ۔ مشہور ہے کہ اس ہولناک واقعے میں انہیں دو روز تک کوئی خوراک نہ ملی اور ہر چند سید محمد مبارک کے کسی مخلص نے انہیں گائے کا تھوڑا سا دودھ دینا چاہا اور بہت اصرار کیا لیکن انہوں نے نہ پیا ، اور اپنے دہن و لب کو قطعاً اس سے آلودہ نہ کیا ۔ بعد میں ایک اور شخص دودھ لے آیا جسے انہوں نے بڑی رغبت کے ساتھ گھونٹ گھونٹ کر کے پی لیا ۔ تمام

مخطوطہ ۲۴B

مخطوطہ ۲۴A

حاضرین دودھ لے اس رد و قبول سے ، جو (دودھ) دولتِ مادر زاد کی بشارت دینے والا اور خداداد سعادت کا حامل تھا ، بہت ہی حیران ہوئے ۔ جب لوگوں نے صورتِ حال کی تفتیش و تحقیق کی تو یہ کُھلا کہ پہلا دودھ ایک غصب کی گئی گائے کا تھا جب کہ دوسرا حلال کی رقم سے تھا ۔ اس سے لوگوں نے اعتقاد و انقیاد کو گوش ہوش میں سنبھالا (یعنی حضرت داؤدؒ کے بارے میں ان کا اعتقاد بڑھا اور وہ ان کے فرمانبردار بن گئے) ، اور سید مبارک کی اُن باتوں کی انہوں نے تصدیق کر دی جو وہ اُس آسمان عرفان کے جلالِ اوج (یا ہلالِ اوج) کی شان میں ظاہر کیا کرتے تھے ۔

بیت

ازلبت شیر روان بود کہ من می گفتم　　کین شکر گرد نمکدانِ تو بی چیزی نیست

(تیرے ہونٹوں سے ابھی دودھ رواں تھا [جب میں] کہا کرتا تھا کہ تیرے نمکدان کے گرد یہ شکر بے وقعت (یا بے وجہ) نہیں ہے)

جب ملک غیاث الدین کی وفات کے بعد لنگاہوں کی جماعت نے پورے طور پر فسق و فجور ، شراب نوشی اور اس قسم کے دوسرے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب شروع کر دیا تو ان کے یہ قبیح اعمال اور ناپاک افعال سچے اولیا کے پیشوا شیخ بہاءالدین زکریا کو گراں گذرے ۔ ایک رات انہوں نے سلطان ارغنون کو خواب میں فرمایا کہ لنگاہ قبیلے کے مجاوروں ۸ نے میری خانقاہ کو ناپاک کر دیا ہے ، تو ہمت کر ، کیونکہ اس نابکار قوم کا استیصال قریب ہی ہے ۔ چنانچہ بشارت کے حامل اس اشارے کے مطابق اس نے لشکر ، سازوسامان اور تیر و کمان کا کماحقہ اہتمام کیا اور ۹۳۲ھ/۶-۱۵۲۵ء میں پھر ملتان کا محاصرہ کر لیا ، جس سے اہل قلعہ کا قافیہ تنگ ہو گیا ۔ چونکہ سلطان (حسین) ظاہر و باطن سے آراستہ تھا ، اس لیے حضرت مخدوم ثانی کا دل و جان سے معتقد ہو گیا ۔

اِس محاصرے کے دوران میں حضرت ثانی ، سلطان حسین کے ڈیرے میں تشریف فرما تھے کہ ایک روز ملتان کے اراذل (چھوٹے درجے کے لوگ) میں سے ایک مفلس ، جس کے دماغ کے پیچھے فاقے کی ہیبت نے زوردار تھپڑ رسید کیا تھا (شدید فاقے کا شکار تھا) ، قلعے سے باہر گر گیا ۔ اسے اٹھا کر سلطان کے شاہی خیمے کے دروازے پر لایا گیا ۔ حکم ہوا اسے پیش کیا جائے ۔ حضرت مخدوم ثانی نے اپنی کرامت اور غیب دانی کی روشنی میں فرمایا کہ اس سے حقیقت حال وہیں (دروازے پر) پوچھ کر سلطان کو

بتا دی جائے ، کیا ضرور ہے کہ اس معمولی سے کام کے لیے اسے خدمت میں پیش کیا جائے ۔ سلطان نے کہا : نہیں ! اسے میرے حضور پیش کیا جائے ۔ جب وہ آیا تو سلطان نے اُس سے خود پوچھا کہ اِس وقت اہلِ قلعہ کیا کھا رہے ہیں ؟ اس سر پھرے نے کہا کہ صاحبانِ دولت تو قند اور گھی چڑھا رہے ہیں اور ہم اور تیرے ایسوں کے کھانے کے لیے نجاست بھی میسّر نہیں ۔ سلطان حسین ، مخدوم ثانی کی موجودگی میں اس مکالمے سے بہت ہی نادم ہوا ۔ مثل مشہور ہے کہ جو کوئی بات کو نہیں تولتا اس کے جواب سے رنج پہنچتا ہے ؛ اور داناؤں کا کہنا ہے کہ جو کام نوکر سے کرایا جا سکتا ہے اس کے لیے بیٹے کو نہ کہا جائے اور جو بیٹے سے ہو سکتا ہے ، اسے خود کرنے سے احتراز کیا جائے ، کیونکہ اُن سے اگر کوئی اہم کام بگڑ جائے تو وہ (آدمی) خود اس کی تلافی اور تدارک کر سکتا ہے اور اگر خود اس سے کام بگڑ جائے تو دوسرا کون اس کا تدارک کر سکے گا ۔

قصہ کوتاہ ، اس مرتبہ جب سلطان حسین نے یہاں کے تمام ڈیروں سے اہل شہر کو منتشر کرنے کی ٹھانی تو اکثر شرفا اور مستورات کو ترکِ وطن پر مجبور ہونا پڑا اور بہت سے اعزہ نے اس دیار سے راہ فرار اختیار کی اور جلاوطن ہو کر دیپالپور اور لاہور کا رخ کیا ۔ سید محمد مبارک اور سید فتح اللہ نے اس حادثے کی گڑگڑاہٹ سے چند برس پہلے دنیا کے دارِ وبال سے شبستانِ لازوال کا سفر اختیار کیا تھا ، جب کہ سید الہ داد اور محمد ہارون نے اپنے مسکن ہی میں صبر و سکون کے پاؤں پھیلائے رکھے اور حضرت بی بی نے اپنے دونوں بیٹوں اور بیٹی کے ہمراہ ، اس ہجرت کو سُنّت سیدالمرسلین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سمجھتے ہوئے ، ستگھرا کا رُخ کیا ۔ چند کتابیں اور دوسرا سامان اٹھانے کی خاطر ایک بیل اور مینڈھا ان کے پاس تھے لیکن وہ بھی آدھے راستے میں آکر بھاگ نکلے اور ستگھرا تک نہ پہنچ پائے ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تین شب و روز کی بے خوابی کے باعث ان کا سر بوجھل ہو رہا تھا ، نتیجتاً وہ آبادی سے دور صحرا میں سو گئیں ۔ سامان اور جانوروں کی حفاظت جلال الدین کے سپرد کی گئی جو اُن سے بڑے تھے ؛ لیکن فلکِ نامہربان نے اس جوان کی بھی آنکھوں میں سُرمہ غفلت لگا دیا اور بیل اور مینڈھا رسی تڑا کر واپس سندھ کی چراگاہ کی طرف بھاگ گئے ۔ چند ساعتوں (لمحوں) کے بعد جب انہیں خبر ہوئی تو دونوں بھائی ان کی تلاش میں نکلے ۔ چند کوس تک سرپٹ دوڑے لیکن جانور ہاتھ نہ لگے ۔ سید رحمت اللہ نے اس ناامیدی اور بے دماغی (غصے) میں جلال الدین کو گال

دے دای ۔ جلال الدین نے بھی رنجیدہ ہو کر واپسی کے پاؤں سندھ کی طرف کھول لیے (سندھ کا رخ کیا) :

چو روزی قیامت گریزان شدہ — پسر از پدر اقربا ز اقربا
نہ ترک خموشی نہ یارای گفت — نہ اندیشہ خوف (و) نہ بوی رجا ۱۰

(جس طرح روز قیامت بیٹا باپ سے اور اقربا اقربا سے گریزاں ہوں گے ، نہ خاموشی کو ترک کیا (؟) نہ گفتگو کا یارا ، نہ خوف کی فکر (؟) نہ امید کی خوشبو)

عالم حیرانی و پریشانی میں (بی بی وغیرہ) میر چاکر بلوچ کے ڈیرے ہی کو ابوسفیان کا گھر سمجھ کر اور اس پُرامن مسکن کو امن و امان کا جودی ۱۱ جان کر ، عجیب و غریب حالت میں ، پوچھتے پاچھتے وہاں پہنچے اور محمد حاجی بن شیخ محمد حافظ نے ابو ایوب انصاریؓ کی مانند باغستان مصطفویؐ کے ان نونہالوں کے ورود کو عظیم مغتنمات میں سے جانتے ہوئے اس گنجِ بادآورد ۱۲ کے گِرد پھرنا شروع کر دیا (خدمت شروع کر دی) ۔

بیت :

رخشِ تند آن گنجِ خوبی را بسویم درکشید — دان غنیمت غربتی آن گنج باد آورد را

(تیز رفتار گھوڑا اس خزانۂ حُسن کو میرے دروازے کی طرف لے آیا ۔ غربتی اس گنجِ باد آورد کو غنیمت سمجھ)

اور اپنی دو بیٹیوں کو ، کہ اختر برج عصمت تھیں ، ولایت و عنایت کی بلندی کے ان دو آفتابوں سے منسوب کر دیا ۔ چند ماہ کے آرام کے بعد حصولِ علم کی خاطر آپ اس آرام گاہ سے شہر دیپالپور کی طرف متوجہ ہوئے جہاں ان دنوں تدریس و تعلیم کا رواج اِس حد تک تھا کہ ہر علاقے کے اہل استعداد بلکہ لاہور کے علما تک کسب علوم کے ارادے سے وہاں جایا کرتے تھے ۔ تیرہ بڑے علما مدرسے میں بیٹھتے اور تفاسیر ، احادیث اور فقہ کی تمام کتب کے علاوہ دیگر نادر علوم کا درس دیا کرتے تھے ۔ ان میں جو مشہور ہیں وہ یہ ہیں : شیخ بازید (؟) ، قاضی کبیرالدین ، شیخ برخودار ملتانی ، عبدالعزیز ، قاضی چندن اور ملّا جمال وغیرہُم ۔ اس دور کے عظیم بے نظیر علما یہی تین حضرات تھے جن کا چوتھا یعنی مدمقابل نہ تو ہند میں تھا اور نہ سندھ میں ، ایک مخدوم الملک ، دوسرے شیخ بایزید اور تیسرے قاضی کبیر الدین ۔

حضرت ایشاں نے تینوں مدرسوں کا جائزہ لینے کے بعد شیخ بایزید بن شیخ
حسن قریشی کے درس میں فقہ پڑھنا شروع کیا ۔ یہ بایزید اپنے دور کے ملک العلما اور
بہت بڑے صاحبِ ورع و اتقا تھے ۔ یہ شیخ نظام الدین دو واسطوں سے میر سید شریف
کے شاگرد تھے ، کیونکہ شیخ نظام ، مخدوم فتح اللہ کاتبہ کے شاگرد ہیں اور وہ شیخ نجم الدین
صغریٰ کے شاگرد ، جن (صغریٰ) کا دہلی میں بڑا شور تھا اور فیض رسانی کا بے حد چرچا ۔
اور وہ دو واسطوں سے میر سید شریف کے شاگرد ہیں ۔

حضرت چھ ماہ تک شہر دیپالپور میں تحصیل علم میں مشغول رہے ، لیکن وہاں جمعیت خاطر کی کوئی صورت نہ بنی ۔ بعد میں شہاب الدین جمجی کی ترغیب پر قصبۂ بصیر پور میں تشریفِ شریف ارزانی فرمائی ۔ یہ جگہ بڑی ہی تازگی و خوشحالی کی حامل تھی ، پھر اس سعادت نشان مکان (یعنی خوش بخت علاقے) کے لوگ بھی حضرت کے معتقد و مطیع ہو گئے ۔

اسی زمانے میں خراسان کے چند نووارد اعیان (بڑے یا نمایاں لوگ) میرزا کامران کے ملازمین کی صف میں آ کر اس سے منسلک ہو گئے ۔ بصیر پور کا بیابان انہیں جاگیر تنخواہ کی صورت میں عطا ہوا ، چنانچہ وہ لوگ وہاں پہنچے ۔ ان لوگوں نے مذکورہ قصبے کے تمام سرداروں کو شکنجے میں کھینچا (سخت اذیتیں دیں) اور حویلی کے دروازے کو مقفل کر کے کوڑوں سے انہیں پیٹا ۔ کسی کو بھی ان کی زبان سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں ۔ کسی ترجمان کی ضرورت تھی جو درمیان میں واسطہ بن کر صورت حال کی وضاحت چاہتا ۔ وہاں کے تمام لوگ سید رحمت اللہ کی خدمت میں پہنچے اور اس صورت حال کے بارے میں انہیں آگاہ کیا ۔ رحمت اللہ اٹھے اور ان (خراسانیوں) کی طرف گئے ۔ انہوں نے دروازہ نہ کھولا تو سید دیوار پر چڑھ کر ان سے ہم زبان ہوئے (بات کی) ۔ پہلے تو خراسانی بھڑ کے چھتے کی طرح بھنبھنا اٹھے ۔ پھر انہوں نے سید سے پوچھا تو کون ہے اور کس لیے اس دلیری کے ساتھ دیوار پر چڑھ کر ہم سے بات کر رہا ہے ۔ سید نے کہا کہ میں سید ہوں اور رضائے خدا کی خاطر تمہارے پاس آیا ہوں تاکہ خدا کے ان بندوں کی سفارش کروں اور یہ جانوں کہ تم لوگ کیا چاہتے ہو ؟ وہ اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے دروازہ کھول دیا ۔ ردّ و بدل کے بعد خراسانیوں نے ان تمام مظلوموں کو سید کے سپرد کر دیا ۔ جس کے سبب بصیر پور کے لوگوں نے ان کے قدومِ میمنت لزوم

کو غنیمت جانا ، اور خراسانیوں نے کچھ زیادہ ہی غنیمت سمجھا ۔

اس برس انہوں نے گندم بو رکھی تھی ، حکام نے انعام کے طور پر اس کا حاصل انہیں عطا کر دیا ، جس سے وافر غلہ میسر آیا ۔ سید رحمت اللہ نے حاکم کی مہمانداری کی رقم ، جو ان کا ذاتی حصہ تھا ، دلی مسرت کے ساتھ خرچ کی ۔ اور حضرت ایشاں شب و روز ریاضت اور حفظِ قرآن کریم میں مشغول رہتے ۔ یہاں ان پر غیبی واردات اور شک سے عاری یعنی یقینی مشاہدات ظاہر ہونا شروع ہوئے اور عشق الٰہی کے کوندے اور نامتناہی عشق کے شعلے روز بروز اضافہ پذیر ہوتے چلے گئے ۔

منقول ہے کہ حضرت ایشاں فرمایا کرتے تھے کہ بصر پور (بصیر پور) کے قریب ندی تھی اور اس کے گرداگرد قبرستان تھا ۔ میں وہاں رات کو جایا کرتا اور لوگوں کے جنازے کفن میں لپٹے ہوئے دیکھتا ، جس سے میرے دل کو دکھ پہنچتا ۔ یہ حالت دیکھ دیکھ کر میرا دل دنیا اور اہل دنیا سے سرد و افسردہ ہوتا چلا گیا ۔

منقول ہے کہ حضرت ایشاں فرمایا کرتے تھے کہ ایک موقع پر میرے دل میں آیا کہ دنیا میں تین عظیم گوہر ہیں ، ان میں سے میں کون سا گوہر اللہ تعالیٰ سے مانگوں ، فقر یا علم یا سلطنت ۔ دل کی خواہش یہ ٹھہری کہ بادشاہ بنوں ۔ اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں سلیمان (صلوات ہو اللہ کی ہمارے نبی پر اور اُن یعنی حضرت سلیمان پر) کی طرح بادشاہ بن گیا ہوں اور تمام مخلوقات میری مطیع و منقاد ہو گئی ہے اور کسی کو میرے حکم سے سرتابی کی جرات نہیں ہے ۔ میں باری تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کیا کہ اس زندگی کو بھی موت ہے ؟ ارشاد ہوا : ہاں ۔ میں نے کہا : یہ سب کچھ بے وقعت ہے ، کیونکہ جسے ثبات نہیں وہ دل بستگی کے لائق نہیں ۔ پھر ایک روز میرے جی میں آئی کہ میں عالم ہو جاؤں ۔ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں بہت بڑا عالم ہوگیا ہوں ۔ میں نے تمام اہل دانش سے مباحثہ کیا اور ان سب پر غالب آگیا ہوں اور ان سب نے میری شاگردی کا اعتراف و اقرار کر لیا ہے ۔ پھر میں باری عزاسمہ ، کی بارگاہ میں پہنچا اور عرض کیا : اِس زندگی کو بھی فنا ہے ؟ ارشاد ہوا : یہ بھی آمادۂ فنا ہے ۔ سو میں اس سے سرد دل ہوگیا ۔ پھر ایک روز میرے دل میں سمایا کہ میں فقیر ہو جاؤں ۔ اس رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ولی کامل بن گیا اور صاحبِ تکمیل ہوگیا ہوں ۔ نیز ایسے ذوق اور حالت سے سرشار ہوں کہ اکثر اولیاء اللہ

میرے تابع ہو گئے اور بڑے بڑے مشائخ کے ملک و ولایت میرے تصرف میں آ گئے ہیں اور میں کونین پر چھا گیا ہوں ۔ اب کے پھر میں نے (بارگاہ ایزدی میں) عرض کیا : اِس زندگی کو بھی موت ہے ؟ ارشاد ہوا : اس کے بعد موت نہیں ۔ چنانچہ بیداری کے بعد میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اگر اللہ تعالیٰ عطا فرمائے تو مجھے فقرِ محمدی سے بہرہ ور فرمائے وگرنہ نہیں ۔ اس سے پہلے میں درویشی کو کچھ اسی قسم کا جانتا تھا کہ اس زمانے میں دریا کے کنارے ایک زاہد رہتا تھا جو سر ڈھانپے بیٹھ کر بے حد نوافل ادا کرتا رہتا ۔ جو کوئی اس کے پاس جاتا وہ کہتا تجھے ایک نفل کا ثواب دیا ، فلاں کو دو نفل کا ۔

دوسرا مقام

۱) بندوں پر اللہ تعالیٰ کی بہت نعمتیں ہیں ان میں سب سے بڑی نعمت اولاد کی عنایت ہے ۔

۲) یا الٰہی تو مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ (نیک) اولاد عطا فرما ، بیشک تو دعا سننے والا ہے ۔ سورہ آل عمران (۳) آیہ : ۳۸

۳) متن میں یہ مصرع یوں ہے : نور ہدایت مبین شد چشمش ازان ۔ اس میں منفی پہلو بھی ہے اور "ازان" یہاں بے معنی بھی ہے ۔

۴) "جد" کو اضافت کے ساتھ پڑھیں ، جیساکہ مخطوطے میں ہے ، تو یہ مطلب بن سکتا ہے ۔ جاوداں رہنے والے اب وجد کو چہرہ مبارک ہو ، لیکن اضافت کا یہاں کوئی محل نہیں ۔

۵) آستانم ہونا چاہیے ۔

۶) تحقیق ہم نے اسے یعنی قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا ۔ آیہ : ۱ سورہ : القدر (۹۷)

۷) دیوان حافظ مرتبہ محمد قزوینی و دکتر قاسم غنی طہران (ص ۲۲) میں "شب قدر" کی بجائے "شب قدری" اور "ازکدامین" کی بجائے "درکدامین" ہے اور یہی درست ہے ۔

۸) اگر فجار ہو تو مطلب ہو گا بدکاروں نے ۔

۹) متن میں "زنجد" ہے جس کا یہاں مطلب واضح نہیں ہوتا ۔

۱۰) شعر کوئی لفظ حذف ہونے کے باعث واضح نہیں ہے ۔

۱۱) جودی پہاڑ جس پر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ، طوفان کے وقت ، چڑھ گئی تھی ۔

۱۲) ایران کے ساسانی خاندان کے بادشاہ خسرو پرویز کا آٹھواں خزانہ ۔ کہتے ہیں کہ قیصر روم نے پرویز کے ڈر سے چند کشتیاں زرِ سرخ سے بھر کر جزیرہ کی طرف بھیجیں ، لیکن مخالف ہوا اُن کشتیوں کو پرویز کے ملک کی طرف لے گئی اور پرویز نے ان پر قبضہ کر لیا ۔ اسی بنا پر اسے گنج باد آورد یعنی ہوا کا لایا ہوا خزانہ کہتے ہیں ۔ تاہم اصطلاح میں اس سے مراد مال مفت بھی ہے ۔

تیسرا مقام

تحصیلِ علوم ، دارالسلطنت لاہور میں ورود اور ہر روز جذبے میں اضافہ ہونا

جب حضرت سید رحمت اللہ کی باصواب رائے اور دانش و شعور رکھنے والے بندوں کی اصابت رائے کی فطرت کے نچوڑ (رحمت اللہ) اور حضرت ایشاں کے تقدس مآب باطن کی رغبت کا تقاضا "غرای علیکم بالسواد الاعظم" ۱ کے مضمون کے مطابق اس بات پر ٹھہرا کہ یہ ٹھکانا ترک کر کے خطۂ لاہور کی سکونت کی طرف ارادے کی عنان موڑ دینی چاہیے تو تمام اہل بصیر پور نے جو حضرت کی پُرنور تجلیات اور منور مشاہدات سے شب و روز مسرور و محفوظ ہو رہے تھے ، گریہ و زاری اور فریاد شروع کر دی ۔ حضرت (انہیں اس حالت میں چھوڑ کر) میرزا کامران کے عہد حکومت میں دارالسلطنت لاہور تشریف لے آئے ۔ جہاں انہوں نے اکبری دروازے کے باہر قلعہ کے متصل ایک وسیع حویلی اور آرام گاہ تعمیر کی ، اور تحصیل علوم میں مصروف ہو گئے ۔ کچھ علوم جو اہل ولایت (ایران) سے مخصوص ہیں ، میر محمد باقر سے حاصل کیے جو کسی واسطے کے بغیر شیخ الاسلام ہروی کے شاگرد تھے ، اور کچھ دوسرے ملاؤں سے جو ولایت ۲ سے آتے ۔ کشاف ، احمد صغیر سے پڑھی ۔ پھر جس کسی کو کسی فن میں کامل و ماہر دیکھتے ، اس سے وہ فن حاصل کرتے ۔ حضرت کا سبق سنتے وقت سمرقند اور خراسان کے علما اپنے حجروں سے باہر نکل آتے اور ان کی تقریر پر فریفتہ و شیفتہ ہو ہو جاتے ۔ حضرت سید رحمت اللہ کسبی فضائل اور بڑے بڑے وہبی ادراکات (خداداد فہم و شعور) میں یدبیضا رکھتے تھے ، اور شعر دانی و نظم خوانی کے انداز میں انہیں اپنے ہم عصر دشوار پسندوں میں ضرب المثل کی سی حیثیت حاصل تھی ۔ کمال اسماعیل ، خاقانی اور انوری جیسے (بڑے) شعرا کے کلام کے مشکل مقامات کے حل کرنے اور تمام عربی و رومی (یونانی) کتب کی پیچیدگیاں سلجھانے میں طبع نقاد اور ذہن وقاد (بہت روشن ذہن) کے مالک تھے ۔

میرزا کامران کے چند رضائی بھائی ان کی خدمت میں فقہ و نظم کی کتب پڑھنے آیا کرتے تھے ۔ ان لوگوں نے اس جگہ جہاں اب مدرسۂ خضر خان ہے ، انہیں ایک مدرسہ بنوا دیا جہاں ہر علم و فن کے طلبا حاضر ہوا کرتے ۔

منقول ہے کہ اس دَور میں شہر کے سب سے بڑے فقیہ مُلا موسیٰ نام کے ایک

سید تھے ۔ حضرت ایشاں مسائلِ دین کی باریکیوں کے حل اور مجتہدین کے مقاصد ۳ کی تنقیح کی خاطر اکثر ان کے گھر جایا کرتے ۔ جب بھی حضرت ان کے دروازے کی زنجیر پر اپنا دستِ مبارک مارتے مُلا بے تامل دوڑے دوڑے باہر آ جاتے ۔ ایک روز مُلا نے حسبِ معمول زنجیر کی آواز سُنی لیکن جلد باہر نہ آئے اور کنیز کو دوڑایا کہ ان سے کہو کچھ دیر ٹھہریں ۔ تھوڑی دیر کے بعد بہت غمگین حالت میں اور ماتھے پر شکنوں کے ساتھ آ کر بیٹھ گئے ۔ حضرت نے ان سے اس پریشانی کا سبب پوچھا ۔ ملا بولے : دنیا میں جو بھی آدم زاد ہے وہ غم و الم کے تیر کا نشانہ ہے ۔ آپ سبق خود ہی پڑھیں اور اندوہ کی زنجیر نہ ہلائیں (یعنی یہ بات نہ چھیڑیں) ۔ حضرت ایشاں نے فرمایا : سبق پڑھنے کا مقصد اَن جانی باتوں کو جاننا ہے ۔ آج میں چاہتا ہوں کہ سبق کی بجائے آپ سے اسی غم کا سبب جانوں ۔ مجبوراً مُلا نے یہ بات بتائی کہ : میری بوڑھی بیوی اولاد کی مراد پوری نہ ہونے اور (اولاد کی مدت) گذر جانے کے باعث بہت ہی برہم اور ناشاد ہے ؛ اسی وجہ سے ہم پریشانی و دل گیری کا شکار ہیں ۔ حضرت ایشاں نے تامل و فکر کی خاطر سر گریباں میں جھکا لیا اور پھر فرمایا : حق سبحانہٗ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ آپ کو عنقریب فرزند کے وجود سے خُرسند و خرم فرما دے ، وگرنہ یہ فقیر آپ کے پاس سبق کے لیے ہرگز نہ آئے گا ۔ یہ کہہ کر حضرت اٹھے اور چل پڑے ، ہر چند مُلا نے اصرار کیا لیکن حضرت واپس نہ ہوئے ۔ خدا کی قدرت کہ ابھی (اس بات کو) ایک ماہ بھی نہ گذرا تھا کہ مُلا کی بیوی نے مُلا سے کہا : میری عادتیں دگرگوں ہو گئی ہیں (بدل گئی ہیں) ، میرا خیال ہے میں امید سے ہو گئی ہوں ۔ مُلا نے کہا : مبارک ہو ۔ پھر انہوں نے بتایا کہ آرزو کی گتھی کہاں سے کُھلی ۔ اتفاق سے اسی روز ، جب مُلا اور ان کی بیوی نے باہم یہ باتیں کیں ، حضرت ایشاں تشریف لے آئے اور دروازے کی کنڈی کھڑکھڑائی ۔ مُلا بہت ہی اضطراب کی حالت میں ننگے پاؤں باہر دوڑے اور بڑے ہی صدق و عقیدت کے ساتھ حضرت کی پذیرائی کی ۔ حضرت ایشاں نے فرمایا : آج میں سبق پڑھوں یا نہ ؟ مُلا بولے : سبق کا محتاج تو میں ہوں ۔ میں آپ سے سبق پڑھوں گا اور ابدی دولت حاصل کروں گا ؟ آپ کو میرے سبق کی کیا ضرورت ہے ۔ اصفہانی کی کتاب کے جو اجزا حضرت کے ہاتھ میں تھے وہ مُلا موسیٰ کے آگے رکھ دیے اور اُٹھ کھڑے ہوئے ۔

بیت

ہر علم کہ درمدرسہ حاصل گردد کاری دگراست و عشق کاری دگرست

(جو بھی علم مدرسے میں حاصل کیا جاتا ہے وہ کچھ اور ہے ، اور عشق کا معاملہ کچھ اور ہے)

جب سید موسیٰ کی بوڑھی بیوی نے بیٹے کو جنم دیا تو حضرت نے اس کا نام عبدالرحیم رکھا ۔ اس عبدالرحیم کے دو وبیٹے ہوئے ۔ ایک سید محمد جو فوت ہوگیا اور دوسرا علی اصغر جو ابھی تک حیات ہے ۔

منقول ہے کہ ایران سے ملا باقر کا ایک نمایاں شاگرد میرزا کامران کی خدمت میں لاہور پہنچا اور عرض کیا کہ تمام دانشمندانِ زمان اس شہرت نشان آستان میں جمع ہوں اور میرے ساتھ مباحثے اور مجادلے کا سامان کر لیں ، تاکہ ہر فرد کی دانش و بینش کے جوہر کی پرکھ مقابلہ و مکالمہ کے معیار کے مطابق سامنے آئے ۔ چنانچہ پایۂ تخت کے دیگر علما کے علاوہ شیخ بایزید دیپالپوری کو بھی طلب کرنے کا فرمان صادر ہوا ، جن کے فاضلانہ کمالات کی شعاعیں شہر کے تمام علما اور دانشوران دہر کے ادراک کے پیش طاق (محل کا اونچا دروازہ) پر حوز (صحن) کی مانند پڑتی تھیں ۔ جب شیخ بایزید ، کامران میرزا کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے مُلا ولایتی (ایرانی مُلا) سے پوچھا کہ پہلے کون سا موضوع زیر بحث لانا چاہتے ہو ؟ اس نے کہا : اصول فقہ ۔ میرزا نے فرمایا : تمہیں چار روز کی مہلت ہے تاکہ دونوں اس علم سے متعلق مواد یاد کر کے حاضر ہوں ۔ شیخ بایزید جب گھر پہنچے تو انہوں نے حضرت ایشاں کو طلب کیا اور اپنا نسخہ اصفہانی ان کے حوالے کیا کہ مطالعہ کر کے ان (بایزید) کی جانب سے بحث مینحصہ لیں ۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ وہ (بایزید) حضرت کی تقریر دلپذیر کے عاشق و شیفتہ تھے ۔

حضرت نے مجبوراً مذکورہ کتاب لے لی اور باغ مہدی خان کے ایک گوشے میں اکیلے چلے گئے ۔ وہاں تمام دن مطالعہ میں مستغرق رہے ۔ نماز عصر کے وقت اچانک ایک شوریدہ مجذوب ان کے پاس سے گذرا ۔ حضرت کو یوں محو دیکھ کر وہ بولا : سبحان اللہ ! یہ جوان پیدا کس لیے کیا گیا ہے اور غفلت کی بنا پر یہ کس پیشے کو اختیار کر رہا ہے ۔ یہ کلمات سُنتے ہی ان کے باطن میں غیرت کا شعلہ بھڑک اٹھا اور تمام مطالعے اور فکر کا رگ و ریشہ تک جل گیا ۔ شام کے وقت وہ کتاب لے کر شیخ بایزید کے پاس پہنچے اور کتاب ان کے سامنے رکھ دی ۔ شیخ بولے : مباحثے کے مقدمات تو خوب تیار کر لیے

ہوں گے ؟ حضرت نے فرمایا : نہیں ، بلکہ اس سے پہلے جو کچھ ذہن میں تھا وہ بھی جاتا رہا ہے ۔ شیخ نے پوچھا : معاملہ کیا ہے ؟ جب وہ (شیخ) مذکورہ واقعے سے آگاہ ہوئے تو زار زار رونے لگے ۔

بیت :

سادہ شد لوح ضمیر از نقشِ یادِ دیگراں ... محو شد در یادِ او نسیانِ ما

(دوسروں کی یاد کے نقش سے باطن کی تختی صاف ہو گئی ... ایسے ایزد کہ اس کی یاد میں ہماری فراموشی محو ہو گئی)

منقول ہے کہ حضرت ایشاں کے ماموں محمد حاجی کا ایک بیٹا اسحاق تھا اور تین بیٹیاں تھیں ۔ ان دختران نیک اختر میں سے ایک شیخ عبدالرشید قریشی الہاشمی سے بیاہی گئی تھی ، دوسری سید رحمت اللہ سے اور تیسری حضرت سید ایشاں سے نامزد ہوئی تھی ۔ اس زمانے میں والدہ شریفہ اور سید رحمت اللہ نے شادی کے تمام لوازم و سامان از قسمے زیور و لباس بڑی خوشی خوشی اور کامرانی کے ساتھ تیار کیے اور ستگھرا روانہ ہونے کا اہتمام کیا ؛ لیکن چونکہ حضرت کی قدسی نژاد فطرت میں تجرد اور تفرد (ترکِ دنیا) کا جوہر خمیر کیا گیا تھا ، اس لیے شادی کی لذت و عیش کے آگے سر نہ جھکایا ۔ حضرت نے والدہ سے عرض کیا کہ میں اپنے کارِ خیر کے ترک ہی میں اپنی بھلائی جانتا ہوں ، آپ بلا وجہ دردِ سر مول نہ لیں اور مجھے اور خود کو پریشان خاطر نہ کریں ۔ والدہ شریفہ ، حضرت کی اس بات سے رنجیدہ ہوئیں اور انہوں نے انہیں اچھی خاصی ڈانٹ پلائی ۔ آخر کار حضرت کو لے کر ستگھرا پہنچیں اور شادی کر دی ۔ دلوں کو بدلنے والی اور معاملات کو مفید بنانے والی اس ذاتِ اقدس نے نکاح کے فوراً ہی بعد حضرت کے فیض نشان دل میں اس عفتِ مآب خاتون کی کچھ اس حد تک مہر و محبت ڈال دی کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) اور زلیخا کی محبت کے آخری مقام سے انہوں نے (اپنی محبت کا) آغاز کیا ۔ چنانچہ زندگی میں کئی مرتبہ ان کی حقائق پناہ زبان پر یہ الفاظ آئے کہ اگر یہ عارفہ میری ہم کلام (منکوحہ) نہ ہوتی تو میں اس ملک میں نہ ٹھہرتا بلکہ بغداد میں گوشہ نشین ہو گیا ہوتا ۔

منقول ہے کہ شبِ زفاف اسلاف کی مروجہ رسم کے مطابق حضرت کے تن نازک پر ایک نفیس اور گراں مایہ خلعت زور اور اصرار کے ساتھ پہنا دی گئی ۔ دوسرے دن

صبح حجلۂ عروسی سے نکلے تو صحرا کی راہ لی ۔ اتفاق سے وہاں ان کی نظر ایک صاحبِ جذبہ درویش پر پڑی جو سفید قمیض میں ملبوس گوشۂ صحرا میں چھپا بیٹھا تھا ۔ اُس سے فرمایا ، اے جوانمرد یہ لباس تم مجھے عطا کر دو ۔ اس نے کہا : تو نے اس قسم کی نئی خلعت پہن رکھی ہے تجھے اِس گندی گدڑی سے کیا ملے گا ؟ حضرت نے اپنی خلعت اتار کر درویش کو دے دی اور اس کا کرتا خود پہن لیا ۔ کسی نے کہا کہ رسم کے مطابق ایک ہفتہ تک نگہداشت کی جانی چاہیے ۔ حضرت نے فرمایا : رسم و اسم سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ۔

حضرت کے حُلیہ اور عادات و خصائل کا بیان :

راست بیان ناقلوں سے اِس بات کا پتا چلتا ہے کہ حضرت کا بدن چھریرا ، قد معتدل تھا اور اعضا متناسب ، رنگ گندمی اور گھنے ابرو تھے ۔ ریش مبارک کسی حد تک سرخی مائل تھی ۔ اور حضرت کے دیدار روح نثار ۴ کے انوار کی درخشانی میں ارباب دانش و شعور کی نگاہیں خیرہ و حیران ہو جاتیں ، گویا اس شعر کا مضمون ان پر صادق آتا تھا :

بیت :

صورتت می بینم و حیرانِ معنی می شوم تاچہ معنی لطیفی توکہ اینست صورتت

(میں تیری صورت دیکھتا ہوں اور حیرانِ معنی ہوتا ہوں ۔ تو کیسا معنیِ لطیف ۵ ہے جو تیری صورت ایسی ہے)

کمالِ حسنِ صورت کے ساتھ ساتھ حُسنِ صَوت (خوش الحانی) سے بھی ایسے آراستہ کہ تسبیح خوانی اور قرأتِ قرآن میں گویا داؤد ثانی تھے ۔ بلوغت کی درخشانی کے آغاز سے نفیس لباس زیبِ تن کرنے لگے تھے ۔ البتہ یوں سمجھو کہ نظر بد سے بچنے کے لیے بنفشہ رنگ کا ایک لباس ہمیشہ ساتھ رکھتے اور ایک پاپوش ۔ ہاں لنگی کو نیل میں ضرور ڈبو لیتے ۔ جس راہ سے حضرت گذرتے وہاں ان کے حسن و جمال کا نظارہ کرنے والے بہت سے مرد اور عورتیں ان کے خرامِ دل آرام کے جلوہ کے انتظار میں بیٹھے رہتے ، لیکن اس میمون نعمت طلعت ۶ کے نظارے کی دولت اور ہمایوں ضیافت ، شمایل کے نور سے آنکھوں کی پُتلی کو ذرا نہ ہلاتے اور دوسری جگہوں کی طرف قطعاً نہ دیکھتے ۔ ۸ ان کے ظاہری حسن و ملاحت کی آیات (نشانیوں) کی تفسیر اور جمالِ معنوی (باطنی) کے جوہر

ن پاکیزگی و صفائی کی تعبیر میں ہر کوئی گنگ اور حیران ہو جاتا (یعنی کوئی بھی ان کے ظاہری و باطنی حُسن کو صحیح طور پر بیان نہ کر سکتا) ۔ ہاں :

ورایِ حُسن بر روی تو چیزیست — کہ آن را کس نمی داند چہ نامست
(تیرے چہرے پر حُسن کے علاوہ کوئی اور چیز ہے کہ جس کا نام کسی کو بھی معلوم نہیں)

منقول ہے کہ عنفوان شباب اور عشرت و کامرانی کی بہار کے مسکرانے کے آغاز ہی میں کہ مبارک فال والی عمر کے سال ابھی ستائیس سے متجاوز نہ ہوئے تھے کہ گُلِ رخسار اور لالۂ آبدارِ عذار ۹ دگر گوں ہونا شروع ہو گئے تھے ۔ معمول میں تغیر و تبدل آنے لگا اور آلودگی سے پاک دل زمین کے زلزلے کی طرح شب و روز متزلزل ہونے (تیز دھڑکنے) لگا تھا ۔ حضرت سید رحمت اللہ چمنستانِ عرفان کے اس پودے کی زردی اور پژمردگی دیکھ دیکھ کر بہت ہی آزردہ اور پریشان ہوتے ۔ چنانچہ فرطِ محبت اور برادرانہ شفقت کے باعث انہوں نے اطبا سے رجوع کیا ۔ ہر کسی نے اپنی اپنی رائے کے مطابق علاج کیا ۔ ایک طبیب نے گھی کی طرف رغبت دلائی ۔ محض حضرت والدہ کی خاطر چند روز تک مجبوراً اس پر قائم رہے (گھی کھایا) ، لیکن چونکہ اس سے ان کے صفاے وقت میں خلل پڑتا تھا اس لیے اس سے ہاتھ اٹھا لیا (گھی کھانا بند کر دیا) ۔ حقیقتِ احوال کسی کو نہ بتاتے ۔

بیت :

دردی کہ ز دل خیزد درمان نتوان کردن — ورجان برود از تن افغان نتوان کردن
(جو درد دل سے اٹھتا ہے اس کا علاج ممکن نہیں اور اگر بدن سے جان بھی نکل جائے تو بھی فریاد نہیں کی جا سکتی)

اندیشۂ عاشق را درغمزۂ معشوقان — سرّیست کہ کشفِ آن باجان نتوان کردن
(عاشق کی سوچ کے لیے معشوقوں کے غمزہ میں ایک ایسا بھید ہے جسے جان کے ساتھ بھی ظاہر نہیں کیا جا سکتا)

اس زمانے میں رائے کہمن ۱۰ نام کا ایک ہندو سرآمدِ اطبا تھا ۔ میرزا کامران اور تمام عالی مرتبہ امرا اس کی طبابت اور حذاقت (مہارت) کے دل و جان سے معتقد تھے ۔ سید رحمت اللہ نے میرزا کامران کے رضاعی بھائیوں سے ، جو ان کے شاگرد تھے ، فرمایا کہ : معالجہ کے لیے کہمن سے رجوع کرنا چاہیے ۔ اس زمانے میں حکیمِ عصر (مُراد اپنے

وقت کی خاتونِ اول ، ملکہ ، کامران کی بیوی) سخت بیمار تھی ، اس لیے راے گھمن کو شاہی خیمے کی دہلیز سے باہر آنے کی اجازت نہ تھی ۔ مجبوراً حضرت کو پالکی میں اس کے پاس لے جایا گیا ۔ اس وقت حضرت کی عجیب حالت تھی ۔ کبھی کبھی تو ہوش میں آ جاتے اور اکثر اوقات حیرت و عبرت کے بھنور میں ڈوبے رہتے اور عزیزوں اور واقفوں کے ساتھ غیروں کا سا رویہ اختیار کرتے ۔ ان کی اس صورت حال سے سید رحمت اللہ بہت پریشان ہوتے ۔ راے گھمن نے انہیں دیکھا اور ان کی نبض دیکھ کر کہا کہ انہیں بلا سبب تکلیف نہ پہنچائیں کہ انہیں عشق کے سوا اور کوئی آزار نہیں ہے ، لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ عشق حقیقی ہے یا مجازی ۔ چنانچہ اُس دن سے دواؤں کی اذیت اور معالجے کی تکلیف سے انہیں نجات مل گئی اور سید رحمت اللہ کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ عالمِ بشریت صاحبانِ حُسن و صفاہی کے دم سے قائم ہے ۔ اب وہ پروانے کی مانند ان کی دل آرا شمع کے گرد پھرنے لگے ۔ ممکن ہے فیض منزل دل نے کائنات کے مظاہر میں سے کسی ایک کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا ہو ۔ جیسا کہ مولوی معنوی فرماتے ہیں :

بی دلان را دلبران خستہ بجان جملہ معشوقان شکار عاشقان
ہر کہ عاشق دیدیش معشوق دان کُو بہ نسبت ہست ہم این و ہم آن
میلِ معشوقان نہانست و ستیر میل عاشق با دو چند طبل و نفیر ۱۱

(معشوق ، عاشقوں پر دل سے عاشق ہوتے ہیں ۔ تمام معشوق عاشقوں کا شکار ہوتے ہیں ۔
جس کو تو عاشق دیکھے اُسے معشوق سمجھ ، کیونکہ تعلق کی بنا پر وہ یہ بھی ہے اور وہ بھی معشوقوں کا میلان پوشیدہ اور ستر میں یعنی مخفی ہے ، جب کہ عاشق کا میلان دو چند [یا دو صد] نقاروں اور نفیروں کے ساتھ ، یعنی بہت ہی واضح ہے ۔
سید رحمت اللہ نے اپنے ایک پاک اعتقاد دوست کے ساتھ خفیہ طور پر یہ راز کی بات کی کہ موقع پا کر حضرت ایشاں تک میرا پیغام پہنچا دے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے بیحد لطف و کرم سے ہر چیز ، جیسا کہ تجھے علم ہے ، شرافتِ نسب ، کمالاتِ حسب اور سامانِ دولت دلی خواہش کے مطابق میسر و موجود ہے ۔

بیت :

کز خدا آمدہ آیت رحمت برما ۱۲ (کذا)　　　　دان کدام آیتِ لطف است کہ درشانِ تونیست

(۰۰۰ خدا کی طرف سے ہم پر رحمت کی نشانی آئی ہے اور مہربانی کی وہ کون سی آیت [نشانی] ہے جو تیری شان میں نہیں ہے ۔)

اور یہ بات طے شدہ ہے کہ عشق مجاز کو بھی اطبانے مہلک امراض میں سے لکھا ہے اور اس کا علاج ، ان کے نزدیک ، معشوقہ کے وصال کے سوا کچھ نہیں ۔ تو مجھے اپنا محرمِ راز سمجھتے ہوئے اپنے دل کی بات سے آگاہ کر اور اپنی جانِ نازنین کو شرم و حیا کی کُٹھالی میں اِس سے زیادہ نہ پگھلا ۔ بے دھڑک بتا کہ تیرا محبوب کون ہے اور اسے کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے ، تا کہ میں اس کا چارہ کروں اور تیرے دل اور اپنی جان کو اس قید سے رہائی دلاؤں ۔ چنانچہ ایک رات موقع پا کر اس مُخلص نے لطافتِ کلام سے مذکورہ پیغام حضرت کو پہنچایا ۔ حضرت نے فرمایا کہ : مجھے نہ تو مظاہر سے کوئی محبت ہے اور نہ میرے اندر ہی کوئی بیماری ہے ۔ میرے تحیّر و تغیّر کا ظاہر جو بیماریوں کا وہم ڈال رہا اور کئی قسم کے اوہام کا باعث بن رہا ہے ، اس کا ایک ایسا عجیب سبب ہے جسے زبان پر نہیں لایا جا سکتا اور نہ کسی سے اس کا اظہار ہی کیا جانا چاہیے ۔ اس نے دوسری مرتبہ اسرار کے بارے میں استفسار کرتے ہوئے کہا : یا حضرت اصل مدعا اور حقیقت حال کے بارے میں کچھ تو بتائیے کہ جس سے دل جمعی حاصل ہو ۔ حضرت نے فرمایا : اگر تو سنجیدگی سے پوچھ رہا ہے تو (بات یہ ہے کہ) ایک مدت ہو چلی ہے کہ قضاوقدر کی طرف سے جو کچھ بھی عالم اور اہل عالم پر وارد ہو رہا ہے ، وہ سب کچھ میری نظر سے گذر رہا ہے اور حق تعالیٰ اس کے اچھے بُرے سے مجھے ہر لحظہ آگاہ کر رہا ہے ۔ تو جس کسی کو یہ تمام عجیب و غریب واقعات اور مصائب نظر آ رہے ہوں وہ کیونکر شاد و خرم رہ سکتا ہے اور اس کے وجود کے ارکان (ستون) کیونکر متزلزل نہ ہوں گے :

بدایع قدرت نظر کُنان روم از خود　　　　زمان زمان بخود آیم زمان زمان روم از خود(؟)

(قدرت کے عجائبات دیکھ کر میں از خود رفتہ ہو جاتا ہوں ۔ ہر ہر لمحہ میں اپنے آپ میں آتا اور ہر ہر پل از خود رفتہ ہوتا ہوں)

اِس حقیقت کے اظہار اور رازِ نہانی کی وضاحت نے سب کو متحیر و متعجب کر دیا ۔

مصرع :

کین نہ بحریست کہ پایان و کناری دارد

(کہ یہ ایسا سمندر نہیں ہے جس کا کوئی کنارہ اور انتہا ہو)

کہتے ہیں اسی زمانے میں بارش نہ ہونے کے باعث خطۂ لاہور میں قحط پڑ گیا ، جس کے نتیجے میں بہت سے انسانوں نے حیوانوں کی مانند گھاس اور درختوں کے پتوں سے پیٹ بھرنا شروع کیا ۔ اور جن لوگوں کو گھاس اور پتے میسر نہ آئے وہ اپنی انتہا بے مایگی کے سبب مردار کھانے پر مجبور ہوئے ۔ چند ہی دنوں میں وجود کے بیشمار قافلے زاد راہ نہ ہونے اور بے قوتی کی وجہ سے عالم عدم کو سدھار گئے (بیشمار انسان فاقوں کی بھینٹ چڑھ گئے)

نظم :

بر خورش تنگی آن چنان زد راہ   کادمی چون ستور خورد گیاہ

تنگ دل شد جہان از آن تنگی   یافت نان عزت از سبک سنگی

(خوراک پر تنگی نے کچھ اس طرح ڈاکا ڈالا کہ آدمی نے ڈھور ڈنگر کی طرح گھاس چَری ۔ اس تنگی کی وجہ سے دنیا تنگ دل ہوئی ۔ ہلکے وزن کے باوجود روٹی کو عزت ملی)

سید رحمت اللہ نے بصیر پور میں کچھ جنس اور نقدی رکھی ہوئی تھی ۔ اس شدید خشک سالی میں انہیں اس کی ضرورت پڑی کہ یہ چیزیں وہاں سے لے آئیں ۔ چنانچہ شیخ محمد یوسف (شوہر خوند بی بی) کو ساتھ لے گئے اور شاگردوں کو حضرت کے سپرد کر گئے ۔)

حضرت اس جماعت (شاگردوں) کی دل جوئی کی خاطر ہر روز گھنٹے دو گھنٹوں کے لیے مدرسے چلے جاتے اور اہل استعداد کو اپنے وحی پیام کلام کی بدولت تسلی و آرام سے نوازتے ۔ چند روز اسی طرح گذار دیے ۔ اتفاق سے ایک دن آدھی رات کے قریب خدائی ضرورت (؟) کے لیے اٹھے اور نماز تہجد میں مشغول تھے کہ تجلی ذات (خداوندی) کا ظہور ہوا جس نے حضرت کے وجود با جود ۱۳ کے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا اور "خرّ موسیٰ صعقا" ۱۴ کے اسرار کے انوار نے حلم و تحمل کے کوہ قاف کو غشی اور بیہوشی کی خاک پر گرا دیا ۔

نظم ۔ ۱۵

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند　　در دلِ ظلمت شب آب حیاتی دادند
بیخودی از اثرِ جلوۂ ذاتی او بود　　بادہ از جام تجلی بصفاتی دادند
خوش مبارک سحری آہ چہ فرخندہ شبی　　آن شب قدر کہ این تازہ براتی دادند

(کل صبح کے وقت قضا و قدر نے مجھے اندوہ سے نجات دلا دی ، اور رات کی اس تاریکی میں مجھے آب حیات دیا ۔
ذات ، مراد ذاتِ خداوندی ، کے پر تو کی درخشانی سے مجھے بے خود کر دیا اور تجلیِ صفات کے جام سے مجھے شراب پلائی گئی
وہ کیسی مبارک سحر تھی اور کیسی خجستہ رات تھی جس شب قدر میں مجھے یہ نئی سند دی گئی)

ایک پہر تک بیخودی کے بستر پر پڑے رہے ۔ پھر جب آنکھ کھلی تو ماہیِ بے آب کی طرح تڑپنے لگے ۔ آخر اٹھے اور نعرہ زناں کپڑے پھاڑتے ہوئے باہر نکل گئے اور جس کھیس پر لیٹے ہوئے تھے اسے کندھوں پر رکھ کر منڈی ۱۶ کے راستے سے حاح تاج (حاجی تاج؟) کے قبرستان سے ہوتے ہوئے صحرا کی طرف نکل گئے ۔ ترجمۂ عوارف میں ہے کہ مقاماتِ سلوک میں سالک پر جو پہلی تجلی وارد ہوتی ہے وہ تجلّی صفات ہوتی ہے ، اس کے بعد سالک پر تجلّیِ ذات وارد ہوتی ہے کیونکہ افعال ذات کی نسبت خلق سے زیادہ نزدیک ہیں اور تجلی افعال کے شہود کو محاضرہ کہتے ہیں ۔ جب کہ تجلّیِ صفات کو مکاشفہ (کا نام دیا گیا ہے) ۔ تجلّیِ ذات کے شہود کا مشاہدہ حالِ ارواح ہے؛ اور ذات کے مکاشفہ و شہود کا مشاہدہ کسی ایسے شخص کے لیے درست ہے جو مشہود کے وجود سے قائم ہو ، نہ خود سے ؛ کیونکہ متعدیوں (اپنی حد سے باہر نکلنے والوں) کو نور قدیم کی طاقت نہیں ہو سکتی ..
اس ترجمے میں تجلّیِ آثاری کا ذکر نہیں کیا گیا ۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل ذوق کو تجلّی آثاری ہوتی ہے جسے "مناظرہ" کہا جا سکتا ہے ، کیونکہ وہ حُسن و کمال جو مرکب اجسام میں نمودار ہوتا ہے اُس سے حضرت سبحانی (محبوب حقیقی) کا جاذبہ ، مخصوص صورت میں ، کسی کیف کے بغیر رونما ہوتا ہے ۔ اس کا تعلق آثار سے ہے افعال سے نہیں ، کیونکہ قوتِ حاسہ ، تجلّیِ افعالی کا ادراک نہیں کر سکتی ، جب کہ اس تجلی آثاری کا ادراک حِس سے ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ یہ تجلّیِ حال مزکّیِ صفات (صفات کو پاک و خالص کرنے والی) ہو ۔

القصہ ! اس شدید قحط میں میرزا کامران کے رضاعی بھائی ہر روز کھانے کا ایک تاب (بڑی سینی) حضرتِ ایشاں کی خدمت میں بھجوا دیتے جس سے تمام متعلقین سیر ہو کر کھاتے ۔ جو خدمتگار ہر روز کھانا لاتا تھا اُس نے کوکوں (رضاعی بھائیوں) کو خبر دی کہ آج رات اُن (داؤد) پر یہ حالت طاری ہوئی اور اسی وقت وہ لباس پھاڑ کر صحرا کی طرف نکل گئے ۔ یہ جان کر بلند مرتبہ خواتین نے واویلا شروع کر دیا ۔ کوئی بھی موجود نہ تھا جو حضرت کی خبر لاتا ۔ لہذا سبھی سوار ہو کر دروازے پر پہنچیں ۔ قرب و جوار کے لوگوں سے پوچھا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کس طرف نکل گئے ہیں ۔ کسی نے کوئی اتا پتا نہ دیا ۔ جب مذکورہ مدرسے کے نزدیک پہنچیں تو ایک شخص نے بتایا کہ میں رات کے پچھلے پہر حاجت کے لیے اٹھا تھا ۔ مجھے ایک غمناک نالہ سنائی دیا ۔ میں سمجھا کوئی ستم رسیدہ اور لُٹا پِٹا شخص آ رہا ہے ۔ میں قریب گیا تو دیکھا کہ (حضرت) روتے ہوئے منڈی کی طرف جا رہے تھے ۔ اگرچہ میں نے حال احوال پوچھا لیکن مجھے کوئی جواب نہ ملا ۔ اس پر چند سوار اِدھر اُدھر دوڑائے گئے اور خود بھی سارا دن شہر کے چکر کاٹے ، لیکن انہیں کچھ سراغ نہ ملا ۔

مذکورہ واقعہ سن کر سید رحمت اللہ اور یوسف بھی تیسرے دن بصیر پور سے گھر پہنچ گئے ۔ جب انہوں نے اس انوکھے واقعے کی حقیقت سُنی تو ہونٹوں پر پپڑیوں کے ساتھ اسی لمحے ننگے پاؤں باہر بھاگے ۔ دو دن تک ادھر ادھر (صحرا میں) اور دریا کے کنارے دیکھ ڈالے ۔ تیسرے دن اچھرہ (اچھرہ) کے نواح میں پوچھتے پاچھتے حضرت ایشاں (داؤد) تک جا پہنچے ۔ دیکھا کہ ان پر سُکر (محویت) کا سمندر محیط ہے (بے حد محویت طاری ہے) ۔ ہاتھ میں ڈنڈا تھامے اس ویرانے میں مستانہ وار ٹہل رہے تھے ۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر سید رحمت اللہ پر گریہ و زاری کا کچھ ایسا غلبہ ہوا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا ، اس لیے کہ محاسن و مکارم (خوبیوں اور بھلائیوں) کی کتاب کی اس فہرست (داؤد) کو جذبے کی حالت میں اس قسم کے جگر زخمی کرنے والے جنون نے ورق ورق کر دیا تھا (بُرا حال کر رکھا تھا) ۔ دو ۱۷ روز تک اسی دشت میں حیرت و حسرت کے ساتھ اس شیر بیشہ ۱۸ کے پیچھے پھرتے رہے ۔ لیکن ان کی عظمت کی دہشت کے باعث دم نہ مار سکے ۔ عصر کے وقت والدہ شریفہ کی زبان سے شفقت بھرا پیغام ان تک پہنچایا اور واپسی کی خاطر پورے آرام کے ساتھ گھر کی طرف روانہ کیا ۔ ایک خوش رفتار گھوڑی جو ان کے پاس تھی ، بڑی خوشامد

و عاجزی کے ساتھ لے کر بڑھے ، لیکن حضرت سوار نہ ہوئے ۔ عجیب و غریب حالت اور آشفتگی میں عشا کے وقت گھر پہنچے ۔ حضرت والدہ نے انہیں بغل میں لیا اور خوب روئیں ۔ اُس وقت یہی ایک بیٹی خدیجہ پیدا ہوئی تھی جب حضرت اس جذبہ و حالت سے دوچار ہوئے تھے ۔ چنانچہ خوند بی بی نے خدیجہ کو زبردستی حضرت کی گود میں بٹھا دیا ۔ اس حالت کے غلبے سے کسی قدر فراغت ملی ۔ والدہ شریفہ معمول کے مطابق لباس لے کر آئیں لیکن حضرت متوجہ نہ ہوئے ۔ بڑے ہی اصرار کے بعد دستار اور قمیض پہن لی ۔ احوال پُرسی کے دوران میں والدہ شریفہ نے پوچھا : بابا ! ان دنوں میں تمہیں نماز میسر آتی رہی ؟ فرمایا : ہاں ، نماز کے وقت میں پھر سے ہوش میں آ جاتا تھا ، چنانچہ فرائض کے ساتھ ساتھ سُنتیں بھی میسّر آ جاتی رہیں ۔ نماز ادا کرنے کے بعد حالت غلبہ کرتی تھی ۔ والدہ شریفہ بولیں ۔ اللہ کا شکر اور احسان ہے ، کیوں کہ اس معاملے میں میرے دل پر بڑا بوجھ تھا ۔ امید واثق ہے کہ عاقبت بخیر گذرے گی ۔ وہ اکثر اوقات نیک بیبیوں کو بلا کر انہیں کھانا اور پھل کھلاتیں اور ان سے بڑی عاجزی اور نیاز سے دعا کی درخواست کرتیں کہ میرے عزیز فرزند کو حالتِ جذب نے آ لیا ہے ، اب اس کا قدم صراطِ مستقیم سے نہ پھسلے اور وہ دین و ملت کی قدیم راہ کو اختیار کرے ۔ سبحان اللہ وبحمدہ (پاک ہے اللہ اور تعریف ہے اسی کے لیے) یہی کلمۂ جامع (مذکورہ عبارت) اس عارفہ کاملہ کی انتہائی دین داری کی ٹھوس اور قاطع دلیل اور بُرہانِ ساطع (روشن دلیل) ہے ۔

کشف المحجوب (حضرت علی ہجویری عرف داتا گنج بخش کی تصوف پر مشہور کتاب) میں ہے کہ "جمع" دو قسم کی ہے ۔ "جمع سلامت" اور "جمع تکسیر" ۔ "جمع سلامت" یہ ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ بندے میں ظاہر ہونے والے حال و وجد اور قلقِ شوق کے غلبے میں اس کا محافظ ہوتا ہے ۔ اپنا حکم اس کے ظاہر پر جاری کرتا اور فرمان و مجاہدہ کی ادائی کے لیے آراستہ کرتا ہے ، جیسا کہ سہیل عبداللہ تستری ، ابو حفظ حداد ، ابوالعباس سیاری ، ابو یزید بسطامی ، ابوبکر شبلی ، ابو حسن خضری اور بڑے بڑے مشائخ (اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو مقدس فرمائے) میں سے بعض حضرات ہمیشہ نماز کے وقت تک غلبے کی حالت میں رہتے ، نماز کے لیے آتے تو اپنے آپ میں آ جاتے اور جب نماز ادا کر چکتے تو پھر ان پر غلبہ طاری ہو جاتا ۔

"جمع تکسیر" یہ ہے کہ بندہ حکم الٰہ میں مغلوب ہوتا ہے (متن میں والہ ہے جس کے معنی حیران و سرگشتہ کے ہیں ۔ اس صورت میں ترجمہ ہو گا : بندہ سرگشتگی کی صورت میں مغلوب ہو جاتا ہے) اور اس کی کیفیت مجنونوں کی سی ہو جاتی ہے ۔ اس صورت میں ان دو میں سے ایک معذور ہوا اور ایک مشکور ۔ تو جو مشکور ہے اس کا معاملہ معذور کی نسبت زیادہ قوی ہے ۔ واللہ اعلم (اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے) ۔

منقول ہے کہ کچھ عرصے بعد (حضرت) بحرِ سُکر کی منجدھار سے نکل کر ساحل پر آ گئے (وہ محویت والی کیفیت دور ہو گئی) ، اور امرِ معروف اور نہیِ منکر کو دین اسلام کی اہم ترین بڑی باتیں سمجھ کر پوری کوشش کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہو گئے ۔ اس زمانے میں میرزا کامران کے اکثر امرائے کرام اور صدورِ عظام (بڑے بڑے سردار) حضرت کے معتقد ہو چکے تھے ۔ ان لوگوں نے یہ بات میرزا کامران تک پہنچائی اور اس طرح حضرت کی تقویت کے لیے ایک قوی فوجی میرزا کی طرف سے متعین کروا دیا ۔ چنانچہ اوامر و نواہی کے احکام کی تبلیغ اور بندگانِ خدا کی خیر خواہی کے کام انجام دینے کی خاطر تمام دن شہر میں پھرتے اور جہاں کہیں ڈھول ڈھمکا اور لہو و لعب کے اسباب نیز آلات سُکر (نشہ) دیکھتے اپنے ہاتھوں سے توڑ ڈالتے ۔ سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ پند و موعظت کا شربت جو اہل عالم کے ذائقے میں جان ہلاک کر دینے والے زہر کی مانند ہے ، (یعنی لوگ نصیحت کی باتوں کو بیحد ناگوار جانتے ہیں) حضرت کی برکت اور پُرتاثیر دم کی حلاوت سے اس زمانے کے لوگوں کی طبیعت کے حلقوں میں سُکر کے خواص پیدا کرنے لگا (ان کی نصیحتوں کا بیحد اثر ہوتا) چنانچہ جسے ایک مرتبہ بُرے کاموں سے منع فرماتے وہ پھر کبھی ان کاموں کے قریب نہ پھٹکتا ۔ احتساب کے معاملے کا غلبہ حضرت کی باطنی توجہ کی برکت سے اس حد تک پہنچ گیا کہ اربابِ جاہ و مرتبہ میں سے کوئی بھی رنگین چادر نہ پہن سکتا تھا ۔ عام افراد و طبقات کی تو بات ہی کیا ۔

ایک روز احتساب کی خاطر اپنے چند احباب کے ہمراہ شہر میں گھوم رہے تھے ۔ اچانک ایک مسجد کے قریب سے گذر ہوا ، جہاں اکابرین و اشراف کی ایک جماعت تعزیت کے سلسلے میں موجود تھی ۔ حضرت ایشاں بھی فاتحہ پڑھنے کے لیے اندر چلے گئے ۔ جب اُٹھنے لگے تو اسی اثنا میں ایک خُرد سال حافظ نے دلکش الحان اور فصیح زبان میں ایک آیت پڑھی جس کا مبنی برحق مضمون یہ تھا کہ اے محمدؐ میں نے تجھے اس لیے پیدا

نہیں کیا کہ تو ظاہری مشاغل میں عمر بسر کرے بلکہ ۱۹ اپنی معرفت و محبت کے لیے خلق کیا ہے ۔ یہ آیت سنتے ہی حضرت پر ایک عجیب و غریب حالت اور سرگشتگی طاری ہو گئی ۔ زور سے نعرہ لگایا ، اور لباس پھاڑ کر بے ہوشی اور بے شعوری کے عالم میں خاک پر لوٹنے لگے ۔ یہ خبر میرزا (کامران) کے امرا و وزرا تک پہنچی تو وہ دلگیر ہوئے ۔ شام کی نماز کے بعد حضرت نے سر اٹھایا اور صحرا کی طرف نکل گئے ۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ اس روز مجھ پر آسمان اور زمین کے سات طبق کھول دیے گئے تھے ۔

منقول ہے فرمایا کرتے تھے کہ ایک رات میں نے سید مبارک کو خواب میں دیکھا ، جنہوں نے میری انگلی پکڑ کر لفظِ "عشق" پر رکھی ۔ جب بیدار ہوا تو شدید درد اور حالت نے آ لیا ۔ لوگوں کی شکلیں اور شخصیتیں مجھے کچھ اس طرح دکھائی دیں جیسے ان کو چھیل کر مسلوخ کر دیا گیا یعنی اُن کی کھال ادھیڑ دی گئی ہو ۔ مجھے اس سے بڑی ہی کراہت ہوئی ۔ میں شیر اور مارخور کی کھالیں نیچے اوپر پہن کر صحرا کی طرف نکل گیا ۔ میں آدمیوں سے دور دور بھاگتا رہا ۔ اچھرہ کے صحرا میں مجھے ایک حجرہ دکھائی دیا جس میں شیخ کمال حالتِ اعتکاف میں تھے ۔ میں اندر داخل ہوا اور بیٹھ گیا ۔ اس روز مجھے چار منزلوں سے گذار دیا گیا ۔ مجھے حقیقی جذبہ میسر آیا ، (قضا و قدر نے) مجھ پر تجلی ذاتی اور بے شمار و لاتعداد واردات نازل کیں ، مجھے کون و مکاں سے آگے لے جایا اور نامتناہی (جس کی کوئی انتہا نہ ہو) عالم سے آگاہ کیا گیا جس میں ذاتِ حقیقی کے نور کے سوا کوئی اور چیز میری منظرِ شہود میں نہ رہی ۔

منقول ہے شیخ کمال کہا کرتے تھے : کوئی چالیس برس میں نے زہد و اتقا میں بسر کیے ۔ میں پیر کامل کی تلاش میں تھا ۔ تاآنکہ مجھے واقعہ (خواب) میں دکھایا گیا کہ تیرا پیر طریقت اِس حجرے میں آئے گا ، اس شکل و صورت میں تجھے دکھائی دے گا ۔ اس کی آنکھوں سے شعلہ نور نکلے گا جس سے تیرا حجرہ روشن ہو گا اور جو آسمان تک پہنچے گا ۔ میں مدتوں اس کا منتظر رہا ۔ میں نے چہرہ گردن میں کر لیا اور گردن کو سر کر لیا (غالباً مراد بہت زیادہ متوجہ یا متحیر ہونے سے ہے ۔)

بیت :

شبی کہ ماہِ دل افروزِ من بحجرہ در آمد — چنان نمود بچشم کہ آفتاب برآمد

(جس شب میرا دل افروز چاند حجرے میں آیا ، میری آنکھوں کو یوں لگا جیسے آفتاب طلوع ہو گیا ہے)

فرمانے لگے (یعنی شیخ داؤد) : شیخ ! کسی سے نہ کہنا یہاں کوئی ہے ۔ میں (شیخ کمال) حجرے سے باہر نکل کر دور جا بیٹھا اور دروازہ مضبوطی سے بند کر دیا ۔ یہاں تک کہ چاشت کے وقت سید رحمت اللہ اپنے دوستوں کی جماعت کے ساتھ روتے دھوتے پریشانی کے عالم میں اُدھر آ نکلے ۔ اگرچہ مجھے منع کیا گیا تھا لیکن جب میں نے سید رحمت اللہ کو بہت مضطرب دیکھا تو میں نے کہا کہ خاطر جمع رکھیں اور آرام کریں ۔ اور حضرتِ ایشاں اس روز حالت کے غلبے کے باوجود ، جس وقت بھی نماز کا موقع آتا ، فرض کے ساتھ سنتیں بھی ادا کرتے اور پھر ان پر وہی حالت طاری ہو جاتی ، یہاں تک کہ رات ہو گئی ۔ سید رحمت اللہ کو خدمت میں بلا کر رخصت کیا اور فرمایا : جو کچھ مجھے درکار تھا (خدا نے) اپنے کرم سے عنایت فرما دیا ۔ لازم ہے کہ میرے لیے رکاوٹ نہ بنیں اور اس قدر تنگ نہ کریں کہ میں اس ملک ہی سے بیزار ہو جاؤں ۔ سید رحمت اللہ اشک آلود آنکھوں اور آہوں سے پُر سینے کے ساتھ مجبوری کی حالت میں گھر چلے گئے ۔

حضرتِ ایشاں نے کچھ عرصہ تک شیخ کمال کے حجرے کو اپنے بے مثال جمال کے ساتھ نورِ حضور (موجودگی) سے مالا مال کیا ۔ ایک مرتبہ پھر ان پر غلبۂ حال ہوا اور حجرے سے نکل کر انہوں نے مولنہوال (موہلنوال) کے صحرا میں نزول اجلال فرمایا ۔ شیخ کمال حجرہ چھوڑ کر عید و افضال (بخششوں) کے اس ہلال کے پیچھے ہو لیے ۔ مدتِ مدید تک اس ضلع میں (حضرت نے) وقت بسر کیا ۔ صبح صحرا میں اور رات دریا کے کنارے مشغول رہتے ۔ اس جگہ جہاں اب حجرہ واقع ہے ، اس زمانے میں خاردار اور دوسرے جنگلی درخت کچھ اس حد تک بکثرت اور گھنے تھے کہ انسان اور حیوان بغیر کسی اذیت کے اور خطرہ مول لیے بغیر وہاں سے گذر نہیں سکتے تھے ، اور درندوں اور مختلف قسم کے جنگلی جانوروں کے خوف سے کوئی بھی اس جنگل کی طرف نہیں جاتا تھا ۔ اُن دنوں وہاں ایک بُتہ (بُدھ) ہندو تھا ، طریقۂ کیش (؟) کے نزدیک ، بڑا ہی مرتاض (ریاضت کرنے والا) اور ممتاز تھا ۔ وہ اس صحرا میں اکثر حضرتِ ایشاں کی صحبت کی طلب میں آ نکلتا اور حضرت سے تصوف اور توحید کے اصولوں سے متعلق کچھ پوچھتا ۔ حضرتِ ایشاں اُس

کے فہم و ادراک کے مطابق معارف و حقائق بیان فرماتے اور چونکہ وہ قیل و قال کے سلسلے کا محرک اور دریاے فیض بخش کو جوش میں لانے کا باعث بنتا تھا ، اس لیے حضرتِ ایشاں پر بھی ذوق طاری ہو جاتا ۔ جیساکہ مولوی معنوی فرماتے ہیں ؛

بیت :

گر سخن کش یابم اندر انجمن   چون گل صد برگ رویم در چمن
این سخن شیریست در پستان چنان   بی کشنده کی شود آنجا روان ۲۰

(اگر مجھے انجمن میں کوئی بغور سننے والا میسر آ جائے تو میں اس چمن سے لاکھوں پھول اُگا دوں [متن کے دوسرے مصرعے کا ترجمہ یوں ہو گا : تو میں چمن میں سینکڑوں پتیوں والے پھول کی مانند کِھل اُٹھوں]

یہ سخن جان کی چھاتیوں میں دودھ کی صورت ہے ۔ جب تک انھیں کھینچنے والا کوئی نہ ہو ۔ یہ یعنی دودھ اچھی طرح رواں نہ ہو گا)

منقول ہے کہ جب کبھی حضرتِ شاہ ۲۱ (؟) کا اس دشت سے گزر ہوتا تو وہ اس سرزمین کے حفظِ احترام کی خاطر ، کہ حضرتِ ایشاں کے مبارک قدم اس سے چھوئے ہوتے ، کیونکہ حضرت ہمیشہ ننگے پاؤں وہاں گھوما کرتے تھے ، پاؤں سے جوتے اتار لیتا :

کفِ پا بہر زمین کہ رسد (؟) نازنین را   بلب خیال بوسم ہم عمر آن زمین را

(اُس نازنین کے تلوے جس جس بھی زمین سے چھوئے ہیں میں اس زمین کو تمام عمر لبِ خیال سے چومتا رہوں گا) یہاں تک کہ چند ماہ بعد سید رحمت اللہ آئے اور والدہ شریفہ کی گریہ و زاری کا حال بیان کر کے بڑی مشکل سے حضرت کو گھر لے گئے ۔ حضرت کی خدمت میں آنے کی ابتدا ہی سے شیخ کمال کی عبادت و اشغال کا طریقہ یہ رہا کہ وہ وضو کر کے اور دست بستہ تمام شب حضرتِ ایشاں کی جانب قیام کیے رہتے (کھڑے رہتے) اور اگر کبھی کبھار بشر ہونے کے ناتے ایک لحظہ غفلت ہو جاتی یا سلسلہ ٹوٹ جاتا تو پھر سے طہارت (وضو وغیرہ) کر کے کھڑے ہو جاتے ۔

شیخ کمال بیان کرتے ہیں کہ ایک رات غفلت کے غلبے کے سبب میری آنکھ لگ گئی اور میں بے خبر ہوگیا ۔ اسی اثنا میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرتِ ایشاں جاذبۂ حالت میں اندر سے باہر آئے اور منڈی کے راستے سے نکل گئے ۔ اس وقت خراسان کے کچھ لوگ منڈی کے میدان میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے ۔ یہ لوگ جس کسی کو بھی رات کا ایک

پہر گذرنے کے بعد منڈی میں دیکھ لیتے اسی وقت اسے زنجیروں میں جکڑ دیتے اور چابک مارتے ۔ اتفاق سے حضرتِ ایشاں کا گذر انہی ستیزہ کار (جھگڑالو) فسادیوں کی طرف ہوا ۔ حضرت چوکیداروں کے درمیان سے آہ کناں اور نعرہ زناں گذر گئے ۔ میں (شیخ کمال) اس بہت بڑے ہجوم کی شرارت و خباشت کی وجہ سے بڑا ہی فکرمند اور پریشان تھا ، لیکن حضرت نے ان کی سانس کچھ اس طرح بند کر دی کہ ان میں سے کوئی بھی نہ پوچھ سکا کہ "تم کون ہو اور کیا کرتے ہو جو اس وقت باہر آئے ہوئے ہو" ۔ حضرت تیز تیز چلتے رہے اور میں پیچھے پیچھے دوڑ کر چل رہا تھا ۔ جس جگہ اب مسجد محمد ہریسہ واقع ہے وہاں ایک رہٹ تھا ۔ جب میں وہاں پہنچا تو میرے جی میں آئی کہ کاش اس وقت یہاں کوئی ہوتا اور رہٹ چلاتا تاکہ میں غسل کر لیتا ، کیونکہ پاکی کے بغیر ناپاکی کی حالت میں حضرت کی رفاقت افسوس کی بات ہے ۔ اس بات کے میرے جی میں آتے ہی حضرت نے رہٹ کی طرف دیکھ کر اسے انگلی سے چلنے کا اشارہ فرمایا اور وہ رہٹ چلنے لگا ۔

بیت :

حکمت بہر نہم ۲۲ کہ اشارت بدان کند چرخ سپہر ازبُن دندان ہمان کند

(۰۰۰ کہ اس طرف اشارہ کرے تو آسمان بھی بڑے عجز و انکسار کے ساتھ وہی کرے[؟])

رہٹ اس قدر چلا کہ دل غسل کرنے اور شلوار دھونے سے پوری طرح مطمئن ہو گیا ۔ پھر میں حضرت کے پیچھے بھاگا اور دریا کے کنارے پہنچ گیا ۔ حضرت کشتی اور ملاح کے بغیر دریا سے گذر کر دوسرے کنارے ذکرِ جلی میں مشغول ہو گئے اور میں اِسی کنارے حضرت کی طرف متوجہ دست بستہ کھڑا ہو گیا ، کیونکہ میرا وظیفہ و عبادت یہی تھا ۔

منقول ہے کہ ایک دن اکیلے باہر نکل گئے اور دریا سے گذر کر قریہ جہمنان (جھِمنان؟) سے متصل جنگل میں چُھپ گئے اور تین شب و روز تک اس جنگل میں مراقبے میں بیٹھے رہے ۔ کچھ لوگوں نے ، جو وہاں گھاس کاٹنے کی خاطر آیا کرتے ، اس علاقے کے سردار عبدالخالق کو اطلاع دی کہ تین دن ہو رہے ہیں اِس شکل و صورت کا بیٹھا ہوا ہے ۔ خدا معلوم شہر سے بھاگ کر آیا یا کس باعث چُھپا ہوا

ے عہدہ ، مراد سردار علاقہ) وہاں آیا تاکہ صورتِ حال معلوم کرے ۔

منقول ہے کہ ایک دن اکیلے باہر نکل گئے اور دریا سے گذر کر قریہ جہمنان

(جَمنان؟) سے متصل جنگل میں چُھپ گئے اور تین شب و روز تک اس جنگل میں مراقبے میں بیٹھے رہے ۔ کچھ لوگوں نے ، جو وہاں گھاس کاٹنے کی خاطر آیا کرتے ، اس علاقے کے سردار عبدالخالق کو اطلاع دی کہ تین دن ہو رہے ہیں اِس شکل و صورت کا ایک آدمی وہاں آکر بیٹھا ہوا ہے ۔ خدا معلوم شہر سے بھاگ کر آیا یا کس باعث چُھپا ہوا ہے ۔ وہ مقدّم (ایک عہدہ ، مراد سردار علاقہ) وہاں آیا تاکہ صورتِ حال معلوم کرے ۔ دور ہی سے اس نے ایک پُرنور چہرہ مراقبے میں دیکھا ۔ اس نے کسی کو دوڑایا کہ وہ جا کر ظرفِ (؟) لے آئے جب وہ لے آیا تو (وہ مقدم) آہستہ آہستہ ڈرتے کانپتے نزدیک گیا اور ظرف ان کے سامنے رکھا ۔ حضرت نے مراقبے سے سر اٹھایا اور فرمایا : تو کون ہے اور یہ کیا ہے ؟ اس نے عرض کیا کہ : میں اس گاؤں کا چوہدری ہوں اور یہ دہی نذر کے طور پر لایا ہوں ۔ یہ چوہدری دُور کھڑا مشتاقانہ انداز میں جمالِ باکمال کا نظارہ کرتا رہا ۔ حضرت نے اسے تین روز تک انتظار میں کھڑے دیکھا تو فرمایا ۔ آگے آ ، کیا کہنا چاہتا ہے ؟ عرض کیا : آپ کے وسیلے سے خدا سے اولاد کا خواہاں ہوں ، کہ میرے پاس زمین ہے لیکن بیٹا نہیں ہے ۔ حضرت نے فرمایا قند (مصری) لے آ۔ وہ بھاگا بھاگا گاؤں گیا اور کوئی ایک من ۲۳ کے قریب قند اٹھا لایا ۔ حضرت نے فرمایا : اس قدر کیوں لایا ہے ؟ دو تین ڈلیاں ہی کافی تھیں ، لیکن معلوم ہوتا ہے تو بلند ہمت کا مالک ہے اور فرزند کا طالب ۔ کیا تو مسکینوں کو ہمیشہ کھانا پہنچا سکتا ہے ؟ اس نے عرض کیا کہ حضرت کے حکم کے مطابق جتنا بھی مقدور ہے اس میں کمی نہ کروں گا ۔ حضرت نے مصری کی تین ڈلیاں ہاتھ میں لے کر ان پر دم کیا اور اس کے سپرد کر دیں کہ پاکیزہ برتن میں اور پاک جگہ پر رکھ ۔ ہر روز ان میں سے تھوڑی تھوڑی مصری اپنی بیوی کو کِھلا ۔ حق سبحانہ تعالیٰ و تقدس تجھے تین بیٹے عنایت کرے گا ۔ پہلے کا نام عبدالعزیز ، دوسرے کا شبلی اور تیسرے کا جنید رکھنا ۔ اپنی استطاعت و مقدور کے مطابق بھوکوں کو کھانا ضرور کھلانا ۔ حضرت ایشاں کی توجہ کی برکت سے عبدالخالق کو روٹی کھلانے کی اس حد تک توفیق میسر آئی کہ سارا سارا دن اس کا گھر طعام اور مہمان و مسکین سے بھرا رہتا ۔ یہاں تک کہ وہ مہدِ خاک میں ہمیشہ کی نیند سو گیا (مرتے مر گیا) لیکن کھانا کھلانے اور مہمان داری میں اس نے کمی نہ کی ۔

بیت :

کرامت جوانمردی ونان دہیست　　مقالات بیہودہ طبل تہیست

(کرامت و بزگواری تو جوانمردی اور روٹی دینے یعنی کھانا کھلانے کا نام ہے ۔ فضول باتیں تو اندر سے خالی ڈھول کی طرح ہیں)

چنانچہ جس طرح حضرتِ ایشاں نے اس کے حق میں دعا فرمائی تھی ، اس کے گھر تین بیٹے پیدا ہوئے ۔ تینوں قابل اور کارگزار ۔ ان میں سے ایک کو ، جو سب سے آخر میں وجود میں آیا اور جس کا نام شبلی تھا اس فقیر (مصنف مقاماتِ داؤدی) نے دیکھا ہے اور وہ تا حال ویسا ہی ہے ۔

منقول ہے کہ ایک روز غلبۂ حالت میں دریائے راوی سے گذر کر شہر میں چلے آئے ۔ چناب کے نواح میں رہنے والے کسی دیہاتی نے حضرت کے اس طرح دریا سے گذرنے اور جوتے کے تَر نہ ہونے کا منظر دیکھا تو وہ والہ وشیفتہ ہو کر سائے کی مانند اس آفتابِ عالم تاب کے پیچھے بھاگا ۔ اتفاق سے حضرت لُہاری (لوہاری) دروازے کے باہر واقع مسجد میں چلے گئے اور مسجد کی دیوار پر چڑھ کر بیٹھ گئے ۔ تین تُرک علما اس مسجد میں بیٹھے اپنے مقدماتِ علوم کے بارے میں باہم بات چیت کر رہے تھے ۔ ایک نے حضرت کو دیکھ کر کہا کہ : اِس ہندی کے سر میں کس قدر نخوت و تکبّر ہے ۔ دوسرے نے کہا کہ اس کی پیشانی اور چہرے کے حُسن سے پتا چلتا ہے کہ وہ نشاءِ دانش سے خالی نہیں ہے ۔ تیسرے نے کہا : اگر اس میں دانش ہوتی تو مسجد کی دیوار پر ہر گز نہ بیٹھتا ۔ اس گفتگو کے بعد انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ اس شخص سے کچھ پوچھنا چاہیے ۔ اگر وہ ہماری زبان سمجھ لیتا ہے تو اس کی دانش کی نقدی مل گئی اور اسے آسانی سے پرکھا جا سکتا ہے ۔ اِسی خیال سے وہ قدرتِ سُبحانی کے جنگل کے اُس شیر کے پاس آئے اور انہوں نے سلسلۂ گفتگو شروع کیا ۔ اَسرارِ پروردگار کے خزانے کے اس خزانچی نے گفتار کے دُرہائے آبدار اُن دیوسار (شیطان صفت) لوگوں پر نچھاور کرنے کو اچھا نہ جانتے ہوئے جواب میں حقائق و معارف کے یاقوت کی ڈبیا (مُنہ) نہ کھولی ، اور اسی دیہاتی کو اشارہ فرمایا کہ وہ ان سے سوال و جواب کرے ۔ خدا کی قدرت سے اس دہقان نے ترکستانی زبان میں کچھ اس طرح سخن رانی اور چرب زبانی دکھائی کہ ان مغروروں کے لیے عبرت و حیرانی کا موجب بنی ۔ ہاں :

منطقِ مرغانِ ایں بُستاں زبانِ دیگر است
(اِس باغ کے پرندوں کی گفتگو کی زبان اور ہے)

نہوں نے جو بھی مقدمۂ منطق (ابتدائی باتیں) اور سربستہ نکتہ ، آزمائش کے طور پر سامنے رکھا ، اس دیہاتی نے فصیح بیان اور واضح دلیل سے اس طرح واضح اور روشن و ثابت کر دیا کہ ان لوگوں نے اس معجزآسا تقریر کے عاشق و شیفتہ ہو کر حضرتِ ایشاں کے قدموں پر سر رکھ دیا اور وہ حضرت کے عالم تصرفِ علیہ کے والہ و مدہوش ہو گئے ۔ جب مخلوقِ خدا دائیں بائیں سے اس کارخانۂ پروردگا کی شمع کے گرد پروانے کی طرح گھومنے لگی اور ہجوم اور مزاحمت حد سے بڑھ گئی تو اس دیہاتی کو تلقینِ شغل فرما کر وطن روانہ کر دیا اور خود نظروں سے اوجھل ہو گئے ۔

بیت :

ای بگردِ شمعِ رویت عالمی پروانۂ وزلبِ شیرینِ تو شوریست در ہر خانۂ
(اے کے تیرے چہرے کی شمع کے گرد ایک دنیا پروانے کی مانند ہے اور تیرے شیریں لبوں کی وجہ سے ہر گھر میں شور ہے ، شور نمک کو بھی کہتے ہیں ، یہاں مراد ہنگامہ ، غلغلہ اور شہرت ہے)

تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ دہقان پھر ملتانی زبان کی طرف نہ آیا (ملتانی زبان میں پھر کبھی بات نہ کی) ۔ باقی عمر اس نے گھر میں اجنبیوں کی طرح بسر کی ، اس لیے کہ اس کے اہل خانہ میں سے کوئی بھی ترکی زبان نہ جانتا تھا ۔ سبحان اللہ والحمدہ ۔ اس قدرت و تصرف کے کیا کہنے کہ اس قسم کا دیہاتی (اَن پڑھ) نیم اشارے ہی سے فصاحت و بلاغت کے پائے تک پہنچ گیا اور ولایت (ایران و ترکستان وغیرہ) کے بلغا میں سے ہو گیا :

یارب چہ ظہورست ایں و چہ کمال است آں در پیکر انسان ایں تعبیہ ہم داری
(یا رب یہ کیسا ظہور اور وہ کیسا کمال ہے ؟ انسان کے پیکر میں یہ چیز بھی مخفی (یا آراستہ) ہے)

ایک روز ایک دوست نے جو اس واقعے سے آگاہ ہو چکا تھا ، حضرت لایزالی (جسے زوال نہ ہو) حضرت شاہ ابوالمعالیؒ سے پوچھا : اس سادہ لوح کو (حضرت نے) اس زبان میں بولنے کی توفیق کس طرح دلائی ؟ تصرف سے ؟ شاہ نے فرمایا کہ : ہاں ! ان کے قدرت و تصرف میں تو شبہ نہیں ہے ، لیکن یہ کہ اس کی زبان پھر اپنی بولی کی طرف

بالکل نہ مائل ہوئی تو اس میں تصرف و قدرت بیشتر اور کاملتر ہے ۔

تفسیر قضاست ارباب ۲۴ صاحبدل دیگر نشود ہر آنچہ ایشاں گویند
(صاحبدل کی زبان قضا و قدر کی تفسیر ہے ، جو کچھ وہ کہتے ہیں اس میں تغیر نہیں ہوتا)

منقول ہے کہ ایک رات خلوت کدہ میں مشغول بیٹھے ہوئے تھے کہ حالت کا غلبہ ہوگیا ۔ سخت غصے میں آئے ۲۵ اور لباس پھاڑ ڈالا ۔ باہر نکلنا چاہا ، لیکن حویلی کا دروازہ مقفل تھا ۔ دیوار پر چڑھ کر باہر کود گئے اور صحرا کی راہ لی ۔ موسم بہت گرم تھا ۔ پھر صحرائے ینجکرای (پنجگرا ؟) کی طرف نکل گئے ۔ خادم شیخ کمال دوڑتے ہوئے پیچھے ہو لیا ۔ اچانک حضرت کا گذر ایک خِرمن (کٹی ہوئی فصل کے ڈھیر) کے قریب سے ہوا ۔ خرمن کا نگہبان حضرت کے پاؤں کی چاپ سُن کر کھڑا ہوگیا ۔ اسے ایک آدمی تیز تیز چلتا نظر آیا جو اس کی طرف بڑھ رہا تھا ۔ اس نے سمجھا کوئی چور ہے ، فوراً تیر نکالا اور حضرت کے سینے پر چلا دیا اور بولا : ہیں ! میں نے تو تجھے مارا تھا ۔ حضرت نے فرمایا : بلکہ تجھے مارا گیا ۔ خدا کی قدرت سے وہی تیر حضرت پیر دستگیر سے لوٹ کر اس شخص کے سینے میں کچھ ایسا پیوست ہوا کہ آدھا اس کی پُشت سے باہر نکل گیا ۔

بیت :

ہر کید کہ بدخواہ براہِ تو نہاد نشتری گشت کہ جُز در جِگر او نخلید
(تیرے بدخواہ نے جو بھی مکر تیرے راستے میں پھیلایا وہ نشتر بن کر صرف اسی کے جگر میں اُتر گیا)

صبح کے وقت اس کے آدمیوں نے اسے اپنے ہی تیر و ترکش میں پرویا ہوا دیکھا تو انہوں نے جان لیا کہ خود کردہ کا علاج نہیں ہے ۔

نظم :

اے بُریدہ باد آن حلق و دہان کو کند تُف سوے ماہِ آسمان
تُف برویش باز گردد بی شکی تف سوی گردون ندارد مسلکی
ہر کہ بر شمعِ خدا آرد بفو .. شمع کی میرد بسوزد پور او

(وہ حلق اور دہان کٹ جائے جو آسمان کے چاند پر تھوکتا ہے
وہ تُھوک بے شک واپس اس کی ڈاڑھی پر آگرتا ہے کیونکہ آسمان کی طرف تُھوک کا راستہ

نہیں ہے
جو کوئی بھی شمعِ خدا پر انگلی رکھتا ہے اس سے شمع کب بجھتی ہے اس کی اپنی انگلی جل جاتی ہے)

تیسرا مقام

۱) عوام الناس کی فدا کاری
۲) یہاں ولایت سے مراد ایران ہے ۔
۳) مقاصد علم کلام سے متعلق ایک کتاب کا بھی نام ہے ۔
۴) جس پر روح نثار ہو
۵) مراد ہے پاکیزہ باطن والا
۶) مبارک نعمت والا چہرہ
۷) مبارک عادات و خصائل کی مہمانی
۸) یعنی نظریں انہی کی طرف جمائے رکھتے اور کسی اور کام کی طرف ان کی توجہ نہ ہوتی
۹) گالوں کے تروتازہ لالہ
۱۰) گُھمن (؟)
۱۱) پہلے دو شعر مثنوی رومی کے دوسرے دفتر سے ہیں جہاں تاجر اور طوطے کی داستان بیان ہوئی ہے ۔ پہلا مصرع اِس طرح ہے :
دلبران بر بید لان فتنہ بجان اور یہی صحیح ہے ۔ ملاحظہ ہو : کتاب مثنوی ۰۰۰۰ تہران ص ۴۷ ، مثنوی معنوی مطبوعہ لاہور دفتر اول ص ۱۹۶۔ تیسرا شعر مثنوی ہی کے تیسرے دفتر کے آخری حصے سے ہے جہاں "جذبِ معشوق عاشق رامن حیث ... الخ" کی بات ہوئی ہے ۔ کتاب مثنوی ص ۲۱۷ ، مثنوی معنوی دفتر سوم ص ۴۰۶ (دوسرے مصرعے میں چند کی بجائے "صد" ہے'
۱۲) شروع میں کوئی لفظ رہ گیا ہے
۱۳) جود : جیم پر زبر ہو تو بمعنی اچھا ، اچھی چیزیں : اگر جیم پر پیش ہو تو بمعنی بخشش و سخاوت
۱۴) قرآنی تلمیح جس میں حضرت موسیٰ سے طُور پر پیش آنے والے واقعے کی طرف اشارہ ہے ۔ ملاحظہ ہو سورۃ اعراف ، آیہ ۱۴۳
۱۵) یہ اشعار حافظ کی ایک مشہور غزل سے ماخوذ ہیں ۔ مصنف نے پہلے مصرعے میں قافیہ صحیح دیا ہے لیکن بعد کے اشعار میں جہاں قافیہ بدل دیا ہے وہاں اشعار میں بھی خاص تبدیلی کر دی ہے ۔ مستند مطبوعہ دیوان حافظ میں یہ تین اشعار اس طرح ہیں :

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند ‏ ‏ واندر آن ظلمتِ شب آب حیاتم دادند
بیخود از شعشۂ پرتو ذاتم کردند ‏ ‏ بادہ از جامِ تجلّیِ صفاتم دادند
چہ مبارک سحری بود وچہ فرخندہ شبی ‏ ‏ آن شب قدر کہ این تازہ براتم دادند
(مرتبہ محمد قزوینی و ڈکٹر قاسم غنی ۔ تہران ص ۱۲۴)

متن میں ترجمہ اِنہی اشعار کا دیا گیا ہے ۔

۱۶) متن میں نخاس ہے جس کے معنی غلاموں اور گھوڑوں وغیرہ کی منڈی ہے اور یہ مجازی معنوں میں ہے جب کہ اصل معنی بردہ فروش وغیرہ کے ہیں ۔

۱۷) متن میں "دیروز" ہے جس کا مطلب گذرا ہوا کل ہے اور یہاں اس کا کوئی محل نہیں ۔ قیاساً دو روز ۔

۱۸) جنگل کا شیر ۔ یہاں صرف شیر بیشہ مناسب نہیں ہے ۔ اس کے آگے کوئی اور لفظ بھی ہو گا مثلاً حیرت وغیرہ ۔ لیکن متن میں حیرت و حسرت کا موصوف رحمت اللہ ہیں ۔

۱۹) " تجھے .... بلکہ " تک کی عبارت متن کی بجائے حاشیے میں درج ہے ، غالباً کاتب سے یہ عبارت رہ گئی تھی بعد میں کسی نے موازنہ کر کے یہ اضافہ کر دیا ۔

۲۰) پہلا شعر مثنوی رومی کے چوتھے دفتر میں "آموختن پیشۂ گورکنی قابیل .... الخ" سے اور دوسرا شعر دفتر اول میں "در بیانِ آنکہ جنبیدن ہر کسی از آنجاست کہ وی است .... الخ" سے لیا گیا ہے ۔ دونوں شعر اس طرح ہیں :

گر سخن کش یابم اندر انجمن | صد ہزاران گل برویم زین چمن
این سخن شیراست در پستانِ جان | بی کشندہ خوش نمی گردد روان

(کتاب مثنوی ۔ تہران ص ۶۳،۳۵۶، مثنوی معنوی ۔ لاہور ، دفتر چہارم ص ۱۳۴ دفتر اول ص : ۲۵۶)
اوپر ترجمہ اِنہی اشعار کا دیا گیا ہے ۔

۲۱) غالباً بادشاہ (؟)

۲۲) یہ ٹکڑا کچھ بے معنی سا ہے ۔ ممکن ہے "انگشت اگر نہم" ہو کہ اس سے مطلب نکلتا ہے ، یعنی اگر میں انگلی رکھوں ۔

۲۳) غیاث اللغات میں "من" کے بارے میں ہے : اطبا کی اصطلاح میں من دو رطل کا ہوتا ہے ۔ ہندی من چالیس سیر کا اور سیر کا وزن ہر علاقے میں مختلف ہے ۔

۲۴) "ارباب" کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے ، یہاں "زبان" کا محل ہے ۔

۲۵) یہاں عبارت واضح نہیں ہے ۔

چوتھا مقام

غوثِ صمدانی کے نور کا ظہور اور حضرت مخدوم شیخ حامد گیلانی قدس اللہ سرّہ العزیز کی بیعت کا اشارہ اور ریاضات و عبادات کا کچھ حال

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ غلبۂ حالت اور بیحد سکر کے دوران میں ذاتِ پاک کے سوا کوئی دوسری چیز میری نظروں کے سامنے نہ ہوتی اور جو کچھ اس راہ کے آخر میں نمودار ہوتا ہے وہ (اس ذات نے) اپنے کرم سے، مجھے ابتدا ہی میں عنایت فرما دیا۔ حکم ہوا کہ مرشد پکڑ جو تیرے احوال پر نظر رکھے۔ میں نے کہا: مرشد تو اِس مرتبے کی حصول کے لیے پکڑا جاتا ہے، تو جب (یہ مرتبہ) میسّر ہے تو پھر اس (مرشد) کی کیا ضرورت ہے؟ پھر حکم ہوا: "مرتبہ تو حاصل ہوگیا لیکن اس دولت کی نگہداشت کے لیے مرشد بلا شبہ ضروری ہے"۔ اور سُکر کی وجہ سے میری (داؤد کی) یہ حالت کہ میں اس بات کی پروا ہی نہیں کر رہا۔ اِسی حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک عظیم الشان شخص سبز تاج پہنے میرے سر پر فضا میں گھوم رہا ہے۔ اس سے میں گھبرا سا گیا۔ میں نے توجہ ہی نہ کی۔ مجھ سے اس نے فرمایا کہ بائے بسم اللہ کی تفسیر سُنا۔ میں نے کہا کہ تمہارے سامنے میں کیوں کر جرأت کروں۔ فرمایا، "میں چاہتا ہوں کہ تیری زبان سے سُنوں"۔ سو جس قدر مجھ کو توفیق تھی (یعنی اپنی استعداد کے مطابق) میں نے بڑی بے نیازی سے بیان کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے ایسا کیا کہ مجھ سے ترک ادب نہ ہوا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا: مجھے "پیرِ کلاں" (بڑا پیر، بڑا مرشد) کہتے ہیں، اور تجھے میرے حوالے کیا گیا ہے۔ میں نے پھر استغنا سے کام لیا اور حضرت والدہ سے پوچھا کہ اس دور میں پیرِ کلاں کون بزرگوار ہیں۔؟ انہوں نے بتایا کہ ان کا نام شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی ہے، ملتانی زبان ۱ میں اس لقب سے مشہور و معروف ہیں۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ اور پھر ایک دن میں نے دیکھا کہ میں دریائے شور ۲ میں ہوں، اور اس کا پانی میرے زانو تک آ رہا ہے۔ اس میں سے میں نفیس گوہر دامن میں سمیٹ رہا ہوں لیکن وہ پھر دریا میں گر جاتے ہیں۔ میں پھر دامن میں سمیٹتا ہوں اور وہ پھر گر جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہی آدمی پھر مجھے نظر آتا ہے۔ وہ (صاحب)

فرماتے ہیں : اے درویش ! یہ جواہر بیچو گے ؟ میں کہتا ہوں : نہیں ۔ وہ کہتے ہیں : میں دیکھوں گا کہ تو کس طرح یہ گوہر سنبھال سکے گا ، کیونکہ یہ گوہر تو دامن میں رکھ بھی لے تو بھی مرشد پکڑے بغیر انہیں سنبھال نہ سکے گا ۔

قطعہ :

یوسفِ تو ہنوز در چاہ است　　کش نہ ہنگام افسر و جاہ است

مہر نادیدہ ماہ کی شود او　　بندہ نابودہ شاہ کی شود او

(تیرا یوسف ابھی کنوئیں میں ہی ہے کیونکہ ابھی اس کے تاج پہننے اور جاہ و مرتبہ کا وقت نہیں ہے
آفتاب دیکھے بغیر وہ چاند کیوں کر بن سکتا ہے ، غلام ہوئے بغیر وہ بادشاہ کیونکر ہو سکتا ہے)

منقول ہے کہ مدتِ مدید تک موہنوال کے دل کشا صحرا میں دریا کے کنارے کمال شورش اور سکر میں ننگے پاؤں گھومتے پھرتے اور لوگوں سے دور بھاگتے رہے ، جب کہ شیخ کمال ایک تیر ایک درانتی اور ایک رسی کمر سے باندھے پیچھے پیچھے دوڑتے ، اور اگر کبھی حضرت بے تاب اور بے ہوش ہو جاتے اور خاک پر لوٹنے لگتے اور تمازتِ آفتاب بڑھ جاتی تو شیخ کمال لکڑی اور گھاس لے کر رسی سے باندھتے اور پناہ لینے اور سایہ کرنے کا اہتمام کرتے ۔ پھر وقتِ فرصت آہستہ آہستہ پائے مبارک سے کانٹے نکالتے اور تھیلی میں ڈالتے جاتے ۔ چونکہ یہاں لوگوں کی کثرت اور مزاحمت سے ہر دم دل تنگ رہتے تھے اس لیے وہاں سے نکل کر سنگھرا کے صحرا میں بکھرا تالاب کے کنارے ٹھکانا کر لیا ۔ یہ (بکھرا) بڑا وسیع اور گہرا تالاب ہے ، جس میں بارش کا بہت سا پانی جمع ہو جاتا ہے اور اس کے گردا گرد بڑا ہی صاف ستھرا اور پاکیزہ دشت ہے ۔ چند روز اس جگہ (حضرت نے) آرام کیا ۔ جب حالت کا غلبہ ہوتا تو راتوں رات چند کوس چل کر واپس آ جاتے ۔ بڑے ہی لطیف ترکیب (جسم کی ساخت) اور نازک اندام تھے ۔ چنانچہ باطنی اور ظاہری مقامات و کمالات کے جامع ، استاذی (میرے استاد) و مولائی (میرے آقا) عبدالسلام دیپالپوری ، جو علما کے درزی تھے اور جنہوں نے فقر کی دولت خوب کمائی تھی ، بیان کرتے تھے کہ ایک موقع پر میں اپنے چچا شیخ برخوردار ملتانی اور بعض دیگر عزیزوں کے

ہمراہ دارالسلطنت کی طرف جا رہا تھا ۔ ہمارا پہلا پڑاؤ (حضرت کی) فیض پناہ خانقاہ میں ہوا ۔ حضرت نے مہمان نوازی کی رسم کے مطابق میرے چچا سے ملاقات کے لیے قدم رنجہ فرمایا ۔ اُس وقت میری عمر تیرہ برس سے زیادہ نہ تھی ۔ میں تو حضرت کے بے مثال جمال میں کھو گیا ۔ خاص طور پر (اُن کے) اٹھتے وقت اور جوتا پہنتے وقت میں نے نظریں پاؤں پر جما دیں۔ جو لطافت اور نزاکت میں نے حضرت کی ایڑی میں دیکھی ویسی کسی صاحبِ حُسن و جمال کے رُخساروں میں بھی اب تک نہیں دیکھی ۔ اس طرح کی لطافت ترکیب اور ایڑی کی نزاکت کے باوجود بعض راتوں میں ایسا اتفاق ہوتا کہ صبح تک چھ سات کوس کا فاصلہ طے کر کے شام کے وقت پھر بکھرا کے کنارے واپس تشریف لے آتے ۔ قرب و جوار کے اکثر لوگ اور اس علاقے کے رہنے والے حضرت کے دیدار اور گفتار کی آرزو میں جمع ہو جاتے ، لیکن حضرت اگر کبھی غلبۂ حالت سے فارغ ہوتے تو اپنے وحی پیام کلام سے ہر کسی کے سکون و راحت کا سامان فرماتے وگرنہ دور ہی سے بھاگ جاتے ۔

بیت :

ہر کجا شمعیست روشن میکشد ۳ (؟) از بہر عام　　شمعِ جان چون می شود روشن ز محفل می بَرَند

(جہاں کہیں شمع ہوتی ہے وہ ہر کسی کے لیے روشن کی جاتی ہے لیکن جب جان کی شمع روشن ہوتی ہے تو اسے محفل سے اٹھا لے جاتے ہیں)

منقول ہے کہ انہی دنوں قدوۃ العارفین (عارفوں کے پیشوا)، اُسوۃ الواصلین (ملنے والوں ، مراد وَلیوں کے امام) اور خاندانِ محبوب سبحانی کے خلاصہ (منتخب ، نچوڑ) کے کسی خادم نے حضرت (شیخ داؤد) کے بارے میں اپنے مخدوم کو بتایا ۔ حضرتِ مخدوم نے خفیہ طور پر ، کہ کوئی انہیں دیکھ نہ لے ، آکر حضرت کو دیکھا اور ان کی محبتِ الہیٰ کی حرارتِ جذب اور بے پناہ عشق کی شورش کے مشاہدے سے ان کی حالت کے بہت ہی مشتاق و محظوظ ہوئے ۔

منقول ہے کہ خاص و عام (لوگوں) کی مزاحمت اور بھیڑ حد سے بڑھ گئی تو یہ مقام بھی چھوڑ کر دیپالپور کی طرف تشریف لے گئے ۔ اسمعٰیل خان سوار ، جو ان دنوں دس ہزاری منصب پر فائز تھا اپنے ساتھ والے دوسرے امرا کی معیت میں حضرت کا معتقد ہو

گیا۔ ان امرا نے حضرت کی اتفاقیہ آمد کو غنیمت جانا، اور (حضرت) اسی راستے سے پٹن (پاک پٹن) کی طرف متوجہ ہوئے۔ ماہ رمضان کے مبارک ایام میں اسمٰعیل خان اور دوسرے منصب دار رخصت اور متابعت (پیروی و فرمان برداری) کی خاطر خدمت گزاروں کے بغیر، پیادہ ہی حضرت کے پیچھے چل دیے، اور چونکہ حضرت سوار نہیں ہو رہے تھے اس لیے وہ بھی مجبوراً دور تک پیدل ہی گئے اور رخصت ہو گئے۔ حضرت فرماتے تھے کہ جس روز میں پٹن میں داخل ہو رہا تھا میں نے ایک گڈریے کو دوسرے گڈریے سے کہتے سُنا تھا کہ آج تیرے یہ جانور اِس طرح آواز نکال رہے تھے اور اُس طرح سکون ہوا ہے (؟) کہ جیسے دو بادشاہ باہم مقابلہ کریں گے۔

جب میں پٹن آیا تو حضرت قطب العالم کے سجادہ نشین ابراہیم مجھے دیکھ کر بہت ہی والہ و شیفتہ ہوئے اور کہنے لگے کہ جب سے میں بابا کی گدی پر بیٹھا ہوں میں نے ایسا روشن درویش نہیں دیکھا۔ جب میں (داؤد) حضرت شیخ فریدالدین مسعود کے روضۂ منورہ میں داخل ہوا تو میرا حال و ذوق دگرگوں ہو گیا اور میں اس واقعے کے باعث تمام رات پیچ و تاب میں رہا اور کہتا رہا کہ: آپ (فرید) شیخ نہیں ہیں راہزن ہیں۔ میں تو خلوص سے آپ کا مہمان ہوا ہوں اور آپ ہیں کہ اس طرح مجھ سے پیش آئے ہیں۔ یہاں تک کہ صبح کے وقت وہاں سے، رنجیدہ ہو کر، چل پڑا۔ ابھی میں نزدیک ہی تھا کہ مولانا بدرالدین اسحاق کی روح نے آکر مجھ سے کہا: تم حضرت سے ناراض ہو کر نہ جاؤ، آشتی سے کام لو۔ ابھی حضرت شکر گنج تم سے عذر خواہی کے لیے خود آ رہے ہیں، ضرور لوٹ چلو۔ جب میں واپس مڑا تو میں نے دیکھا کہ شکر گنج اپنے تمام خلفا اور فرزندوں کے ساتھ آئے ہیں۔ انہوں نے میری پیشانی کو چوما، جس سے مجھ پر پھر وہی حال و ذوق طاری ہو گیا۔ انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے یہ کام حضرت غوث اعظم کے حکم پر کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ یہ جوانِ عزیز مجھ سے بے نیازی کا مظاہرہ کر رہا اور میری پروا نہیں کر رہا۔ اس بنا پر میں نے تم سے گستاخی کی، ورنہ میری مجال نہ تھی کہ میں تم سے اس طور پیش آتا۔ اب یہ ملک (علاقہ) حضرت غوث الثقلین کے حکم سے تمہارے تصرف میں آگیا ہے۔ اس شہر کے اکثر لوگ تمہارے ہاتھوں مرید ہو جائیں گے۔ میں (فرید) اپنے فرزندوں اور ان کے اوضاع (حالات) سے بہت ہی ہراساں تھا، اب مجھے امید ہو گئی ہے کہ تمہاری برکت سے وہ

بھی محفوظ ہو جائیں گے۔ دو روز کے بعد جمعیت کے ساتھ آکر مجھے (داؤد کو) انہوں نے رخصت کیا ۔ جیسے ہی میں ان سے جدا ہوا تو حضرت غوث الثقلین جلوہ گر ہو گئے ۔ فرمانے لگے : "بابا" تو کب تک مجھ سے بھاگے گا ۔ اب تو تیرا وجود میرے نام سے ہے"۔ اس دن کے بعد سے میں ان کی کتابِ اقدس قادریہ کی طرف متوجہ ہو گیا اور ان کی عنایات اِس حد تک میرے شاملِ حال ہو گئیں کہ اگر میری آنکھوں میں تنکا بھی پڑ جاتا تو اسی وقت حاضر ہو جاتے اور میرے احوال کا کچھ اس طرح دھیان رکھتے کہ وحی کی مانند انہیں میرے ایک ایک لمحے کی خبر ہوتی ۔

منقول ہے ایک مدت کے بعد ایک رات گھر آئے اور خواب گاہ کے حُجرے میں چلے گئے ۔ حضرت والدہ ، سید رحمت اللہ اور سبھی اہل پردہ کو غیر معمولی مسرت ہوئی ، لیکن کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ حجرے کے قریب پھٹک بھی سکے ۔ دہشت اور ہیبت ان پر کچھ اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ جیسے بپھرا ہوا شیر حجرے میں آگیا ہو ۔ جب رات کا کچھ حصہ خاموشی سے گذر گیا تو والدہ شریفہ نے حضرت کی زوجہ سے کہا کہ : خدیجہ کو گود میں لے کر حجرے کی کھڑکی کے نزدیک بیٹھ اور چراغ اپنے قریب رکھ لے ، ممکن ہے بیٹی کو دیکھ کر پدرانہ شفقت و رحمت اس کی آنکھوں میں آجائے اور وہ کچھ بات کر لے ۔ حضرت بی بی رافعہ نے اسی طرح کیا ۔ بیٹی کو گود میں لے کر حجرے کی کھڑکی کے متصل بیٹھ گئیں اور چراغ اپنے سامنے رکھ لیا ۔ کچھ دیر بعد جب حضرت کی نظر بی بی خدیجہ پر پڑی تو اندر سے آواز دی کہ بیٹی کو میرے پاس لے آؤ ۔ جب وہ لے گئیں تو اسے پکڑ کر سامنے بٹھا لیا اور فرمایا کہ : حضرت والدہ ، سید رحمت اللہ اور خوند بی بی کو بھی بلا لاؤ ۔ سبھی حاضر ہو گئے ۔ حضرت نے فرمایا کہ : میری شورش (آشفتگی) کی وجہ سے مضطرب اور آشفتہ نہ ہو کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے مجھ پر اس قدر عنایات مرحمت فرمائی ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں ۔ چنانچہ اپنی بے حد رحمت اور بے پایاں شفقت سے مجھے قطبِ ربانی ، غوثِ صمدانی محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی کے سپرد کر دیا اور اُن حضرت نے بڑی ہی مہربانی سے میری تربیت کی ذمے داری لے لی ۔ اِس سفر میں چند مرتبہ مجھ پر ظاہر ہوئے اور فرمایا کہ : خطۂ لاہور تیری رکابی میں ہے اور یہ کبھی تیرے تصرف سے نہ نکلے گا ۔ تو شہر سے باہر خانقاہ تعمیر کر اور مخلوقِ خدا کی وعظ و تلقین کی طرف توجہ کر ۔ مَیں منتظر ہوں کہ کب اختیار ملتا ہے ۔ پھر بڑی نوازش سے حکم فرمایا کہ جو

کچھ میری ملکیت ہے وہ تیرا ہے ۔ تمام روحانی متعلقین اور قالبی (جسمانی) و قلبی فرزند انتظار میں کھڑے رہ گئے جب یہ دولت میرے حوالے کر دی گئی ۔ حضرت شاہ ابوالمعالی نے اس شعر میں اسی نسبت اور خصوصیت کے بارے میں اظہار خیال فرمایا ہے ۔

بیت :

آن غوث دو جہان اوست کہ آن تو بود(؟)　　　　ہر چہ از خیل ہ ایاز آمدہ از محمود است

(اس دو جہان کے غوث کا جو کچھ ہے وہ تیرا ہے ۔ جو کچھ ایاز کے سواروں کا ہے وہ محمود کا ہے)

منقول ہے کہ جب حضرت ان کلمات سے سید رحمت اللہ اور والدہ شریفہ کی دلی تسلی فرما کر اندر چلے گئے ، تو والدہ شریفہ نے سید رحمت اللہ سے کہا : اِس کے بعد سے میرا حضرت کے بغیر اِس شہر میں رہنا امکان پذیر نظر نہیں آتا ۔ بہتر یہی ہے کہ ہم اپنے خاندان والوں سے جا ملیں اور کچھ عرصہ وہاں بسر کریں ۔ محمد حاجی فوت ہو گئے تھے ؛ تاہم حضرت خاتون کے بھتیجے محمد حاجی کے بیٹے شیخ اسحاق کے گھر آکر سکونت پذیر ہو گئیں ۔ محمد حاجی کی وفات کے بعد شیخ اسحاق سنگھرا کو خیرباد کہہ کر خاندان خسر سے قریب ہونے کی خاطر شیر گڑھ منتقل ہو گیا ، اس لیے کہ لعل خاتون عاجزہ کہ قاضی بیبہ (ہیبت) کی بہن تھی ، شیخ اسحاق کی منکوحہ تھی ، جب کہ شیخ اسحاق کی بہن نخ ملک ، شیخ عبدالرشید کی زوجہ تھی اور یہ شیخ عبدالرشید مذکورہ لعل خاتون کا بھائی تھا ۔

اس مرتبہ جب حضرت لاہور سے باہر نکلے تو چند چلّے کاٹنے کے بعد انہوں نے بغداد کا رُخ کیا ۔ خود فرماتے تھے کہ ابھی میں ملتان بھی نہ پہنچا تھا کہ شیخ بہاءالدین زکریا کی روح حاضر ہو گئی اور مجھ سے اس نے کہا : تمہاری نیت قبول ہو گئی ، لوٹ جاؤ ۔ میں نے کہا کہ تمہیں شاید یہ خیال ہوا ہے کہ میں تمہارا مُلک لے رہا ہوں ، تو مجھے ہرگز کسی ملک کی پروا نہیں ہے ۔ اس نے کہا : اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے تو یہ لو حضرت غوث الثقلین خود ہی آ رہے ہیں ۔ ابھی میں اِسی (سوچ) میں تھا کہ حضرت غوث اعظم ظاہر ہوئے ۔ انہوں نے فرمایا کہ : "بابا تیری نیت قبول ہو گئی ، ضرورت نہیں ہے کہ تو راستے اور منزلوں کی صعوبتیں اٹھائے ۔ میں ہر ساعت تیرے ساتھ ہوں اور حق تعالیٰ کے حکم سے میں نے باطن میں تیرا کام بنا دیا ہے اور ظاہر کی

خاطر بھی اگر تیری مرضی ہو تو یہیں ایک بیٹے مخدوم شیخ حامد گیلانی کی بیعت کر لے اور خرقہ اور مقراض (قینچی) لے لے"۔ چنانچہ میں اُسی وقت ملتان کے راستے سے لوٹتے ہوئے ستگھرا پہنچا اور حضرت قطبِ ربانی مخدوم شیخ حامد گیلانی قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت سے مشرف ہوا اور ان سے کہا کہ مجھے مرید بنا لیں اور مقراض اور خرقہ جلد دے دیں ۔ حضرت مخدوم نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا کہ : ہم تمہاری صحبت کے بہت ہی مشتاق تھے ۔ تھوڑی دیر آرام کر لو ، مضطرب کس لیے ہو ۔ پھر مزاح کے طور پر فرمایا : شاید میرے بھائی شیخ محمد کی تمہیں جستجو ہے ؟ ۔ حضرت (داؤد) نے کہا : میں تو غوث اعظم کے حکم سے آپ کے پاس آیا ہوں ، خود ہی نہیں کہہ رہا جو مجھے جستجو ہو ۔ حضرت مخدوم بہت ہی مسرور و شاداں ہوئے اور خود اُٹھ کر مقراض اور پیراہن لائے اور حضرت کو عنایت کر دیا ۔ مقراض چلاتے اور خرقہ پہناتے ہی عالمِ ملکوت میں غلغلہ برپا ہو گیا اور زمزمہ چھڑ گیا جو اس طرح سنائی دے رہا تھا "الداؤد قد وصل الی اللہ" (تحقیق داؤد خدا سے واصل ہو گیا) ۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس جوانِ عزیز کی آمد کا شکر ادا کرو جس کے وسیلے سے تمہاری قوت سامعہ بھی ندائے ملکوت سے آشنا ہو گئی ۔

بیت :

تا توانی ز درِ اہل صفا دور مباش   ہر کہ دور ۶ است ازین در بخدا نزدیکست

(جہاں تک ممکن ہو سکے اہل صفا کے دروازے سے دُور نہ ہو ۔ جو کوئی اس دروازے سے دور ہے وہ خدا کے نزدیک ہے)

منقول ہے کہ انہی دنوں حضرت نے اعتکاف میں بیٹھنا چاہا ۔ (اس کے لیے) پھر مولہنوال کے فرحت افزا صحرا کی طرف نکل گئے اور اس حجرے میں معتکف ہو گئے جو آج بھی تجدید شدہ وجود کے ساتھ اپنا قائم مقام ہے ۔ وہاں چند چلّے وصال کے روزے میں کاٹے ۔ اِس عرصے میں حضرت غوث صمدانی نے چند مرتبہ بڑی ہی عنایت و مہربانی سے فرمایا کہ دونوں جہانوں کی دولت تجھے عطا ہونے والی ہے ۔ اپنے لیے کوئی جگہ اور خانقاہ مقرر کر ۔ حضرت اُن دنوں بحرِ فنا میں غرق تھے اور اس بات پر قطعاً راضی نہ تھے کہ وحدت کی دولتِ معیشت سے اس تعلق و کثرت کی طرف لے جائیں اور لوگوں کی رشدوہدایت کی طرف متوجہ ہوں ۔ آخر کار جب خاطرِ عاطر اقدس (پاکیزہ اور خوشبو والے

دل) کی مرضی سنجیدگی سے اس طرف دیکھی تو مجبوراً اس پر راضی ہو گئے ۔ حضرت کو حکم ہوا کہ اگر یہ سرزمین تجھے پسند آئے تو پرچم بخت یہیں نصب کر لے ۔ (حضرت نے) عرض کیا : جہاں کہیں بھی حکم ہو (میں جانے کو تیار ہوں) ۔ ارشاد ہوا : اٹھ کہ کوئی دوسری جگہ اختیار کروں ۔ دُور ہی سے حضرت کے ہاتھ نے دستِ مبارک پکڑا اور دریائے راوی کے کنارے مغرب کی جانب چل پڑے ۔ راستے میں چند جگہ انہوں نے پوچھا : تجھے یہ جگہ پسند ہے ۔ حضرت وہی پہلے والا جواب دہرا دیتے ۔ اور جب اس سعادت فرجام (جس کا انجام نیک ہو) مقام پر پہنچے ، جہاں آج کل روضۂ مقدسہ واقع ہے ، تو کھڑے ہو گئے ۔ فرمایا کہ : تیرے لیے یہ مقام مبارک ہے کہ اس کے ایک طرف تو نشیب اور پانی کی روانی ہے اور اس کے دو اطراف صحرا اور جنگل کے رُخ ہیں ۔ اور زیادہ مُدت کی بات نہیں ، ہے کہ یہی ویرانہ معمور و پُرنور اور عام و خاص کی سجدہ گاہ ہو جائے گا ۔

بیت :

بزمین کہ نشانِ کفِ پای تو بود   سالہا سجدۂ صاحب نظران خواہد بود ۸

(جس زمین پر تیرے پاؤں کے نشان ہوں گے وہ برسوں صاحبانِ نظر ، مراد عُشاق ، کی سجدہ گاہ بنی رہے گی)

حضرت کے نزولِ اجلال ۹ اور فیض الوان (فیض کے رنگ رکھنے والے) لشکر کے کوچ سے قبل شیر خان افغان کی عمل داری میں میر چاکر بلوچ کے نوکروں کی ایک جماعت راہداری کے طور پر اس جگہ بیٹھا کرتی ۔ یہ لوگ ملتان سے آنے جانے والوں کی نگرانی کیا کرتے ۔ یہاں انہوں نے ایک کچی چاردیواری اپنے ٹھکانے کے گرد بنا رکھی تھی اور تھانے کی اس جگہ کا نام انہوں نے شیر گڑھ رکھا تھا ۔ اسی زمانے میں مذکورہ جماعت کے سردار پر کسی بلوچ خاتون سے تعلقات کی ''تہمت'' کا انکشاف ہوا ۔ بلوچ کے کچھ فوجی اسے قتل کرنے کے لیے روانہ ہوئے ۔ وہ (سردار) راہداری اور چاردیواری سے راتوں رات نکلا اور اپنے متعلقین کو لے کر دیپالپور پہنچا اور فتح جنگ خان کے یہاں طالبِ امان و پناہ ہوا کیوں کہ وہ بھی قریشی تھا ۔ اور اس زمانے میں چھاؤنی میں اعلیٰ مراتب اور بلند مناصب ، تمام افغانی امرا پر ناز کرتے تھے ۔ شیخ اسحاق ، شیخ رشید اور عبدالمجید اپنے چند دوسرے بھائیوں کے ہمراہ اُسی چاردیواری میں دل جمعی کے ساتھ

سکونت پذیر تھے ، اور سید رحمت اللہ نے اپنے اہل و عیال سمیت ، خالہ کی معیت کے باعث ، حضرت کے ورود سے پہلے اور اس مبارک صحبت کے ختم ہونے کے بعد سال سے بھی زیادہ عرصے سے اسی جگہ کو اپنا ٹھکانا بنا رکھا تھا ۔

منقول ہے کہ شیخ حمید ہاشمی واصلانِ حق میں سے تھے اور تمام خاندان والے ان سے ارادتمندانہ سلوک کرتے تھے ۔ جس روز حضرت (داؤد) نے غوث اعظم کے حکم پر یہاں نصیبے کا پرچم گاڑا اس روز نماز عصر کے وقت حضرت والدہ شریفہ کی خدمت میں تشریف لائے ، سر پر ایک ہلکی سی پگڑی باندھے ہوئے ، ایک موٹی سے گدڑی جسم پر اور نصف پنڈلی تک تہ بند ۔ قبیلہ قریش کی تمام مستورات حضرت کو دیکھنے کے لیے مُشتاقانہ آئیں اور پردے کے پیچھے کھڑی رہیں ۔ اس وقت بی بی خدیجہ چار برس کی ہو چکی تھی ۔ کسی نے اس سے کہا : باپ کے پاس جاؤ ۔ اس نے جواب میں کہا : میرے والد وہ ہیں جنہوں نے سر پر بڑی پگڑی باندھ رکھی اور بڑے گھوڑے پر سوار ہیں ۔ یعنی سید رحمت اللہ ۔ یہ فقیر میرا باپ کیوں کر ہو سکتا ہے ۔ حضرت بی بی رافعہ دو روٹیاں اور مچھلی کا ایک ٹکڑا مٹی کے برتن میں لائیں اور حضرت کے سامنے رکھ دیا ۔ کسی عورت نے ان سے کہا کہ : ایک مدت کے بعد میاں جی گھر آئے تھے ۔ کوئی اچھا کھانا ہی پکایا ہوتا اور پیش کرتیں ۔ حضرت بی بی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور بولیں : مجھے یہی میسر ہے ۔ حضرت نے فرمایا : بی بی تم دوسروں کی دولت و ثروت دیکھ کر تنگ دل نہ ہو ۔ تمہیں معلوم نہیں کہ یہ تمام دولتمند اور دنیا دار تمہارے سامنے بیعت کر کے اپنی حاجات لے کر آئیں گے اور تمہارے مرہونِ منت ہونگے ۔ قبیلۂ قریش کی مستورات نے جب یہ بات سُنی تو وہ کِھلکھلا کر ہنس پڑیں اور بولیں : آؤ دیکھو یہ شخص بلاشبہ دیوانہ ہے ۔ اسی اثنا میں شیخ عبدالمجید حجرے سے باہر آئے تو انہوں نے وہاں عورتوں کو کھڑے دیکھا ۔ وہ بولیں : سید رحمت اللہ کا چھوٹا بھائی ایک مدت کے بعد آیا ہے ۔ ہم نے پردے کے پیچھے سے اس کی زبان سے ایک بات سُنی ، جس کی وجہ سے ہم ہنس دیں اور ہم نے سمجھا کہ دیوانہ ہے ، اور اسی وجہ سے ویرانوں میں گھومتا ہے اور بیوی اور بچی سے اسے کوئی رغبت نہیں ۔ شیخ حمید(؟) نے پوچھا : تم نے اس سے کیا سُنا جو اس طرح سمجھ لیا ۔ وہ بولیں کہ : بدن پر تو اس کے صحیح لباس نہیں ہے جو خود کو ٹھیک سے ڈھانپ سکے اور ڈینگ مار رہا ہے کہ اس شہر کے تمام

اکابر اور اشراف اس کے دروازے پر سوال لے کر آئیں گے اور یہ علاقہ قیامت تک اس کے تصرف میں رہے گا ۔ شیخ حمید ۱۰ نے کہا : ادب کرو ، اور انہیں اس معاملے میں سچے اور صادق سمجھو ۔ اس وقت مجھے اشارہ ہوا ہے کہ یہ جو تو (شیخ حمید) نے پھولوں کے چند پودے یہاں لگا رکھے ہیں ، انہیں اٹھا اور دور کسی جگہ چلا جا ورنہ زندگی سے ہاتھ دھو ، کیونکہ یہ ملک اب ان کے تصرف میں آ چکا ہے اور کسی دوسرے درویش کے لیے جگہ نہیں رہی ۔ تمام عورتیں حیرانی کے عالم میں لوٹ گئیں اور چشمِ عبرت سے نگراں ہو گئیں ۔

بیت : ۱۰ الف

گرچہ ما بندگان پادشہیم   پادشاہانِ ملکِ صبح گہیم
گنج در آستین و کیسہ تہی   جام گیتی نما و خاکِ رہیم

(اگرچہ ہم بادشاہ کے غلام ہیں لیکن خود صبح کے وقت کے بادشاہ ہیں [حقیقت میں] خزانہ ہماری آستین میں ہے اور تھیلی خالی ہے ۔ ہم ہیں تو خاکِ راہ لیکن گیتی نما جام ہیں)

شام کے وقت شیخ حمید ۱۱ نے مسجد میں حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے اس قسم کا حکم ہوا ہے کہ یہاں سے پودے اکھیڑ لے اور کسی اور جگہ چلے جا یا پھر مر جا ، تو (میرے لیے) کیا حکم ہے ؟ حضرت نے فرمایا : جیساکہ تو نے دیکھا اور سُنا ، اب اختیار تیرے ہاتھ میں ہے ۔ شیخ حمید نے عرض کیا : مجھے یہاں اختیار نہیں ہے ۔ فرمایا : مبارک ہے ۔ تو مرتبۂ شہادت کو پہنچے گا ۔ اس کے بعد سے وہ (حمید) باہر جا کر بلندی پر (وظیفہ میں) مشغول رہنے لگا ۔ ایک روز اس بلندی کے نیچے کچھ لوگ گھاس کاٹنے پر لڑ پڑے ۔ غیب سے ایک تیر شیخ حمید کو آ کر لگا اور وہ شہید ہو گیا ۔

منقول ہے اسلام خان افغان کے عہد میں حضرت نے اس مقام پر آ کر ، دو جہاں کے غوث اعظم کے حکم پر ، رشدوہدایت کا پرچم بلند کیا ۔ یہاں کی حدود وغیرہ سے واقف لوگوں سے حضرت نے پوچھا کہ یہ مُلک کس کی سرزمین ہے ؟ عرض کیا گیا کہ : جنگل کی زمین کھیلریان کی جماعت کی ملکیت ہے اور نشیب کی زمین قوم دھولاں کے قبضے میں ہے ، دونوں گروہوں کے سرداروں سے اجازت لے کر حضرت نے خانقہ ، مسجد

اور کنوئیں کی تعمیر فرمائی اور عبادتِ خالق کے ساتھ ساتھ مخلوق کی تلقین (رشد و ہدایت) میں مشغول ہو گئے ۔ حضرت نے عنایت و مہربانی کی تراوش سے ہر اعلیٰ و ادنیٰ کی آرزوؤں اور خواہشوں کی کھیتی سرسبز و شاداب کر دی ۔

نظم :

سیر وجودش بلطافت رسید ۱۲ و در کمالش (؟) بنہایت رسید
کشورِ اخلاقِ الہیٰ گرفت مملکتِ نامتناہی گرفت
پر تو او بر زن و (بر) مرد تافت ہر کہ ازو ہر چہ طلب کرد یافت
آئینۂ شد کہ برو چشم کس چون نظر انداخت خدا دید و بس
بلکہ بنور از دل ۱۳ ظلمت زدای شاہد و مشہو درو جُز خدا

(اس کے وجود کی گردش لطافت کے مقام تک پہنچ گئی ۔ کمال میں وہ انتہا کو پہنچ گیا
اُس نے خدائی اخلاق کی مملکت فتح کی اور لاانتہا سلطنت پر قبضہ کیا
اُس کا پر تو زن و مرد پر چمکا ، جس کسی نے اس سے جو کچھ چاہا پا لیا
وہ ایک ایسا آئینہ بنا کہ جس کسی کی آنکھ نے اُس پر نظر ڈالی اسے بس خدا ہی دکھائی دیا
بلکہ نور سے وہ اس دل کی تاریکی مٹانے والا ہے ، جس میں خدا کے سوا اور کوئی شاہد و مشہود ہے)

یہاں تک کہ وہ ویرانہ چند ہی دنوں میں اِس دنیا کے لیے حسد کا اور پایۂ تخت کے لیے رشک کا مقام بن گیا ۔ اور غربا کو پناہ دینے والی اس خانقاہ نے کشور ہند میں بغداد کی رونق کی یاد تازہ کر دی ۔ چنانچہ حضرت شاہ ابوالمعالی نے اس ضمن میں اشعار کہے ہیں :

بیت :

چنین حضور توحد ۱۴ زروی عشق افتاد وگرنہ بین کہ کجا شیر گڑھ کجا بغداد

(عشق کے چہرے سے یکتائی کی موجودگی اس طرح ظاہر ہوئی ، وگرنہ دیکھ کہ کہاں شیر گڑھ اور کہاں بغداد)

منقول ہے کہ صوبہ پنجاب کے جِنوں کے بادشاہ نے ، جس کی افواج حد و حساب سے باہر تھیں ، اس جگہ سکونت اختیار کر رکھی تھی ۔ ظاہری طور پر نیچ اور چھوٹے لوگ

جن کے مَس یعنی آسیب سے مبہوت اور فاترالعقل ہو جاتے ہیں ۔ جنّوں کے بارے میں بھی یہ طے ہے کہ اگر کبھی کوئی جن کسی باعث کسی انسان کامل کے قریب سے گذر جائے تو پھر وہ اپنی قوم کے پاس گرتا پڑتا پہنچتا ہے اور وہ اُسے (انسان کامل کو) دور سے دیکھ کر کہتے ہیں "مَسۃ الانسان" (یعنی انسان کا آسیب)۔ اِسی بنا پر جنّوں کے بادشاہ نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک مدت سے یہ ویرانہ ہمارا ٹھکانا تھا ، اب ہم آپ کی خانقاہ کے صوفیوں کے ساتھ ایک جگہ نہیں رہ سکتے ۔ ہمارے لیے فاتحۂ رخصت پڑھنا چاہیے ۔ حضرت نے فرمایا : یہاں سے میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈال لو (جا رہو) لیکن اس شرط پر کہ علاقے کے لوگوں سے کوئی خباثت نہ کرو ۔ انہوں نے التماس کی کہ جہاں کا بھی حکم ہو ، اور جس امر پر بھی ہم مامور ہوں گے وہاں اور ویسے زندگی بسر کریں گے ۔ چنانچہ سلیم کوٹ کا ویرانہ اس (سردار) کے حوالے کر دیا گیا ۔

حضرت فرمایا کرتے کہ اِس وقت جہاں مسجد اور خانقاہ تعمیر ہوئی ہے ماضی میں وہاں بہت بڑا بت خانہ تھا ۔ یہاں دنیا بھر کے بت پرست پوجا کے لیے آیا کرتے اور ملک ہندوستان کے تمام کفار مخلوقات کی مانند ہجوم کر آتے ۔ واقعی غدار زمانے اور بوقلموں چرخ دوآر (رنگ برنگا گھومنے والے آسمان) کی شگرف کاری ۱۵ اس بات کی مقتضی ہوتی ہے کہ کبھی تو بت خانے میں کعبہ تعمیر کر دے اور کبھی بت خانے میں کعبہ آراستہ کر دے۔ ۱۶ حقیقت میں یہ خدا کی بے انتہا کبریائی ، بے پایاں استغنا اور لامحدود احاطہ ہے ۔

مصرعہ :

نہ زین سودست و نے زانش زیانست

(نہ اس سے اسے کوئی فائدہ ہے اور نہ اس سے کوئی نقصان)

منقول ہے بندگی شیخ کمال ، جو ابتدا سے انتہا تک ذوالجلال کے اِس برگزیدہ (داؤد) کے ہمدم اور محرم حال تھے ، بیان کرتے تھے کہ اکثر اوقات حضرت چھ ماہہ روزہ رکھا کرتے اور چالیس دن کے بعد جوساک (؟) کے بیج سے افطار کرتے ۔ بعض اوقات جب یہ بیج میسر نہ آتے تو اس صحرا میں ایک ہرنی آتی اور دودھ دے جاتی ، جس سے صرف تین گھونٹ نوش فرماتے ۔ جو اصحاب چالیس روز کے روزے میں اس قطب الاقطاب کی پیروی کرتے ، چند دنوں بعد بے تاب و بے طاقت ہو جاتے ۔ حضرت ان سے

فرماتے : ابھی تم میں ان تکالیف کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے ، اور ہمیں ایک ایسی قوت بخشی گئی ہے جس سے ہم یہ تمام بوجھ اور مشقتیں اٹھاتے ہیں ؛ جس طرح آگ کی چنگاری پہاڑوں کو اُڑا دیتی ہے مجھے بھی محبت کا ایک شرر عنایت ہوا ہے جس کی قوت سے میں یہ صعوبتیں برداشت کر لیتا ہوں ۔

اور یہ بھی شیخ کمال سے منقول ہے کہ جن دنوں روزۂ طی (بھوک کا روزہ) رکھتے ان دنوں اندر کی گرمی سے حضرت کے ہونٹوں پر چھالے پڑ جاتے اور آہ کے شعلے سے لبیں جل جاتیں ۔ ایک روز دریا کے کنارے بیٹھے تھے کہ اذخر نامی گھاس میں ، جسے ہندی میں کھوئی ۱۷ کہتے ہیں ، ایک آہ بھری جس سے پون بیگھے میں گھاس جل گئی ۔

منقول ہے ایک روز ستگھرا اور شیرگڑھ کے درمیان واقع صحرا میں اکیلے سیر کر رہے تھے ۔ اچانک سبز گھاس پر سے گذر ہوا ۔ ایک مخلص کو دیکھا جو دور سے آ رہا تھا ، اسے تاکید فرمائی کہ افشائے راز نہ کرنا۔ تاہم یہاں یہ بات لکھ دی گئی ۔

منقول ہے ایک مرتبہ اپنے گھر کی چھت پر ، جو آج بھی اسی صورت موجود ہے ، اعتکاف میں بیٹھے تھے ، اس مرتبہ خادمہ والدہ شیخ عبداللہ تھی جو نماز کے وقت پانی کا لوٹا بھر کر اندر رکھ آتی ۔ فرمایا: دعا میں مشغول ہو جاؤ کہ مشکل منزل درپیش ہے ، خدا تعالیٰ اپنے کرم سے آسان کرے ۔ اس وجہ سے تمام اہل خانہ اور قبیلۂ جمیلہ (مراد اچھے لوگ) پریشان تھے ۔ خاص طور پر سید رحمت اللہ تمام شب مناجات پڑھتے رہے اور انہوں نے فقرا کو صدقے بھی بہت دیے اور ان سے دعا کی التماس بھی کرتے رہے ۔ جب اعتکاف ختم ہوگیا تو ابھی افطار کا وقت نہیں ہوا تھا کہ حضرت کا ہاتھ سرد آفتابے (ٹھنڈے پانی کے لوٹے) میں پڑگیا ۔ (اسی وقت) عتاب ہوا کہ تو نے اس قدر لذت حاصل کر لی ۔ چلّہ پھر سے شروع کر، کیونکہ (یہ چلّہ) قبول نہیں ہوا ۔ چنانچہ پھر سے چلہ شروع کر دیا ۔ جب یہ چلّہ ختم ہوگیا تو حضرت بی بی فرماتی تھیں کہ میں غم و اندوہ کے باعث زمین پر بیٹھی تھی کہ میں نے دور سے ایک آدمی کو آتے دیکھا جس کے سر پر سبز مرصع تاج تھا ، جس کا قد لمبا اور رنگ گندمی تھا اور دونوں آنکھیں لال بدخشاں کی مانند تھیں ۔ میں نے جلدی سے آنکھیں ڈھانپ لیں ۔ مجھے ایسی چاپ سنائی دی جیسے وہ میرے سر سے گذر کر اندر چلا گیا ۔ ۱۸ میں اس وقت حجرے کے نزدیک تھی ۔ ایک گھنٹے کے بعد حضرت نے باآواز بلند پڑھنا شروع کر دیا اور خدیجہ کو بلوا بھیجا اور اس حالت سے انہیں

فراغت ہو گئی ۔ بی بی نے پوچھا کہ : وہ صاحب کون تھے ؟ فرمایا : حضرت پیر دستگیر اور حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس سے اور بارگاہ الٰہی سے آئے تھے ۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر مجھے ثابت قدمی عطا کی ، یہ منزل مجھ پر بہت ہی بھاری تھی لیکن انہوں نے اپنی عنایت و مہربانی سے آسان کر دی ۔ الحمد للّٰہ علیٰ ذالک (اس پر اللہ کے لیے تعریف ہے ۔ یعنی شکر ایزد) ۔ اس کے بعد میں نے اس حجرے میں تازہ نالیر (ناریل) (؟)، لونگ اور مصری کا ٹکڑا پڑا دیکھا ۔ میں نے پوچھا : یہ چیزیں کہاں سے آئیں ؟ حضرت نے فرمایا کہ دو آدمی جو زانو تک آتشِ تاباں (روشن آگ) تھے ، آکر بیٹھ گئے اور میں اس عتاب کے ڈر سے کہ میں نے کوزۂ سرد کو چھو لیا تھا ، ان کی طرف متوجہ نہ ہوا ۔ تاآنکہ مجھ پر پھر عتاب ہوا کہ میں نے تیری طرف (انہیں) بھیجا ہے ، تو توجہ کیوں نہیں کر رہا ؟ چنانچہ میں ان کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو ؟ انھوں نے جواب دیا : "ہم کوہ قاف سے نماز شام کے وقت کے قریب چلے تھے ، اب ہم ملازمت (خدمت) میں پہنچے ہیں" ۔ ابھی نمازِ شام کا وقت قضا نہ ہوا تھا ۔ پھر میں نے پوچھا : تم نے کوئی ولی دیکھا ؟ وہ باہم مسکرا دیے اور کہنے لگے : "ہم برسوں سے پیر کامل کی تلاش میں تھے ۔ اب ہمیں حکم ہوا کہ فلاں قطب محمدی ہے اس کے ہاتھ پر بیعتِ مریدی کر لو ۔" میں نے انہیں مرید کر لیا ۔ یہ لوگ جِنّ اولیا تھے اور یہ نالیر ، لونگ اور مصری وہ لوگ تھے ۔ ۱۹

منقول ہے فرمایا کرتے تھے کہ پہلی خانقاہ میں ، جو جنوب کی طرف تھی اور اب شکستہ و خستہ ہو چکی ہے ، مَیں مشغول وظیفہ تھا کہ ملائکہ آئے اور قدرتِ سبحانی سے انہوں نے میرا سینہ شق کیا ، میرا دل نکالا اور اس کے پردے دور کر کے اسے نور سے دھویا اور پھر اسے اصل جگہ پر رکھ دیا اور وہاں ہاتھ مَلا ۔ میں نے (بعد میں) وہ پردے شیخ کمال کے حوالے کر دیے کہ وہ انہیں دفن کر دے ۔

منقول ہے کہ حضرت نے برسوں اس امر کو پابندی سے نبھایا کہ صبح کی نماز ، خُفتن کے وضو سے پڑھتے اور ساری رات ایک ہی قیام میں بسر کر دیتے ، بعض راتیں ایک سجود میں اور بعض ایک ہی رکوع میں گذارتے ۔ اصحاب میں سے کسی نے عرض کیا کہ طویل راتیں آپ ایک ہی حالت میں کس طرح بسر کرتے ہیں ۔ حضرت نے فرمایا : رات

کن قدر اِس سے کمتر ہے کہ اس میں ایک قیام اور ایک رکوع دلی خواہش کے مطابق ادا کیا جا سکے ۔ کاشکے ازل کو ابد سے ملا دیں اور پھر اس سے طویل دامن رات بنائیں ۔ شاید اس میں دلی مراد کے مطابق قیام اور رکوع و سجود میسر آئے ۔

منقول ہے ایک روز سنگھرا تشریف لائے ۔ یہاں کثرتِ مزاحمت اور زیارت کے لیے آنے والوں کے ہجوم کے باعث دل تنگ ہو کر اللہ داد بلوچ کے باغ میں چلے گئے ۔ وہاں سمن کی جھاڑی کے نیچے ، جو اس کا خاص نشیمن تھا ، کچھ دیر آرام کیا ۔ اس پودے کے پتے اور شاخیں گول چتر کی صورت میں اور پھول اور شگوفے کان کے موتیوں کی طرح نظر میں مسلسل غیر موزوں دکھائی دے رہے تھے ۔ اس سلطان العاشقین کی آہِ آتشیں سے سبھی پھول اور شگوفے جل گئے ۔ دوسرے دن اللہ داد بلوچ باغ میں آیا ۔ اس نے پودے کی یہ حالت دیکھی تو مالی کو ڈانٹا کہ تو نے پودے کے نیچے آگ جلائی تھی ؟ اس نے عرض کیا کہ کسی نے آگ نہیں جلائی ، تاہم کل حضرت اس کے نیچے کچھ دیر کے لیے بیٹھے تھے ۔ ان کی آہ سے یہ جل گیا ہے ۔

منقول ہے موسم گرما میں ایک روز صحرا کی سیر کرتے ہوئے ایک گاؤں کے نزدیک پہنچے ۔ اس وقت روزۂ طی سے تھے ۔ ایک ندی (نالی) تربوز کے کھیت کے کنوئیں سے جاری تھی ۔ لیکن اب پانی چلنے سے بند ہو چکا تھا جس کی وجہ سے وہ نالی سرد اور مرطوب ہو چکی تھی ۔ سخت گرمی کی وجہ سے حضرت اس میں پہلو کے بل لیٹ گئے ۔ پھر کبھی اس کروٹ اور کبھی اس کروٹ لیٹتے اور کچھ اس طرح دست و پا مارتے کہ شیخ کمال کو گمان گذرا کہ ان پر جان کندنی کا عالم ہے ۔ لیکن جب نماز شام کا وقت آیا تو پورے نشاط اور شوقِ لاکلام (جس میں کوئی کلام نہ ہو، یقینی) کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ۔

شیخ کمال نے خداے ذوالجلال کا شکر ادا کیا اور حضرت سے عرض کی کہ آج حضرت کے تڑپنے اور ہاتھ پاؤں مارنے سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ روح جدا ہو رہی ہے ، جس کی وجہ سے مجھ پر گریہ طاری ہو گیا ۔ حضرت نے فرمایا : شہودِ حق میں میری روح کو ایک عجیب عروج میسر آیا اور میرے اس مشاہدے پر بے منتہا دولت کا دروازہ کھولا گیا کہ اس سے پہلے اس جیسی دولت (اقبال) کبھی میسر نہ آئی تھی ۔ تعجب ہے کہ تمہیں اس قسم کا تصور ہوا ۔

بیت :

خاکِ من آمیختۂ رنجہا ست   برسرِ آن خاک بسی گنجہاست

(میری خاک دُکھوں کا آمیزہ ہے ۔ اس خاک پر بہت سے خزانے ہیں)

قطعہ :

بنازم آن مژۂ شوخ عافیت کش را   کہ موج می زندش آب از سر ۲۰ نیش(؟)

خیال حوصلۂ بحر می برم ہیہات   چہاست درسرِ این قطرۂ محال اندیش

(میں اس شوخ اور عافیت کو ختم کر دینے والی مژہ پر فخر کرتا ہوں کہ پانی اس کے نیش [؟] کے سر سے موج مار رہا ہے ۔ میں سمندر کے حوصلے کا خیال دل میں لاتا ہوں ۔ افسوس کہ اس محال اندیش قطرے کے سر میں کیا کیا کچھ ہے)

منقول ہے شیخ کمال کہتے تھے کہ ایک روز میں حجرے کے دروازے پر بیٹھا تھا ۔ جب میں نے ملاحظہ کیا تو دیکھا کہ حجرے کا دروازہ بند تھا ۔ میں صحرا کی طرف گیا ، بہت تلاش کیا لیکن حضرت کو کہیں بھی نہ پایا ۔ جب میں مدرسہ جینون ۲۱ پہنچا جو صحرا میں ایک گبند (کی صورت) ہے تو میں نے دیکھا کہ اس کے دروازے پر ایک شیر بیٹھا ہے ۔ میں نے سمجھ لیا کہ حضرت یہاں ہوں گے ۔ میں نے اندر جانا چاہا تو شیر ایک طرف ہو گیا ۔ میں اندر چلا گیا ۔ وہاں میں نے دیکھا کہ حضرت شیر اور مارخور کی کھال میں ہیں اور حضرت کا ہر ہر عضو علیحدہ اور ہر ہر بند الگ پڑا ہے ۔ میں باہر نکل آیا اور انتظار میں بیٹھ گیا ۔ تاآنکہ نماز کے وقت باہر آئے اور نماز ادا کی ۔

منقول ہے کسی عزیز کی رہائی کی خاطر ، محض خدا کے لیے ، دیپالپور تشریف لے گئے ۔ وہاں کے حکام نے ان کی حاملِ فیض تشریف آوری کو بہت زیادہ غنیمت جانا اور خلوص کا اظہار کیا اور جان و دل سے قید خانے کے مرہونِ منت ہوئے (نہ وہ عزیز قید ہوتا نہ حضرت انھیں چھڑانے جاتے اور اس طرح حکام دیدار سے محروم رہتے ۔

ای باد صبا این ہمہ آوردۂ تست

(اے باد صبا یہ سب تیرا ہی لایا ہوا یعنی کیا دھرا ہے)

بہت بڑے عالم شیخ برخودار ملتانی نے ، جو حضرت کی بہت ہی عنایت اور مہربانی سے مخصوص تھے (ان پر خاص مہربانی تھی) حضرت سے پوچھا : یا حضرت تعجب ہے اس وقت بھی شریعت کی پیروی اور حفظ ظاہر آپ سے ترک نہیں ہوا ۔ فرمایا : جب تک

میں ہر ساعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہزار مرتبہ درود نہ بھیج لوں ، میرے دل کو اطمینان میسر نہیں آتا اور منصور وغیرہ پر جو غلبۂ حالت ہوا تھا اس کا مجھ پر بھی غلبہ ہوا لیکن ان دنوں میں صحرا میں بسر کر رہا تھا ۔ اور اس درود کی پابندی کی برکت سے مجھے یہ توفیق حاصل ہوئی کہ میں نے افشائے راز اور اظہار اَسرار نہ کیا ۔

منقول ہے جب میں ۲۲ صحرا میں معتکف ہوا تو روزۂ طی سے تھے ۔ بندگی شیخ کمال نے چند لکڑیوں اور کچھ گھاس پھونس اور تنکوں سے حضرت کی پناہ کے لیے چھپڑ سا بنا دیا اور خود باہر منتظرِ خدمت رہنے لگے ۔ ایک روز اس جھونپڑی میں سے مکالمے اور مباحثے کی آواز شیخ کے کانوں میں پہنچی ۔ وہم کا شکار ہو کر شیخ نے کھڑکی میں سے جھانکا تو نظر آیا کہ دست مبارک میں کچھ تنکے پکڑے ہوئے دہن نفس میں رکھ رہے اور فرما رہے ہیں : یہ غذا حاضر ہے ۔ لے کھا لے ۔ شیخ کمال پر ، اس حالت کے مشاہدے سے گریہ طاری ہو گیا ۔ اس حالت سے فراغ کے بعد جب نماز کے وقت شیخ چھپڑ کے حجرے میں گیا تو اس سلسلے میں حضرت سے پوچھا ۔ فرمایا کہ : آج بے حد نقاہت اور انتہائی بے طاقتی کے باعث نفس مجھ سے الجھنے لگا تھا کہ کھانے کو کچھ دے ۔ بلا شبہ میں عاجز و مضطر ہو گیا ہوں ۔ ان روزوں کی وجہ سے مجھ میں طاقت فاقہ نہیں ہے ۔ (اس وقت) میں نے اس کے ہاتھ میں تنکے تھما دیے کہ یہ حاضر ہے ، کھا لے ۔ اس نے ذرا سا چبایا جس سے اس کی آتشِ حرص کا شعلہ بجھ گیا ۔

منقول ہے جن دنوں معرفتِ الٰہی کا یہ خزانہ (داؤد) ویرانے میں بسر کر رہا تھا تو روزۂ طی کے افطار کے وقت بندگی شیخ کمال جوساک کے بیج مہیا کرتے ۔ ان میں سے ایک مُٹھی پانی سے پھانک لیتے اور اگر کبھی یہ بیج مہیا نہ ہوتے تو ایک ہرنی ۲۳ آ جاتی اور دودھ دے جاتی ۔ حضرت اور شیخ کمال اس دودھ سے افطار کرتے ۔ ایک روز ہرنی کے تھنوں سے دودھ پینے کے دوران میں ، غذا کی عدم حصولی کے باعث ، شیخ کمال کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ یہ ہرنی موٹی تازی ہے اس کا گوشت بہت لذیذ ہو گا ۔ اس کے بعد سے ہرنی کا آنا اور دودھ پلانا منقطع ہو گیا ۔ ایک دن شیخ کمال نے عرض کیا : ہرنی کی آمد کے یوں منقطع ہونے کا کیا سبب ہو سکتا ہے ؟ حضرت نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا : جب تک تیرا نفس اسے محبت و شفقت سے دیکھتا رہا گا ہے بگاہے آ جاتی رہی ۔ جب تو نے قصائی کی طرح اسے دیکھا وہ بھاگ لی اور ڈر گئی ۔

بیت :

چون طمع آمد ہنر پوشیدہ شد　　صد حجاب از دل بسوی دیدہ شد ۲۴

(جب طمع پیدا ہوتی ہے تو خوبی چُھپ جاتی ہے ۔ دل کی طرف سے سیکڑوں پردے آنکھوں کی طرف بڑھتے ہیں)

منقول ہے جب لوگوں کی مزاحمت اور ازدحام کے سے ویرانے کی طرف چلے گئے تو چند اصحاب کے ساتھ صحرا کے ایک گوشے میں ، جس کے چاروں طرف درخت تھے اور وسط میں ایک خوبصورت میدان تھا اور مصفّا زمین تھی ، بیٹھ گئے ۔ تین شب و روز تک یاروں کو کھانے کے لیے کچھ بھی نہ ملا ۔ چاندنی رات بہت ہی روشنی بکھیر رہی تھی اور حضرت دوستوں سے کچھ دور جا کر تنہا مشغول (وظیفہ) تھے ۔ تہجد کے وقت شیخ عبدالوہاب نے شیخ بہاءالدین سندھی سے ، جو حقائق و معارف کی بزم میں رند کے طور پر معروف تھے ، کہا کہ: چاندنی کی عجیب روشنی ہے ۔ شیخ بہاءالدین بولے : ہاں ، ہے ، لیکن چونکہ تین دن ہو چلے ہیں ، معدہ خوراک سے خالی ہے اس لیے مجھے تو ذرا بھی بھلی نہیں لگ رہی ۔ اگر کھانے کو بھی میسر آگیا ہوتا تو اس وقت عجیب معلوم ہوتی ۔ حضرت نورِ باطن سے ان کلمات سے آگاہ ہو کر اپنی جگہ سے اٹھے اور تبسم کرتے ہوئے حلقۂ احباب میں آئے اور فرمایا : عزیزوں میں کیا بات چل رہی تھی ؟ اسے بالکل انہی الفاظ میں بیان کرنا چاہیے ۔ شیخ عبدالوہاب نے شیخ بہاء الدین کی طرف دیکھا ۔ جب انہیں کوئی چارہ نظر نہ آیا تو مجبوراً وہ بات دہرانے لگے ۔ حضرت بہت ہنسے اور ان کی سادہ لوحی کو پسند کیا ۔ پھر اپنے فیض کے حامل کلام سے احباب کے لیے سکون و آرام کا سامان کیا ۔ ابھی اس بات کو چند پل ہی گذرے تھے کہ ایک شخص روٹیوں کا خوان ، کھیر سے پُر دیگ اور پسی ہوئی مصری لے کر حاضر ہوا ۔ حضرت نے فرمایا : بہاءالدین کے سامنے رکھ دو تا کہ وہ چاندنی کے نظارے کی قوت بہم پہنچا سکے ۔ بعد میں وہ ایک اور خوان لایا جس میں روٹیوں کے ساتھ حلوا تھا ۔ فرمایا ۔ اسے بھی چاندنی کے مشاہدہ کا مد و معاون کرنا چاہیے ۔ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو کوئی اور شخص گوشت کی دیگ اور روٹیاں لے آیا ۔ فرمایا : بہاءالدین ابھی چاندنی کے نظارے کا وقت باقی ہے ۔ دن کے چار پہر وہاں بیٹھے رہے ۔ اس دوران میں اس صحرا میں کچھ اس قدر نقد و جنس اور کھانوں کی بارش ہوئی (یعنی لوگ لائے) کہ اس کے احاطے اور

ہیں یعنی سنبھالنے سے عاجز آ گئے اور یہ فراوانی حد و انتہا سے گذر گئی ۔ حضرت اُٹھے اور فرمایا : ہم دوستوں کے لیے اس سے بہتر چیز خدا سے مانگتے ہیں ۔ اگر وہ حاصل ہو جائے تو یہ سب کچھ اس کے آگے ہیچ و نابود ہے :

ذرۂ درد خدا در دل ترا　　بہتر از ہر دو جہان حاصل ترا
کفر کافر را و دین دیندار را　　ذرۂ از درد دل عطار ۲۵ را

(تیرے دل میں عشق خدا کا ذرۃ تیرے لیے دونوں جہانوں سے بہتر حاصل ہے ۔ کافر کو کفر مبارک ، اور دیندار کو اس کا دین ، دل عطار کو تو ذرا سا درد دل [عطا ہو جائے تو اس کے لیے وہی سب کچھ ہے]

منقول ہے جب فتح جنگ خان قریشی نے افغانوں کی حکومت میں دہ (۱۰) ہزاری منصب کی بلندی کا پرچم بلند کیا اور سرکار دیپالپور (دیپالپور کی حکومت) کو اپنی تنخواہ کا ذریعہ بنا رکھا تھا ، (اُن دنوں) وہ حضرت کی زیارت کا ہمیشہ آرزو مند رہا ، لیکن وقت کی سعادت مساعدت نہیں کر رہی تھی ، اس لیے کہ اس زمانے میں حضرت دنیاداروں اور متکبروں سے متنفر اور گریزاں تھے اور اکثر صحرا اور ویرانوں میں بسر کرتے تھے ۔ ایک روز فتح جنگ خاں کے جاسوسوں کا گذر اسلام پور منورہ (منورہ بمعنی روشن، احترام کے طور پر استعمال کیا گیا) کے صحرا میں سے ہوا ؛ حضرت کا زیادہ تر گذر ان دنوں اس پاکیزہ نشان جگہ سے ہوا کرتا تھا ۔ انہوں نے دیکھا کہ خان مذکور حضرت کی رفاقت میں تھا اور حضرت اس پر شفقت فرما رہے ہیں ۔ اس نے خدمت میں عرض کیا کہ یا حضرت ہم برے ملوگ ہیں جو حضرت مجھ سے گریزاں ہیں ۔ حضرت نے فرمایا : نہیں ، لیکن اگر کوئی نماز میں ہو تو اس وقت اگر پیغمبر بھی آ جائے تو اس کی طرف متوجہ ہونا ممنوع ہے، تمہاری تو حیثیت ہی کیا ہے ۔ فقیروں کا ایک وقت ہوتا ہے جس میں این و آں کی طرف توجہ نہیں ہو پاتی اگرچہ وہ نیک ہی ہو ۔ اس سے اسے بہت اطمینان حاصل ہوا ۔

منقول ہے کہ ایک روز شیخ حامد قدس اللہ سرۃ العزیز ایک مدت کے بعد اُچ سے، حضرت مخدوم کی خدمت میں ستگھرا تشریف لائے ۔ حضرت روانہ ہو گئے ۔ ۲۶ اور عین گرمیوں میں سارا دن صبح سے آخر تک حضرت نے نظریں سورج پر جمائے رکھیں اور بالکل نہ ہٹائیں ۔ جس طرف سے آفتاب گذرتا حضرت اسی طرف دوڑتے جاتے اور

(راستے میں آنے والی) شاخوں ، گھاس اور پودوں کو ہاتھوں سے توڑتے اور پھینکتے چلے جاتے ، لوگ دور دور بھاگ جاتے ۔ راستے آنے جانے والوں سے پُر تھے ۔ کوئی بھی ان کے نزدیک نہ آتا ۔ جب آفتاب غروب ہو گیا تو اس حالت سے فراغت ہو گئی اور ستگھرا چلے آئے ۔ دوسرے دن خواجہ محمود دیپال پوری چند طالبین کے ساتھ حضرت کے لیے دیپالپور سے ایک عمدہ آئینہ لایا ۔٢٧ جب اسے پتا چلا تو اسی سخت گرمی میں ستگھرا کی طرف بھاگا ۔ آدھے راستے میں گرمی کے باعث اسے اور اس کے ساتھیوں کو شدید پیاس لگی ، اور پانی نہیں تھا ۔ سبھی عاجز ہو کر رہ گئے اور موت کی راہ دیکھنے لگے ۔ جب بے طاقت ہو کر زمین پر گر پڑے تو شیخ محمود نے حضرت کی طرف توجہ کی ، اُسی وقت ایک نیلی پوش شتر سوار ٹھنڈے پانی کی مشک لیے ظاہر ہوا ۔ اس نے سارا ماجرا پوچھا اور پھر سب کی پیاس پوری طرح بجھا کر غائب ہو گیا ۔ جب یہ لوگ ستگھرا پہنچے تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آئینہ حضرت مخدوم کو بھجوا دیا ۔ حضرت نے شیخ محمود سے فرمایا ۔ تم کرم کے وقت آ گئے ، پانی خوب وقت پر پہنچا ۔

منقول ہے ایک روز چہاردیواری پر ، جو حضرت کا خاص نشیمن اور سعادت کی حامل نشست کا محل (جگہ) تھا ، بیٹھ کر بارِ عام دیا (عام ملاقات کی اجازت دی) اور لوگوں کے آنے جانے کا راستہ کھول دیا ۔ دائیں بائیں ہر علاقے سے بے شمار مخلوق جمع ہو گئی اور بے حد و شمار مرید ہر طرف سے قطاریں باندھے حضرت کے فیض آثار دیدار کے لیے ہمہ تن چشم بنے ہوئے تھے اور نقد و جنس کی صورت میں حضرت کے سامنے نذروں کے انبار لگا رہے تھے ۔ اسی اثنا میں حضرت کے دماغ میں یہ بات اتاری گئی کہ تو اس دُنیا کی دولت اور فانی مال کی طرف متوجہ و مشغول ہو کر شیفتہ و مغرور ہو گیا اور ذات پاک کے مشاہدے سے محروم رہ گیا ہے ۔ (اسی وقت) جوش میں آ گئے اور بہت ہی مضطرب ہوئے ۔ حجام کو بلوایا اور آدھا سر منڈوا دیا ۔ پھر فرمایا شہر کے لڑکوں کو جمع کرو تاکہ وہ میری اس حالت کا مذاق اڑائیں اور تذلیل کا ایسا سامان کریں کہ کسی دیوانے کے ساتھ بھی ایسا نہ کیا گیا ہو گا ، شاید اس طرح غفلت کی پلیدی کا کفارہ ادا اور رعونت کے وبال کا تدارک ہو سکے ۔

قطعہ :

خود را بی آنکہ خوار و عاجز یابی   مقصود محال است کہ ہرگز یابی

چون عزت بندگانِ او در خواریست گر خوار شوی در رہ او عزت ۲۸ یابی

(جب تک تو اپنے آپ کو خوار و عاجز نہیں پائے گا ، مقصود کا حصول محال ہے کہ کبھی ہو۔ چونکہ اس کے بندوں کی عزت ، خواری ہی میں ہے اس لیے اگر اس کی راہ میں تو خوار ہو تو عزت پائے گا)

اسی موضوع کے بارے میں مولوی معنوی ۲۹ فرماتے ہیں :

ای من و ما بہر آن بر ساختی تاتو با خود نقد خدمت باختی

نقد بود آنجا ہم چیزی ولیک بندگی حضرت ہمی بایست نیک

لاجرم در قالب آدم دمید بندگی را در خداوندی کشید

شور در بازار عالم اوفگند جملۂ آفاق درہم اوفگند

صد جہان بُد برخداوندی و زور از جہان بندگی برخاست شور

حضرت کے حسب حکم چند لڑکے بالے جمع کیے گئے جنہیں حضرت نے تاکیداً فرمایا کہ کہو "اوہ منین بھیڈر چھر بندا" (؟) ۔

لیکن مشہور مثل :

بلند کردۂ او را جہان نسازد پست عزیز کردۂ او را فلک ندارد خوار

(جسے اس ذات نے بلند کیا ہو ، دنیا اسے پست نہیں کر سکتی ۔ جسے اس نے عزت دی ہے فلک اسے خوار نہیں کر سکتا) کے مطابق لڑکوں کی زبانوں سے کوئی حرف اور کوئی آواز نہ نکلی ۔ دنیا والے حیرت و عبرت کے گرداب میں سرگرداں ہوئے کہ عزوتمکین کے تکیے کے اس صدرنشین اور حق و یقین کی بارگاہ کے اس مسند آرا کو کیا حالت درپیش آئی جو اس قسم کی تذلیل و تحقیر کو اپنے لیے روا جانا ۔ حضرت نے سر سے دستار اور بدن سے قمیض اتار کر دور پھینکی اور صحرا کی طرف نکل گئے اور اصحاب میں سے کسی کو ہمت، نہ پڑ سکی کہ پیچھے جائیں ، سب حیران و پریشاں اور گریاں کھڑے رہ گئے ۔ تین روز تک آسمان عرفان کے اس آفتاب کا کہیں بھی کوئی نشان نہ ملا ۔ چوتھے روز برخوردار اور عبدالصمد تنبولی (پنواڑی) کہ حضرت کے فدوی مرید تھے ، آغا ۳۰ کی اجازت سے حضرت، کی زیارت کی خاطر اور اپنے عزیزوں اور فرزندوں سے ملنے کے لیے اپنے آپ لاہور سے، شیر گڑھ پہنچے ۔ جب انہوں نے خانقاہ عالی کو لازوال جمال کے جلوۂ دیدار سے خالی پایا تو تلاش میں صحرا کی طرف دوڑے ۔ سارا دن انہوں نے وسیع دشت ، ٹیلے اور وحشت،

ناک گڑھے چھان مارے ۔ دن کے آخری حصے میں انہیں ایک تالاب پر قدم مبارک کے نشان دکھائی دیے ۔ حضرت نے مسواک کے لیے پیلو کے درخت سے شاخ توڑی تھی اور وضو کر کے اور تالاب کے کنارے اگی ہوئی گھاس کو اپنی آہ آتشیں سے جلا دیا تھا۔ اسی نشانی سے انہیں حضرت کا کھوج مل گیا ۔ دونوں دوست غار میں گئے اور پابوسی کی سعادت سے مُفتخر ہوئے ۔ جب آبادی سے دور اس غار سے باہر آئے تو برخوردار نے فوطہ (کمر بند ، رومال ، دستار) دستار اور جوتی حضرت کے سامنے رکھی اور بڑی ہی عاجزی کے ساتھ حضرت سے پہننے کی التماس کی ۔ آخر حضرت نے فوطہ (یعنی لنگی) سر پر باندھ لیا ، دوپٹہ کندھوں پر رکھ لیا اور پگڑی اور جوتی اسے واپس کر دی اور اسے ایسی جوتی پہننے سے منع فرمایا کیوں کہ افغانوں کے عہد میں تمام اکابر واعیان "تھوری" جوتی پہنتے تھے اور اس زمانے میں زیادہ تر نازنین عورتیں پہنتی تھیں ۔ حضرت نے برخوردار سے پوچھا کہ تم لاہور سے کب پہنچے اور یہاں کس طرح آئے ۔ اس نے عرض کیا کہ ہم سارا دن سرگرداں رہے ۔ جب ہم تالاب پر پہنچے تو پاؤں کے نشان ، ٹوٹی ہوئی مسواک کی شاخ اور جلی ہوئی گھاس دیکھی ۔ ہمیں یقین ہو گیا کہ حضرت یہی ہیں ۔

مصرعہ :

کاین نیست کارِ دگران جز کار تست

(کہ یہ تیرے سوا اور کسی کا کام نہیں ہے)

منقول ہے بندگی شیخ کمال کہتے تھے کہ جن دنوں بدبخت نیازی (قبیلہ کے لوگ) بلوچوں کی تاخت و تاراج کے لیے صوبہ ملتان آئے ہوئے تھے اور اس زمانے میں قحط کے باعث تمام مخلوق خدا قلق و اضطراب میں ہلاک اور تباہ ہو چکی تھی ، حضرت اس حجرے میں معتکف تھے جو ملا بہاءالدین پیش نماز کے گھر کی جگہ تھا ۔ ایک دن فرمانے لگے کہ : کمال ! کیسا رہے گا اگر یہ دیوار ساری سونے کی ہو جائے تاکہ تو اسے فقیروں اور مسکینوں میں خرچ کرے ۔ میں (کمال) نے نظر دوڑائی تو مجھے ساری دیوار خالص سونے کی دکھائی دی ۔ عرض کیا : جو بھی آپ کی رضا ہو لیکن اگر بحالت موجودہ ہی رہے تو یہ عین مصلحت ہوگی ۔ ایک پل کے بعد دیکھا تو دیوار پھر اپنی اصل حالت پر آ چکی تھی ۔

ولیا نام کا ایک مطرب تھا ، جو سندھ کا رہنے والا اور سندھی زبان میں ابیات کہتا (گاتا) تھا ۔ حضرت اسے بہت پسند فرماتے اور (اسے سُن کر) وجد میں آتے تھے ۔ ایک روز چار دری پر بیٹھے ہوئے تھے اور خاص حالت میں تھے ۔ ولیا نے چاردری کے نیچے کھڑے ہو کر پُرسوز لَے میں یہ دوہڑا گایا :

سُکھ سکھمندیاں تے پکڑ بندیاں مَیں گھر رانجن آیا

قاضی مُلا وچ نکوئی میں آپی مہر بڑھایا

چونکہ اس مضمون کو حضرت کے مبداء (شروع کے) احوال سے پوری پوری مناسبت تھی اس لیے مستی اور وجد و ذوق میں مدہوش ہو ہو گئے ۔ ولیا کو اوپر بلایا اور اس سے پوچھا ۔ یہ شعر کس کا ہے ؟ اس نے عرض کیا کہ ہیر نے رانجھے کے وصل میں کہا ہے ۔ فرمایا : میں نے حق تعالیٰ سے ہیر اور رانجھا کی سات نسلیں بخشوا دیں ۔ تو اکیلا میرے ساتھ صحرا میں چل اور یہ دوہڑا گا ۔ حضرت اٹھے اور اس کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں تھام کر چل پڑے اور اس بات سے روک دیا کہ کوئی اور پیچھے نہ آئے ۔ سارا دن اس صحرا میں مستانہ وار گھومتے رہے اور حالت حضرت کی قوی رہی ۔ ولیا مطرب سے فرمایا : اگر تجھے دنیا کی آرزو ہے تو بتا ، وہ میں تجھے دلا دیتا ہوں ۔ ولیا نے دیکھا کہ اتنا کہنے کی دیر تھی کہ تمام درخت اور گھاس خالص سونے کے بن گئے ۔ ولیا کے ہوش و حواس گم ہو گئے ۔ جب کچھ دیر بعد ہوش میں آیا تو بولا : مجھے دین چاہیے ، دنیا کی مجھے خواہش نہیں ۔ میں نے دیکھا کہ تمام درخت اور گھاس اپنی اصلی حالت پر آ گئے ۔ اس دوہڑے کے مضمون پر وہ جو حضرت پر حالت کا شدید غلبہ اور ذوق طاری ہوا تو اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت ابتدائے حال میں اویسی تھے ۔ اس کے بعد حضرت غوث اعظم نے انہیں اپنی طرف کھینچ لیا اور نوازش و تربیت فرمائی ۔ اور اویس اولیاء اللہ کا ایک گروہ ہے جس کے افراد کو مشائخ طریقت اور کبریٰ حقیقت اویسیاں کہتے ہیں ۔ ان لوگوں کو ظاہر میں کسی پیر کی ضرورت نہیں ہوتی ، کیوں کہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اپنی آغوش عنایت میں خود تربیت و پرورش فرماتے ہیں ، جس میں کسی غیر کو دخل نہیں ، جیسا کہ اویس رضی اللہ عنہ کی پرورش و تربیت فرمائی ۔ اور یہ مرتبہ بہت ہی عالی و عظیم ہے ۔ کسے اس مقام تک پہنچایا جاتا اور یہ دولت کسے نصیب ہوتی ہے ، اللہ ہی جانے ، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشا ۳۱ (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا

فرمائے ۔ اسی طرح بعض اولیاء اللہ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین ہیں ، بعض طالبین کی حسبِ روحانیت تربیت کی ہے ، اس کے بغیر کہ اس (ان ؟) کا ظاہر میں کوئی پیر ہو ۔ یہ گروہ بھی اویسیوں میں شامل ہے اور بہت سے مشائخ طریقت کی توجہ ، سلوک و معرفت کے آغاز میں ، اس مقام کی طرف ہے ۔

منقول ہے حضرت فرماتے تھے کہ پہلی خانقاہ میں میں اعتکاف کیے ہوئے تھا ۔ حکم ہوا کہ اس حجرے میں جو تو نے اعتکاف کیا تو (اس باعث) میں نے اسے بہشتی بنا دیا ہے یعنی جو کوئی بھی اس میں داخل ہو گا بغیر کسی سوال و جواب کے بہشت میں جائے گا ۔ میں اٹھا اور اس حجرے کو میں نے خالی کر دیا (چھوڑ دیا) کیونکہ اس میں بناوٹ کی بو آ رہی تھی ۔ میں نے عرض کیا کہ : جو کوئی میری طرف آتا ہے وہ محض تیرے لیے آتا ہے اور جو کوئی تیری طرف آتا ہے اسے تو محض اپنے مطلق کرم سے بخش دے گا (پھر یہ) پابندی کیسی ؟

حضرت کے وصال کے بعد ایک روز حضرت شاہ ابوالمعالی نے حضرت بی بی خدیجہ سے فرمایا کہ : میں بھی التماس کرتا ہوں اور آپ بھی متوجہ رہیں اور حضرت سے اجازت مانگیں تاکہ میں وہ حجرہ ، جو میرے علم میں ہے ، پھر ظاہر کر دوں ، کیوں کہ فرزندوں اور عزیزوں کی خاطر بعض چیزوں کی اجازت آپ دیتی ہیں ۔ ۳۲ اور حضرت کے وصال کے بعد تو زیادہ مناسب ہے کہ ہم اسے ظاہر کر دیں تاکہ لوگ فیض حاصل کریں ۔ چنانچہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت (داؤد) فرما رہے ہیں : بابا ! میرا مشرب تو وہی وحدتِ محض ہے بغیر کسی قید کے اور یہ چیزیں تو ساختگی اور بناوٹ کا مظہر ہیں ۔ (بہر حال) اب اسے (حجرے کو) اتنی شہرت حاصل ہے کہ وہ مقام آج کل شارع عام کی صورت اختیار کر گیا ہے ، کیونکہ آستانہ مبارک کے زائرین کا ادھر سے گذر یقینی ہوتا ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم (اور اللہ تعالیٰ ہی بہت جاننے والا ہے)

منقول ہے ایک روز ولیا سے فرمایا: تیرے گھر کے لیے یومیہ خرچ کس قدر درکار ہے ؟ تاکہ تیرا دل پریشانی اور فکرمندی سے نجات پا جائے ۔ اس نے عرض کیا : ہر روز صبح و شام کا کھانا خانقاہ کے باورچی خانے سے آ جاتا ہے ۔ وہ آدھا تنکہ ۳۳ ہر روز درکار ہے تاکہ بال بچوں کی فکر سے میرا دل آزاد ہو جائے ۔ حضرت نے وہی آدھا تنکہ

س کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا : اسے کسی جگہ چھپا کر رکھ اور ہر روز ضرورت کے مطابق نکال لے اور خرچ کر ، اور یہ راز کسی پر نہ کھول ۔ اس نے وہ تنکہ ۳۴ گھر کے اندر دفن کر دیا ۔ وَلیا ہر روز "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھ کر سکہ باہر نکالتا ۔ ایک سال تک اسی طرح فارغ البالی اور خرمی میں اس نے زندگی بسر کی ۔ آخر اس کی بیوی کو بدگمانی ہوئی کہ اسے کہیں سے خاصی رقم ہاتھ لگی ہے جسے اس نے مجھ سے چھپا کر رکھا ہے ، جبھی تو مدت ہو چلی ہے کہ وہ گھر سے باہر تو نکلا نہیں اور ہر روز صبح کو گھر سے رقم نکالتا ہے جس سے میں بے خبر ہوں ۔ چنانچہ اس نے ولیا سے ضد کی کہ دفینہ مجھے دکھا ۔ ہر چند اس بے چارے نے قسمیں کھائیں لیکن بے سود ۔ عورت کی مخالفت امن و آسایش چھن جانے کا باعث ہے ۔ (مجبور ہو کر) ولیا نے وہ رقم اور اس کے چھپانے کی جگہ بیوی کو دکھا دی ۔ اس کے بعد اس نے اگرچہ بہت جستجو کی اور زمین کھودی لیکن جیسے وہاں کچھ بھی نہ تھا ۔

مصرعہ :

بسوخت دیدہ ز حیرت کہ این چہ بوالعجبی ست ۳۵
(آنکھ حیرت سے جل اٹھی کہ یہ کیا بوالعجبی ہے)

منقول ہے ایک روز چاردری کے نشیمن (آرام کی جگہ) میں بیٹھے تھے ۔ شیخ نظام الدین نارنولی کا ایک یار اپنے چند دوستوں کے ساتھ ، کہ سبھی نیکی و صلاح کے لباس سے آراستہ اور صوفیوں کی وضع سے پیراستہ (سنورے ہوئے) تھے ، حضرت کی خدمت میں پہنچے ۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے معین الدین کے رسالے مرغوب القلوب کے اس شعر کی وضاحت چاہی :

بیت :

درین رہ مرد را تجرید و تفرید   بیاید تا کشاید کارِ توحید

(اس راستے میں آدمی کو تجرید و تفرید یعنی تنہائی اور اکیلے ہونے کی ضرورت ہے تاکہ توحید کی کارکشائی ہو سکے ۔)

حضرت نے فرمایا : تجرید کا مطلب ہے مال ترک کرنا اور تمام دنیوی تعلقات سے علیحدگی اختیار کر لینا ، اور تفرید کا مطلب ہے اپنی خودی اور اپنے وجود سے الگ ہونا ۔ اس

درویش نے کہا : خود سے جدا ہونا اور خود کو چھوڑ دینا کس طرح ممکن ہے ۔ فرمایا : اے عزیز سُن ، اسلام خان افغان کے زمانے میں یہ فقیر قوی جذبہ سے دوچار ہوا ۔ جسم کا پنجرہ خاک پر اور میری روح کا پرندہ افلاک پر ، خود سے جدا اور پیوند با خدا (خدا سے پیوند و ربط) ۔ گرمی کی شدت اور سرما کی مضرت کی کوئی پروا نہ تھی ، بلکہ وجود کی کوئی خبر ہی نہ تھی ۔ ایک مدت کے بعد ایک روز افاقہ ہوا تو دریا کے کنارے میرا گذر ہوا ۔ کچھ دیر کے لیے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا ۔ بعض احباب جو فرصتِ صُحبت کے خواہان و منتظر تھے ، اُسی وقت آ پہنچے ۔ اتفاق سے انہوں نے تجرید و تفرید کی حالت کے بارے میں استفسار کیا ۔ اس وقت ، تقاضاے فرصت کے مطابق کسی قدر گڈ مڈ بیان کیا ۔ اچانک ایک درویش ، سر اور پا برہنہ ، اُس درخت کے سائے سے بیدار (غالباً پیدا ہے بمعنی ظاہر) ہوا اور آہ بھر کر رونے لگا ۔ پھر بولا : اے درویش میں ایک افغانی ہوں ۔ شیر شاہ (سوری) کے دربار میں پانصدی (پانچ سو سوار) کے منصب پر فائز تھا ۔ اچانک شوقِ الٰہی کا جذبہ اور بے پایاں جوش محبت باطن سے پھوٹا ۔ میں نے سب نوکر چاکر لشکر اور اہل و عیال سے کنارہ کشی اختیار کی اور تجرید کی راہ پر چل پڑا ۔ اب لکڑی کے پیالے اور خرقۂ پشمین کے سوا میری کوئی ملکیت نہیں ۔ آیا میں تارکِ مجرّد ہوں یا نہیں ۔ میں نے کہا : نہیں ، اس لیے کہ ایک اقلیم کا بھی مالک ، تارک نہیں ہے ، تیرے حکم کے تحت تو ہفت اقلیم ہے ، پھر تو تارک کیونکر ہوا ۔ یہ سن کر اس نے کاسہ زمین پر دے پٹخا ، جو ٹوٹ گیا اور گدڑی دور پھینک دی اور بولا : افسوس صد افسوس ، اگر اب تک میں تارک نہ تھا تو اب ہو گیا ۔ میں نے کہا ، ابھی ترک دُور ہے اور وہ ہفت اقلیم ، جس کی میں نے بات کی ہے ، میرے وجود میں ہے ۔ اول اقلیم زبان ، دوسری اقلیم آنکھ ، تیسری اقلیم نفس اور ساتویں اقلیم تمام اعضا اور آلات جو اسے دوزخ کے کنوئیں میں پھینکتے ہیں ، اور جس کسی کو ان اقلیموں کا ترک میّسر نہیں وہ حقیقی تارک نہیں ۔ اور تفرید یہ ہے کہ ظاہری اشیا کے ترک کے بعد باطنی خطرات (دل میں پیدا ہونے والی باتوں) کو ترک کرے اور اس ترک کو نہ تو دل پر لگائے اور نہ شمار میں لائے ، پھر وہ (یعنی ایسا شخص) تارک ہے اور مکاشفات و تجلیات کے دروازے اُس پر کھل جاتے ہیں ۔

منقول ہے ایک دن چار دری پر بیٹھے تھے ۔ ہر طرف سے لوگ زیارت اور توبہ و

ضوع کی نیت کی خاطر آئے ہوئے تھے ۔ اس دوران میں حضرت کی حالت دگرگوں ہو گئی ۔ تیزی سے اٹھے اور صحرا کی طرف نکل گئے اور (جاتے ہوئے) فرما گئے کہ شیخ کمال اور شیخ بابو کے سوا اور کوئی ساتھ نہ چلے ۔ جب مغرب کی جانب دو میل کا فاصلہ طے کر لیا تو دشت کے ایک گوشے میں جہاں لوگوں کی آمدورفت کم تھی ، کھڑے ہو گئے اور حکم دیا کہ جلد ایندھن اکٹھا کر کے اس کا ڈھیر لگایا جائے ۔ خود بھی ہیزم اکٹھا کرتے رہے ، یہاں تک کہ وہ ایک بلند تودے کی صورت اختیار کر گیا ۔ پھر آگ طلب کی ۔

بیت :

بکم سودن بہم مژگان زمانی مہیاّ شد سمندر آشیانی

(تھوڑی دیر پلکیں ذرا سی باہم ملانے سے سمندر ۳۶ کا آشیانہ میسر آگیا ۔ یعنی بہت ہی آگ میسر آگئی)

اسی اثنا میں ایک نازک بدن (لطیف پیکر) خوبصورت شخص مغرب کی جانب سے رونما ہوا اور حضرت کے ساتھ عربی زبان میں مکالمہ و مباحثہ کرنے لگا ۔ کافی دیر کے ، ضمیر سے متعلق لاطایل (بے مقصد) مقالات (باتوں) کے بعد اس جوان نے اس بات پر انحصار کیا (بات ختم کی) کہ آج آپ دین محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیروکار ہیں۔ اگر آپ آتشِ سوزاں میں داخل ہوں اور پھر اس میں سے صحیح سلامت باہر نکل آئیں تو اُس وقت میں حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ (ہمارے نبی اور اُن پر اللہ کا درود ہو) کے معجزے کا قائل اور پورے یقین و اعتقاد کے ساتھ دینِ متین میں شامل ہو جاؤں گا ، وگرنہ عقلی اور نقلی (روایتی) دلیل میرے دل کو قطعاً مطمئن نہ کر سکے گی ۔ حضرت اُسی وقت ایندھن کے اس ڈھیر میں پالتی مار کے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ چاروں طرف سے آگ لگا دو ۔ شیخ کمال جو ہر حال میں مقام صحو ۳۷ میں محو رہتے تھے آگ لگانے میں کسی قدر ہچکچائے ۔ حضرت نے فرمایا : جلدی کر اور کسی قسم کی فکر نہ کر ، کیونکہ غوث اعظم میرے سامنے کھڑے ہیں ۔ چنانچہ چاروں طرف سے اس ڈھیر کو آگ لگا دی گئی ۔ شعلے اس ڈھیر سے بہت اونچے اٹھنے لگے لیکن آتش وحدت کے اس سمندر کو معمولی سا بھی آسیب نہ پہنچا سکے ، تا آنکہ آگ پوری طرح بجھ گئی اور حضرت میں سرِ مُو (معمولی سی) بھی تبدیلی نہ آئی ۔ جب اس جوان نے دیکھا کہ آگ کا اثر حضرت کے لباس تک

پر ظاہر نہیں ہوا تو وہ اس صورت حال کے مشاہدے سے مدہوش و مبہوت ہوگیا ۔ پکار اٹھا : یا شیخ ! میں اپنے مذہب سے بیزار ہوا ۔ میں نے دین (اسلام) قبول کیا ۔ آپ باہر آ جائیں کہ میں بیعت سے مشرف ہوں ۔ حضرت اُس اخگرستان (چنگاری کی جگہ ، مراد آگ) سے خوش و خرم باہر آ گئے اور اس کے سامنے تفصیل سے ایمان پر روشنی ڈالی ۔ پھر اسے ذکر و وِرد کی تلقین سے نوازا اور اسی وقت اسے رخصت فرما دیا ۔ جو کچھ حضرت نے کیا وہ آدمی کا مقدور نہیں ۔

مصرع :

گویا مگر ز طینتِ آدم نبوده اند
(جیسے وہ آدم کی سرشت سے نہ تھے)

خُلاصتہ الاحباب ۳۸ شیخ عبدالوہاب نے نئے سر سے طہارت (وضو وغیرہ) کراتے وقت (پاؤں پر) ایک چھالا دیکھا ۔ وہ حیران و متعجب ہوئے کہ اُس قسم کی تیز آگ میں بیٹھنا اور وجودِ مبارک پر دھوئیں تک کا کوئی اثر نہ ہونا اور پھر اس چھالے کا اُبھر آنا چہ معنی ؟ جب انہوں نے اس چھالے کے ابھرنے سے متعلق پوچھا تو حضرت نے فرمایا : جب میں اس آدمی کے انکار کے رَدّ میں آگ میں بیٹھا تو عشقِ الٰہی کا شعلہ میرے وجود میں کچھ اس طرح روشن ہوا کہ یہ ظاہری آگ اس کی گرمی سے جل گئی ۔

مصرع :

عشق آتشی ست کآتشِ دوزخ غذای اوست
(عشق ایسی آگ ہے جس کی غذا آتشِ دوزخ ہے)

جب اس آگ کے شعلے سرد ہو گئے اور وہ شخص اپنے فاسد عقائد سے تائب ہوگیا تو اٹھتے وقت اُس آتش کدے سے ایک چنگاری تلوے پر آ رہی ۔ یہ چھالا جو تم دیکھ رہے ہو اُسی سے پڑا ہے ۔

نظم :

بلی احوالِ شان برقِ جہانست دمی پیدا و دیگردم نہانست
گہی بر طارمِ اعلیٰ نشینند گہی برپشتِ پای خود نہ بینند ۳۹

(ہاں ان کی کیفیت کوندتی بجلی کی سی ہے کہ ایک لمحہ ظاہر ہوتی اور دوسرے لمحے چُھپ

جاتی ہے

کبھی تو وہ بلندیوں پر بیٹھے ہوتے ہیں اور کبھی اپنی پُشتِ پا بھی نہیں دیکھ پاتے)

حضرت سے پوچھا گیا کہ وہ شخص کون تھا ؟ فرمایا : یہ ایک دہریہ اور نیچری گروہ کا پیشوا اور ریاضت و عبادت میں ممتاز و مستثنیٰ تھا ۔ وہ زمین کا استدراج (کسی کافر سے عجائبات کا ظاہر ہونا) اِس طرح کرتا ہے کہ ایک ساعت میں مغرب سے مشرق تک ٹہل لیتا ہے ۔ اب جو حضرت غوث الثقلین کے حکم سے وہ اس فقیر کے ہاتھ پر مسلمان اور مرید ہوا ہے تو سلسلۂ قادریہ میں داخل ہو گا ۔

بیت :

بی عنایاتِ حق و خاصانِ حق گر ملک باشد و سیاہش ورق (؟)

(خدا اور خاصانِ خدا کی توجہ کے بغیر اگر کوئی فرشتہ بھی ہو تو اس کا ورق سیاہ ہو گا ۔ یعنی اس توجہ و عنایت کے بغیر کوئی بھی کچھ نہیں بن سکتا)؟

جب دہریہ اور نیچری مذاہب سے متعلق بات کا سلسلہ چلا تو ناگزیر اس گمراہ و مفسد گروہ کے بعض عقاید باطلہ کی وضاحت فرمانا پڑی تا کہ صدق و صفا کا طالب لڑکھڑا نہ جائے اور اس کا عقیدہ صحیح و سالم رہے ۔

واضح رہے کہ طبیعی (نیچری) اور دہری ایک ایسی جماعت ہے جو کائنات کے قِدَم (قدیم ہونا) کی تو قائل ہے لیکن نبوت : نزولِ وحی اور فرشتوں کے وجود کی منکر ہے ۔ علاوہ ازیں حسنِ بصیرت وغیرہ یعنی باطن کی مخفی قوت پر اس کا اعتقاد نہیں ہے ، یہاں تک کہ یہ لوگ جِنّوں کے وجود کے بھی قائل نہیں ہیں ۔ اِس علم کی ایک خرابی یہ ہے کہ اس کے معتقد کے لیے لازم ہے کہ وہ فرشتے کے نزول اور وحی سے بھی منکر ہو ، اس لیے کہ نیچریوں کے نزدیک یہ طے ہے کہ تمام عناصر سے اثیر ، کہ کرۂ آتش ہے ، بر تر ہے اور وہ (اثیر) ، بعض کے بقول ، دوسرے عناصر کے بر عکس ، "ہلیلجی الشکل" یعنی بھیڑیے ۴۰ کی شکل کا ہے اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ جو چیز بھی اس کرۃ میں پہنچتی ہے وہ بالکل جل جاتی ہے اور اسے وہ اپنے جیسا کر لیتا ہے ؛ تو اس صورت میں اُس کرہ سے کسی فرشتے کا گذرنا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے اور اس کے بال و پر جلنے سے کیوں کر محفوظ رہ سکتے ہیں اور یہ تو عالم فریب مقدمہ (پیش آغاز) ہے ۔ تاہم جن کی

چشم بصیرت نورِ ہدایت سے منوّر اور مکمل ہے ، وہ جانتے ہیں کہ ملائک کی خلقت نور سے ہے اور سب کا نور ایک ہی ہے ، ہاں قوت اور کمزوری کے مطابق (ان میں) تفاوت ہے ۔ تو اگر کوئی نور کسی دوسرے نور میں نفوذ کرتا ہے (سرایت کرتا ہے) تو سرایت کرنے والے کو کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچتا ۔ مانع کیا ہے ؟ بس جس طرح چراغ کی روشنی مشعل کی روشنی میں اور چاند کا نور آفتاب کے نور میں سرایت کرتا ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے اسے جلا دیا ۔ لہٰذا اس طرح یہ مقدمہ کہ جو کچھ کرۂ اثیر میں پہنچتا ہے مضمحل ہو جاتا ہے ، غلط ٹھرتا ہے ، کیونکہ اِس لحاظ سے لازم تھا کہ ہماری نظر جو اس کرہ سے گذر کر ساتویں آسمان میں زحل پر پہنچتی ، مثلاً ثوابت ۴۱ کو فلک البروج ۴۲ میں دیکھتی تو جل جاتی اور اضمحلال سے دوچار ہوتی ، جب کہ صورتِ حال ایسی نہیں ہے ۔ ہم فلکیات (مراد سمانوں) کو دیکھتے ہیں ، ان کا احاطہ کرتے ہیں اور ہماری بینائی نہ تو جلتی ہے اور نہ ضایع ہی ہوتی ہے ۔ اور بے چارہ نیچری شاید اتنا نہیں جانتا کہ نورِ فلکی تجرد اور لطافت میں ، آفرینش کے لحاظ سے سَمندر (کیڑے) سے کم تر تو نہ ہو گا کہ اس کا رہنا سہنا ہی آگ میں ہے اور جلتا نہیں ۔

بیت :

ژاژ می خاید طبیعی حشوی گوید حکیم — اختیار جملہ اندر اختیار داوراست

(نیچری اوٹ پٹانگ بکتا اور فلسفی بیکار قسم کی باتیں کرتا ہے ۔ تمام باتوں کا اختیار اُس داور یعنی خدا کے ہاتھ میں ہے)

حضرت اپنے مخلصین اور درویشوں سے فرماتے : دوستو ! توبہ کی مسلسل کوشش کرتے رہو اور قیامت کو نزدیک جانو ، تندرستی و صحت کو غنیمت سمجھو ۴۳ اور اگر ممکن ہو سکے تو رات کے تیسرے پہر بیدار ہو کر تازہ وضو کرو اور نمازِ "صلوٰت العاشقین" کی دو رکعت ادا کرو، حق سبحانہ تعالیٰ کو حاضر جانو اور توبہ نامۂ قادری پڑھو کہ آدھی رات کے وقت حق تعالیٰ زبان و حلق کے بغیر فرماتا ہے "ہل من مُذنب قد غفرت لہٗ و ہل مَن داعٍ قد اَجبت لہ" (آیا کوئی گنہگار ہے کہ میں اس کی مغفرت کروں اور کوئی پکارنے والا ہے کہ میں اس کا جواب دوں) ۔

منقول ہے کہ ایک روز فرمایا : جو کوئی چالیس راتیں بلا ناغہ بیدار ہو اور کلمۂ توحید

کا وِرد کرے تو حق تعالیٰ اس کے دل میں چراغِ قدرت روشن کر دیتا ہے اور اس کے باطن کے گوشے تجلّیِ رحمانی اور مشاہدۂ سبحانی سے منوّر ہو جاتے اور دولتِ سرمدی کے در اُس پر کُھل جاتے ہیں ۔ ایسا شخص عالمِ ملکوت کے بہت سے عجائبات کا نظارہ کرتا ہے ۔

منقول ہے جمعہ کی رات تھی اور خوش بختی کے حامل اصحاب و احباب شبستان قادریہ کی اس شمع کے گرداگرد پروانوں کی مانند جمع تھے ۔ زبانِ مبارک پر یہ الفاظ آئے کہ ہاں ! دوستو آج رات فراواں درود پڑھو اور بے پایاں نعت کہو ۔ سبھی شروع ہو گئے ۔ سب سے پہلے حضرت نے اپنی روح پرور دل ربا آواز سے آغاز فرما کر پیشوائی کی ۔ تمام رات از راہِ ادب دوزانو بیٹھ کر پورے ذوق اور کامل شوق کے ساتھ بلند آواز سے درود پڑھتے رہے ، یہاں تک کہ صبح ہو گئی ۔ حضرت نے فرمایا : یارو ! تمہیں خوش خبری اور مبارک باد ہو کہ آج رات تم میں سے جو گدا بھی اس حلقے میں داخل تھا اس کی مغفرت ہو گئی اور وہ حساب سے محفوظ ہو گیا ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درگاہِ الٰہی میں تمہاری شفاعت فرمائی جو قبول کر لی گئی ۔ الحمدللہ ۔

چوتھا مقام

۱) متن میں "بزمین ملتانی" ہے جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے ۔

۲) کھارے پانی والا سمندر

۳) غالباً "می کنند" ہے

۴) یہاں سکون کا محل نہیں ہے ، کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے ۔

۵) سوار ، بہت سے لوگ اور گھوڑوں کا گلہ ، بہت کچھ ۔ پہلا مصرع واضح نہیں ۔

۶) دوسرے مصرعے میں "دور" کا لفظ شعر کو بے معنی بنا رہا ہے ۔ ممکن ہے یہاں "نزد" ہو کہ شعر کا صحیح مفہوم اسی سے بنتا ہے یعنی جو کوئی اہل باطن و پاکیزگی کے دروازے کے قریب ہے وہ خدا کے قریب ہے ۔

۷) یعنی عنقریب ہی ۔

۸) یہ شعر حافظ سے منسوب ہے لیکن ایران میں مطبوعہ نسخہ ہائے دیوان حافظ میں یہ شعر نظر نہیں آتا ۔ اس لحاظ سے یہ الحاقی شعر ہے ۔ دیوان حافظ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ (ص ۸۵) میں یہ شعر اس طرح ہے :
برزمینی کہ نشان کفِ پای تو بود ..... الخ

۹) عظمت و بزرگی کا اترنا مراد مبارک قیام و سکونت

۱۰) متن میں صرف دوسرا شعر ہے جب کہ پہلا شعر حاشیے پر ہے ۔ بہر حال دونوں شعر حافظ کے ہیں اور راقم نے یہاں دیوان حافظ مرتبہ قزوینی ۔ تہران (ص ۳۶۳) سے نقل کیے ہیں ۔

۱۱) متن میں پہلے تو عبدالمجید آیا ہے اور بعد میں حمید کی تکرار ہے ۔

۱۲) و زاید ہے

۱۳) دلے چاہیے

۱۴) اگر اسے "حضور تو" پڑھیں تو مصرع وزن سے خارج ہے ، "حضور توحد" پڑھیں تو بقیہ ٹکڑے کے پیش نظر مطلب واضح نہیں ہوتا ۔ پہلے مصرعے کا ترجمہ قیاسی ہے ۔

۱۵) حیران کن اور انوکھا کام کرنا

۱۶) غالباً کاتب کی غلطی ہے ۔ یہاں مراد ہو کعبے میں بت خانہ آراستہ کر دے ۔

۱۷) نسیم اللغات میں کھوئی کے معنی "گھنے کا پھوک" دیے ہیں جب کہ غیاث اللغات میں اذخر کو ایک خوشبودار گھاس بتایا گیا ہے جسے ہندی میں مرچیا کند کہتے ہیں ۔

۱۸) یہاں متن میں جمع کا صیغہ ہے "ازسرمن گذشتند ...." (میرے سر سے گذرے) "و درون رفتند" (اور اندر چلے گئے) لیکن اس سے قبل صرف ایک آدمی کا ذکر ہے "مردی" ، اسی لیے اوپر ترجمہ واحد میں کیا گیا لیکن آگے جا کر پھر دو شخصیات کی بات ہوئی ہے ۔

۱۹) یہاں عبارت اس طرح ہے : "نالیر و .... اینہا بودند" اس لحاظ سے مذکورہ ترجمہ ہی صحیح ہے ۔ اگر "....ازینہا بود" تو پھر ترجمہ ہوتا : یہ چیزیں ان کی طرف سے تھیں ۔

۲۰) کوئی لفظ رہ گیا ہے شاید بینیش یعنی بے نیش ہو ، جس میں ڈنک نہیں ۔ آب بمعنی چمک بھی ہے ۔

۲۱) اِسی طرح مرقوم ہے

۲۲) متن میں "گشتم" ہے ۔ "گشتند" ہونا چاہیے ، کیونکہ "گشتم" کا فاعل واضح نہیں ۔ "گشتند" کی صورت میں ترجمہ ہو گا : جب حضرت ... معتکف ہوئے ۔

۲۳) ہرنی والا واقعہ پہلے بھی منقول ہو چکا ہے ۔

۲۴) مثنوی رومی میں طمع سے متعلق بیسیوں اشعار مختلف حصوں میں آئے ہیں مثلاً : ہر کہ را باشد طمع الکن شود با طمع کی چشم دل روشن شود (کتاب مثنوی ۔ تہران ص ۔ ۱۲۰)
مذکورہ شعر بظاہر مثنوی رومی ہی کا معلوم ہوتا ہے لیکن ایرانی نسخوں میں یہ نظر نہیں آیا ۔ ممکن ہے شعر کی صورت کچھ اور طرح ہو ۔

۲۵) فرید الدین ابو حامد محمد بن ابوبکر عطاّر کدکنی نیشاپوری ، فارسی کا مشہور صوفی شاعر اور دیوان کے علاوہ کئی ایک مثنویات کا مصنف ۔ اس کے حالات تفصیل سے نہیں ملتے ۔ سال ولادت میں اختلاف ہے ۔ ۵۳۷ ، ۵۱۳ اور ۱۱۴۲/۵۱۲ ، ۱۱۱۹ ، اور ۱۱۱۸ء ۔ اسی طرح سال وفات میں بھی اختلاف ہے تاہم ڈاکٹر صفا نے ۱۲۳۰/۶۲۷

کو ترجیح دی ہے (ملاحظہ ہو تاریخ ادبیات در ایران از دکتر ذبیح اللہ صفا ۔ تہران جلد دوم ص ۸۵۸ بعد ۔ یہ دونوں اشعار تھوڑے سے تغیر کے ساتھ عطار کی مثنوی منطق الطیر سے ماخوذ ہیں ۔

۲۰) پہلے فقرے سے اس کا ربط واضح نہیں ہو سکا ، کیونکہ یہاں "حضرت ایشاں" سے مراد شیخ داؤد ہی ہیں ۔ ممکن ہے عبارت ہو "حضرت ... روانہ شدہ بودند" یعنی اس وقت سنگھرا سے نکل چکے تھے ۔ واللہ اعلم ۔

۲۰) مراد ہے دیپال پور سے آئینہ لے کر روانہ ہوا

۲۰) یہ قطعہ نہیں رباعی ہے ۔ نیز عاجز اور ہرگز کے ساتھ "عزت" کا قافیہ عجیب بات ہے ۔

۲۰) یہ اشعار ایرانی نسخوں میں نہیں ہیں ۔ یا تو مصنف نے کسی غیر مستند نسخے سے یہ اشعار لیے ہیں یا پھر اشعار کی ترتیب اور آغاز وغیرہ میں فرق ہے ۔

۳۰) آغا : بڑا بھائی ، مالک

۳۱) سورۃ المائدہ (۵) آیت ۵۴ ۔ آخری حصہ ہے : اور "اللہ واسع علیم" یعنی اللہ بہت وسعت والا اور جاننے والا ہے ۔

۳۲) فقرہ واضح نہیں ۔ یہ ترجمہ بھی ممکن ہے : آپ دیتے ہیں ؟

۳۳) تنکہ (ت پر پیش) ٹکے کی فارسی ۔ اُس زمانے میں رائج سکے کا نام ۔ یہاں وہ اشارے کے طور پر استعمال ہوا ہے ۔ غالباً نصف تنکہ ان کے قریب پڑا ہو گا ۔

۳۴) یہاں متن میں "تنکہ ہا" لکھا ہے ، جب کہ شروع میں "دو نیم" بمعنی آدھا ہے ۔ اگر "دو و نیم" ہو تو پھر اڑھائی تنکے ہیں ۔

۳۵) حافظ کا یہ مصرع ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے ۔ پہلا مصرع اس طرح ہے : پری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمۂ حُسن اس غزل کا مطلع اور مقطع ہے : اگرچہ عرض ہنر پیش یار بی ادبیست زبان خموش ولیکن دہان پُر از عربیست

بیار می کہ چو حافظ ہزارم استظہار بگریۂ سحری و نیازِ نیم شبیست

(دیوان حافظ مرتبہ قزوینی .... تہران ص ۴۵)

۳۶) سمندر ایک کیڑا ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ آگ میں رہتا ہے ۔

۳۷) جب کوئی صوفی اپنے اصل حال میں ہو ۔

۳۸) احباب کا نچوڑ ، مُراد سب سے قریبی اور اہم دوست ، ساتھی ۔

۳۹) دونوں شعر معمولی سے تصرف کے ساتھ سعدی کی گلستاں (باب دوم : در اخلاق و درویشاں) سے ماخوذ ہیں ۔ مذکورہ حکایت اِن پانچ اشعار پر مشتمل ہے :

یکی پُرسید از آن گم کردہ فرزند کہ ای روشن گُہر پیر خردمند

زِ مصرش بوی پیراہن شنیدی چرا در چاہِ کنعانش ندیدی
بگفت احوالِ ما برقِ جہانست دمی پیدا و دیگر دم نہانست
گہی بر طارمِ اعلیٰ نشینیم گہی بر پشتِ پای خود نہ بینیم
اگر درویش در حالی بماندی سرِ دست از دو عالم برفشاندی

(طارم : لکڑی کا مکان ، بلند مکان)

(کلیات شیخ سعدی ۔ تہران ۔ ص ۱۱۳،۱۱۴)

۴۰) بھیڑا یا ہڑ جس کا مُربا مفید ہے ، ہلیلہ ۔

۴۱) حرکت نہ کرنے والے ستارے ۔

۴۲) بُرجوں والا آسمان

۴۳) متن میں اس ٹکڑے کی عبارت واضح نہیں ہے ، کچھ اسی قسم کا مفہوم بنتا ہے جو اوپر دیا گیا ہے ۔

پانچواں مقام

تلقین کی ترتیب (؟) مرید کرنے ، رشد و ہدایت کے قوانین و ضوابط اور متفرق مناقب کے ذکر میں

حضرت پیر دستگیر کے بلند سلسلے سے وابستہ رُشد پذیر (ہدایت پانے والے) ضمیر پر یہ بات روشن ہو گی کہ جس کسی کو بھی حضرت مرید کرتے اسے پہلے غسل کا حکم فرماتے ، اس کے بعد اُس کی زبان میں استفسار ا کرتے : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، یا الٰہی اگر مجھ بیچارے سے کوئی گناہ ، کوئی کفر یا شرک ، یا رِیا ، یا کوئی گناہِ صغیرہ یا کبیرہ ، یا کوئی ہجت (؟) یا کوئی غیبت یا کوئی طیبت (مزاح) ، یا کوئی فحاشی ، یا کوئی بہتان یا کوئی دروغ یا کوئی لہوولعب یا کوئی حسد یا کوئی تکبّر یا کوئی نفاق یا کوئی فعلِ ناحق یا چوری ڈکیتی یا کوئی ترکِ دیانت یا کوئی ترکِ امانت یا کوئی تعدّی یا کوئی ظلم ، کسی آدمی یا جانور کے ساتھ سرزد ہوا ہو ، یا استاد اور ماں باپ کے حقوق کو ، جن کا حکم خدا تعالیٰ نے فرمایا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حدیث میں آیا ہے ، ترک کیا ہو ؟ یا مجھ سے کوئی فسق یا کوئی فجور یا کوئی بدعت یا کوئی ناکردنی (نہ کرنے کے کام) یا کوئی ناخوردنی (نہ کھانے پینے والی چیز) ، جو شرع کے فرمان کے خلاف ہو ، عمل میں آئی ہو یا اس کا خیال بھی میرے دل میں گذرا ہو یا وہ میری زبان ہی پر جاری ہوئی ہو ، یا میں نے قولاً و فعلاً ، حاضراً و ناظراً ، ظاہراً و باطناً ، لیلاً و نہاراً (دن کے وقت اور رات کے وقت) سِرّاً و جہاراً (خفیہ اور ظاہر) ، دانستہ یا نادانستہ (مذکورہ افعال) کیے ہوں تو میں ان تمام گناہوں سے باز آیا : تائب ہوا اور تیرے حضور سچی توبہ کرتا ہوں کہ پھر یہ اور ان جیسے (افعال وگناہ) میرے وجود میں نہ آئیں (مجھ سے سرزد نہ ہوں) تمام ممنوعہ کام نہ کروں ۔ میں اُن تمام باتوں پر ایمان لے آیا اور ان کا مَیں نے اقرار کیا جو خدا تعالیٰ نے فرمائی ہیں ، اور جو نہیں فرمائی ہیں میں ان سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں ، اور میں ان چیزوں (باتوں) سے بیزار ہوں جن سے خداے تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بیزار ہیں ۔ میں ایمان لایا ان چیزوں پر جن پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ایمان لائے ہیں اور میں صدقِ دل اور یقین کے ساتھ کہتا ہوں : لا الٰہ اِلّا اللہ محمد رسول اللہ ۔ اشہدُ اَن لاالٰہ اِلّا

اللہ وحدہٗ لاشریک لہ واشھد انّ محمداً عبدہٗ و رسولہٗ ۔ سبحان اللہ والحمد للّٰہ و لَا الہٰ اِلّا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولا قوت اِلّا باللہ العلی العظیم ، اٰمنتُ باللہ وملایکتہ وکتبہ ورُسلہ والیوم الآخر والقدر خیرہ و شرہٖ مِن اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت ۔

(میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور یوم قیامت پر اور اس پر کہ خیر اور شر اللہ کی طرف سے ہے اور موت کے بعد کی زندگی پر)

اِس کے بعد حضرت (اس کے) سر پر قینچی چلاتے ، پورے ادب کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑتے اور حاضرین کو (اس کا) ہاتھ پکڑنے کی ترغیب دلاتے اور فرماتے : اِسی لمحے اس کی مغفرت ہو گئی اور جو کوئی اس کا ہاتھ صدقِ عقیدت کے ساتھ پکڑے گا بلاشبہ مغفور ہوگا اور مرفوع القلم (جس کا محاسبہ نہ ہو) ٹھہرے گا ، کیونکہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت غوث اعظم سے یہ عہد کررکھا ہے کہ جو کوئی صدقِ نیت سے تیرا مرید ہوگا یا تیرے لنگر یا عرس سے کھانا یا تبرک کھائے گا اسے میں یقیناً بخش دوں گا اور اس کا آخرت کا معاملہ محمود و مسعود (تعریف والا اور خوش بختی والا) ہوگا ۔ یہ زمزمہ خانقاہ ، مسجد اور دَیر میں ہے یعنی تیرے مُحبوّں کا خاتمہ بالخیر ہے ۔

منقول ہے ایک روز طالبین کی ایک جماعت ارادت کی نیّت سے حاضر ہوئی ۔ موسم خاصا گرم تھا اور حضرت اندر گھر میں تھے ۔ جب ان لوگوں نے اطلاع بھجوائی تو حکم آیا کہ غُسل کر کے حاضر ہوں ۔ وہ لوگ غُسل کی خاطر باہر چلے گئے ۔ کچھ دیر گذری تھی کہ حضرت ننگے پاؤں دوڑ کر باہر آئے اور ان طالبوں کو واپس بُلوالیا اور غسل کے بغیر ہی جلدی سے انہیں مرید کر لیا ۔ اصحاب میں سے کسی نے عرض کیا : ترتیبِ غسل کے ترک کا باعث کیا ہوا؟ فرمایا : آج حضرت غوث اعظم نے بہت عتاب کیا اور فرمایا کہ لوگوں کے دل شیطان کے منہ میں ہیں اور میں پورے اہتمام کے ساتھ انہیں پھیر کر اِس طرف لاتا ہوں اور میری خواہش ہوتی ہے کہ ان کے سر پر میری پیریِ کا نام آئے تاکہ کل قیامت کے دن حق تعالیٰ کے حضور میری حُجت قائم ہو اور اس بہانے میں ان لوگوں کے گناہوں کے عفو و شفاعت کی درخواست کروں ، اور تُو ہے کہ انہیں غسل اور غرارے کے لیے بھیجتا اور دوسرے موقع پر بات ڈال دیتا ہے ۔ ممکن ہے (اس طرح) ان میں سے کسی کا دل پھر شیطان کے منہ میں چلا جائے اور وہ پھِر جائے ۔ جلدی سے اُنھیں مرید کر غسل وسل کی ضرورت نہیں ۔

منقول ہے حضرت فرماتے کہ ایک رات میں نے حضرت غوث اعظم کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک مرید نے ایک لمحے مغرب میں یاد کیا اور مدد چاہی اور اسی ایک لمحے میں ایک دوسرے مرید نے مشرق میں (مدد چاہی) تو اس صورت میں آپ دونوں جگہ کس طرح حاضر ہو جاتے ہیں؟ فرمایا کہ : بابا کونین میرے سامنے اس تِل کی طرح ہیں جو تیری ہتھیلی پر ہے ، تو پھر میرے لیے کیا مشکل ہے کہ میں ہر جگہ نہ پہنچوں ۔ اور حقیقتوں کے حامل حضرت شاہ کا یہ بیت اسی لطیفۂ شریفہ (مبارک لطیف بات) سے متعلق ہے ۔ مصرع :

نکتۂ کون و مکان دریک نظر غوث جہان

(کون و مکاں کا نکتہ غوث جہاں کی ایک نظر میں ہے)

حضرت کی ہتھیلی پر ایک تِل تھا ۔ حضرت غوث الثقلین نے اس پر اپنی انگشتِ مبارک رکھی تھی ۔ اسی وجہ سے اپنے وقت کے اکثر بڑے بڑے لوگ اُس تِل کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے ۔

منقول ہے ایک روز غوثِ صمدانی خاندان کے خلاصہ شاہ اللہ بخش گیلانی اور میاں کیلان نے ، کہ ان کے بڑے بھائی تھے ، محض اُس تِل کی زیارت کے لیے شیرگڑھ میں نزولِ اِجلال فرمایا اور حضرت شاہ ابوالمعالی سے اِس (خواہش) کا اظہار کیا کہ ہم اُس خال (تل) کی زیارت کی نیت سے بنگالہ سے آئے ہیں ۔ یہ بات وہاں ہم تک پہنچی تھی ۔ اتفاق سے اُن دنوں فیضِ عام کے وہ مظہر (داؤد) شدید بخار کے باعث بیحد کمزوری کا شکار تھے اور اُن میں چلنے پھرنے ٹہلنے کی طاقت بلکہ کھڑے ہونے کی بھی تاب نہ تھی، جو وہ باہر آ سکیں یا ملاقات ہی کر سکیں ۔ شاہ ۲ (ابوالمعالی) نے عرض کیا کہ خدمات کا جو لازمہ ہے خادمانِ آستان نے اُسے ادا کیا ہے لیکن شاہ اللہ بخش ملاقات کے بہت ہی مشتاق ہیں اور کہتے ہیں کہ خال کی زیارت کے شوق میں وہ دور دراز کا سفر طے کر کے آئے ہیں ۔ حضرت نے فرمایا : میری طرف سے معذرت کر لے اور اگر مرضی ہو تو انہیں اندر لے آ ۔ دونوں بھائی شاہ جی کے ساتھ اندر گئے اور حضرت نے فرطِ ضعف کے باعث شاہ جی کے سینے کا سہارا لیا ۔ کچھ دیر کے بعد شاہ اللہ بخش نے شاہ ابوالمعالی کو اشارہ کیا کہ وہ خال بہرصورت دکھانا چاہیے ۔ انہوں نے آہستہ سرگوشی میں حضرت سے عرض کیا ۔ حضرت نے دستِ مبارک اٹھایا اور شاہ ابولمعالی کے ہاتھ پر رکھا ۔ انہوں نے

آستین ہٹا کر (وہ تِل) شاہ اللہ بخش کو دکھایا ۔ شاہ اللہ بخش اٹھے اور آگے بڑھ کر انہوں نے تِل کو چوما اور دونوں آنکھیں اُس پر مَلیں اور پیشواز کھول کر سینے پر لگایا ۔ پھر میاں ۳ کلاں کو بھی آگے بلایا اور ان کی آنکھوں اور سینے کو اُس کے مَس سے مشرّف کیا۔

منقول ہے ایک روز کوئی شخص بغداد سے آیا ۔ اُس نے حضرت کے سامنے ایک قصیدہ پڑھا جو خاص حضرت غوث اعظم کا تحریر کردہ تھا اور جس کا مضمون یہ تھا کہ دونوں عالم میرے سامنے رائی کی مانند ہیں ۔ حضرت نے فرمایا کہ : حضرت غوث اعظم نے وہی مضمون یہاں (اس قصیدے میں) فرمایا ہے جس کا انہوں نے میرے بالمشافہ اظہار فرمایا تھا۔

منقول ہے ایک روز عبدالسلام نامی ایک مریدِ خاص نے مدتِ مدید کے بعد دور کے سفر سے آکر پابوسی کی اور گلے میں پٹکا (رومال) ڈال کر وہ مجرموں کی مانند خدمت میں کھڑا ہو گیا ۔ پھر بڑی عاجزی کے ساتھ اُس نے عرض کیا کہ : اِس فقیر کو تائب فرمائیں اور نئے سر سے مسلمان کریں ۔ نیز چِلّے کا حکم فرمائیں تاکہ میرے دل میں جو بھی غرور اور تکبر ہے شاید نکل جائے اور دور ہو جائے ۔ حضرت نے فرمایا : تکبّر کی بیماری کا علاج چِلّے پر بیٹھنے میں نہیں ہے بلکہ یہ تو تیرے تکبّر اور نفسانیت میں اضافے کا باعث بنے گا ، کیونکہ اِس طرح لوگ تیرے مطیع و مسخّر ہوں گے اور تجھے بے فائدہ اور فضول قسم کا احترام دیں گے جس سے تیرا نفس فربہ اور سرکش ہو گا ۔

بیت:

خیالاتِ نادانِ خلوت نشین بہم می کند عاقبت کفر و دین

(نادان خلوت نشین کے خیالات آخر کار کفر اور دین کو باہم گڈ مڈ کر دیتے ہیں)

تاہم اگر تو حقیقی مسلمان بننا چاہتا اور کبر و منی (غرور و تکبر) کے مرض کے علاج کا خواہاں ہے تو جا ہیزم کشی (ایندھن اکٹھا کرنا) اختیار کر ، مسجد میں پانی (کنوئیں سے) نکال اور سر پر برتن رکھ کر واقف کار لوگوں کے گھر سے بھیک مانگ ، اور بھوکے فقیروں کو دے تاکہ تیرا نفس مُردہ و کُشتہ ہو جائے اور تیرا کبر و مَنی دور ہو ۔

بیت :

لافِ بی کبری مزن کان ازنشانہای امور ۴ درشبِ تاریک برسنگ سیہ پنہاں تراست

کوہ را کندن بناخن ہم از آن آسان تراست   وز درون کردن برون آسان مگیرآن راکزان

(عدمِ تکبر کی ڈینگ مت مار کیونکہ وہ امورِ یعنی کاموں کے نشانوں میں سے ہے اور تاریک رات میں سیاہ پتھر پر زیادہ پنہاں ہے

اور اسے اندر سے باہر لانے کو، یعنی تکبر سے نجات حاصل کرنے کو، آسان مت سمجھ، اِس لیے کہ اسے نکال باہر کرنے کی نسبت پہاڑ کو ناخن سے کھود لینا کہیں آسان ہے)

منقول ہے ایک روز شیخ بہاء الدین شیخ عبد الوہاب، عبد اللہ، شیخ عمر اور شیخ خضر زیارت کے لیے لاہور شہر سے آئے۔ ہر کسی کے ساتھ حضرت مہربانی اور عنایت سے پیش آئے۔ توبہ اور وِرد و شغل کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ: سلوک و معرفت کا دارومدار پاک رہنے اور طہارت پر ہے۔ ہر انسان تین پلیدیوں سے بچ نہیں پاتا۔ اِن تین پلیدیوں میں سے ایک میں وہ ضرور ملوث ہو جاتا ہے۔ اِن تین نجاستوں کے تین نام اور تینوں کے الگ الگ علاج ہیں۔ اور ایک کا علاج دوسری پر کارگر نہیں ہوتا۔ اول، آدمی کے وجود میں پلیدی ہے جیسے خون، پیپ، فُضلہ صفرہ، وضو توڑنے والی چیز اور جُنب وغیرہ۔ اگر یہ تمام (نجاستیں) آدمی کے وجود میں شامل ہوں تو قرآن، دعا اور درود وغیرہ کے پڑھنے سے ان کا زائل ہونا ممکن نہیں بجز پاک پانی کے۔ دوسری پلیدی گناہ ہے خواہ وہ کبیرہ ہو یا صغیرہ۔ اگر (اِس کا مرتکب) مسجد میں جائے، نماز پڑھے، قرآن کی تلاوت کرے اور روزہ رکھے تو یہ سوائے توبہ و استغفار کے زائل نہ ہوگی، جیسا کہ (حضور نبی کریم) علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "التائب من الذنب لہ٥" (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی جیسے اس نے گناہ نہ کیا ہو)۔ نیز فرمایا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے "لِکُلِ علیلِ دواء و دواء الذنوب التوبتہ" (ہر مریض کے لیے دوا ہے اور گناہوں کی دوا توبہ ہے)۔

تیسری پلیدی کفر ہے اور وہ سب گناہوں سے زیادہ بُری اور خرابی کی حامل ہے، اِس لیے کہ وہ ایمان کو زایل کرتی ہے۔ پناہ بخدا، اگر آدمی کے وجود میں قولاً، فعلاً اور اعتقاداً کفر واقع ہو تو یہ توبہ کرنے سے اور خود کو پانی سے دھونے سے پاک نہ ہوگی؛ اگرچہ وہ لاکھ تنکہ خیرات کرے، حج کرے، قرآن ختم کرے اور صوم و صلواۃ ادا کرے (پھر بھی یہ دور نہ ہوگی) بجُز کلمۂ شہادت کے (یعنی یہ پلیدی صرف کلمۂ شہادت ہی سے دور ہوگی)۔ اگر کلمۂ شہادت نہ ہوتا تو کوئی بھی مسلمان نہ ہوتا۔ تمام معاملات اور عبادات اِس کلمے کی شاخ ہیں۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ خود کو اِس خباثت سے پاک رکھے اور اسے

اپنے جسم ، لباس اور دل کے نزدیک نہ آنے دے ، کیونکہ اِس پلیدی سے ناپاک شدہ آدمی دونوں جہانوں میں مردود و ذلیل ہے ۔ چنانچہ ایک تھال میں اگر مَیدے کی دو روٹیاں ہوں ، اور ان میں سے ایک پلید اور آلودہ ہو جائے تو جو روٹی پاک ہوگی اسے بادشاہ اور نیک لوگ ، وغیرہ کھائیں گے اور پلید روٹی کُتوں کے آگے ڈال دیں گے ۔ اِسی طرح اگر آب زلال (میٹھے صاف پانی) کے دو پیالے ہوں تو ان میں سے جو پاک اور پاکیزہ ہوگا اسے رغبت سے گے اور جو پلید ہوگا اسے زمین پر گرا دیں گے خواہ وہ عنبر اور مصری سے معطّر اور شیریں ہی کیوں نہ کیا گیا ہو ۔ اگر کسی بادشاہ کے حرم میں دو ماہ پیکر (حسینائیں) ہوں اور دونوں صورت اور سیرت کے لحاظ سے برابر ہوں تو اُن میں سے جو پاک ہوگی اُسے تو سنہری تخت پر بٹھائیں گے اور ناپاک کو دروازے سے دھتکار دیں گے ۔

انبیاءؑ کے جَد آدم علیہ السلام "ولقد کرّمنا بنی آدم" (اور تحقیق ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی) کی خلعت سے سرافراز تھے ۔ جب وہ گناہ میں ملوث ہوئے تو اسی وقت انہیں بہشت سے نکال باہر کیا گیا ۔ ان کا جو وقت خالص توبہ کے بغیر گذرا وہ عصیاں میں گذرا اور جب تائب ہوئے تو عظیم درجے سے نوازے گئے ۔

اسی اثنا میں نمازِ عصر کا وقت آپہنچا ۔ خدا آمرزیدہ (بخشا ہوا) سید حاجی بہاء الدین ملتانی نے اذان کہی ۔ حضرت نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور خود امامت کرائی ۔ حاضرینِ مجلس میں سے جو کوئی بھی باوضو تھا وہ حضرت کی تکبیر اولیٰ کی دولت اور اِقتدا کی سعادت سے بہرہ ور ہوا ، اور جو کوئی وضو کے بغیر تھا وہ باہر کو دوڑا اور اس فیض سے محروم رہا ۔

منقول ہے ایک روز حضرت دریائے مچھالہ کے کنارے ، جو برسات کے موسم میں بغداد کے دجلہ کی یاد دلاتا تھا ، کنار کے درختوں کے سائے میں بیٹھے تھے اور دین دار احباب کی ایک جماعت فلکِ عرفان کے اوج کے اُس چاند کے گِرد ہالہ کی مانند حلقہ باندھے ہوئے تھی ۔ حضرت نے شریعت کی فضیلت اور طریقۂ سُنّت وجماعت کی حفاظت سے متعلق بیان فرما کر اس خُلد صورت محفل کے اہلِ دل کے دلوں کو خوب گرما اور نرما دیا ۔ اسی اثنا میں پھر فرمایا : یارو! مومن کا ایمان شیشے سے بھی نازک تر اور آہن و فولاد سے بھی زیادہ سخت ہے ؛ اِس لیے کہ مومن گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہو

جاتا ۔ اِس صورت میں (اس کے ایمان کو) سخت تر کہا جاسکتا ہے ؛ اور اگر وہ (مومن) گناہِ صغیرہ کو معمولی جانتا یا اچھا گرداننا ہے یا اُس کی اِباحت کی طرف مائل ہوتا (اسے جائز سمجھتا) ہے تو بلاشبہ وہ کافر ہوگیا ۔ اِس لحاظ سے نازک تر ہے ۔ چنانچہ کتبِ فقہ میں ہے کہ اگر مسلم و مومن شراب پیے اور زنا کرے اور اس فعل کو قبیح جانے تو اس کا ایمان سلب نہیں ہوتا ۔ اور اگر وہ ان گناہوں اور منکرات کو جائز اور حلال سمجھتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے ۔ اور تعجب ہے آج کے بعض لوگوں پر کہ وہ امر اور نہی میں امتیاز ہی نہیں کرپاتے ، اور عجیب درویش پیدا ہو گئے ہیں کہ سنت و جماعت کی راہ ہی سے شناسا نہیں ہیں اور عمرِ عزیز مُسکرات (نشہ آور اشیا) اور منکرات (وہ افعال جن سے منع کیا گیا ہے) میں بسر کر رہے ہیں ۔ یہ لوگ خرابات ۸ نشینی اور حرام خواری کو حاصل زندگانی سمجھتے اور خود کو موحّد (ایک خدا کو ماننے والا) اور متوصل (مُراد جسے محبوبِ حقیقی کا وصل نصیب ہو) کہلاتے ہیں ۔ اگر تم ان کا بغور جائزہ لو تو یہ لوگ ملحد بھی ہیں ۔ شیطانی وسوسوں اور نفسانی خواہشوں نے انہیں اِس قدر اندھا بہرا کر رکھا ہے کہ قطعاً آنکھ نہیں کھولتے ۔ وہ کس مقام سے آئے ہیں اور کس جگہ انہیں جانا ہے اس کا ذرا بھی نہیں سوچتے ۔ افسوس افسوس کہ پاک مقام سے آئے اور پلید ہو کر جا رہے ہیں ۔

بیت:

واہ چہ رسمست درین دہر کہ قانع شدہ اند   شاہبازانِ طریقت بمکانِ مگسی

(واہ ! اِس دنیا میں کیسی رسم ہے کہ طریقت کے شاہباز مکھی کے مقام پر قناعت کیے بیٹھے ہیں)

منقول ہے کہ دو جوان ، درویشوں کے لباس میں آئے ۔ وہ علومِ غریبہ اور فنونِ عجیبہ سے ممتاز اور مخصوص تھے ۔ انہوں نے حدیث اور تفسیر کے تابناک موتی اور تصوف و توحید کے بیشِ بہا گوہر بیان کی لڑی میں پروئے ، اور چند روز تک خادموں کے زُمرے میں آرام کیا (یعنی خادم بن کر) ۔ حمزۂ ماچینی اور شیخ عبدالوہاب نے توحید و تفرید کے بہت سے نکات ان کے سامنے رکھے جن کے انہوں نے شایستہ جواب دیے ۔ ایک روز اِن جوانوں نے حضرت سے سوال کیا کہ یا حضرت ! یہ جو بعض درویش نامحرموں کو دیکھنے کی خواہش کرتے اور ماہ رُویوں کے دیدار کی آرزو رکھتے ہیں تو یہ سب

کیا ہے ؟ حضرت نے فرمایا: یہ حرام ہے ۔ انہوں نے کہا کہ فقیروں کے گروہ میں کم ہی کوئی ایسا ہوگا جو عورتوں کے حُسن (کے نظارے) سے نگاہوں کو محفوظ رکھتا ہو ۔ حضرت نے فرمایا: وہ فقرا نہیں ہیں ، ضلالت و گمراہی کا شکار اور سُنّت و جماعت کے طریق اور عالم شریعت سے بے خبر ہیں ۔ پھر حضرت نے حکایت فرمائی کہ سابق ایام میں ایک بزرگوار تھے جنہیں واصلانِ حق کا رتبہ حاصل تھا ۔ بہت ہی کبر سنی کو پہنچے ہوئے اور اپنی ہستی سے بالکل گذرے ہوئے اور کھوئے ہوئے تھے ۔ ایک روز وہ مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ شہر کے کوچے سے گذرے ۔ ان کی نظر ایک ماہ طلعت پر پڑ گئی جس کے حُسن میں ، دیکھنے والوں کی نظریں حیران رہ جاتی تھیں ۔ اسے دیکھنے سے شیخ کے اندر سے "ہذا سبحان اللہ احسن الخالقین" (یعنی پاک ہے خدا جو سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے) کی آواز نکلی ۔ اسی اثنا میں قدرت کا تیر قضا کی کمان سے نکلا اور اس ولی اللہ کی آنکھ کے اندر ایسا بیٹھا کہ اُس کی انی پیچھے سے نکل گئی ۔ حیران رہ گئے اور بولے : الٰہی! تو غیب کا جاننے والا ہے ، تو جانتا ہے کہ میں نے اس منظر پر ، نفسانی خواہش کے ارادے سے نظر نہیں ڈالی ، بلکہ اِس سے میرا مقصد تیری قدرت کے نیرنگ (سحر) اور حُسنِ خِلقت کی تحسین و آفرین تھی ، پھر سزا کا کیا باعث ؟ ہاتفِ حق سے ندا آئی کہ :اے درویش اِس تیر کی انی کی طرف دیکھنا چاہیے ۔ جب انہوں نے اسے دیکھا تو اس پر لکھا تھا کہ اے درویش چونکہ تو نیک باطن اور پاک دل تھا ، اس لیے تیرے ایمان کو میں نے بچالیا اور تیری آنکھ کو ہلاک کر ڈالا ہے ، اِس لیے کہ تو نے اس آنکھ سے شرع کی خلاف ورزی کی جو ہمارے (ہماری) حبیب کو دیکھا ۔ جب وہ درویش اس امر سے آگاہ ہوا تو پروردگار کا ہزار شُکر بجالایا اور اپنی اُس نظر سے نادم ہوا ، اور اُس نے توبہ کرلی ۔ سو خاص اور عام میں سے کسی کو بھی اِس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ کسی نامحرم عورت کے حُسن اور بے رِیش (نوخیز) چہرے پر نظر ڈالے جیسا کہ فرمایا (حضور) علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "مَن نظرَ اِلیٰ وجہ النساء الاجنبیتہ ......" الخ (جس کسی نے اجنبی عورت کے چہرے پر نظر ڈالی اللہ تعالےٰ اسے ستر برس تک آگ میں ڈالے رکھیں گے) ۔ چنانچہ منقول ہے کہ جب حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وفات پا گئیں تو حضرت امیر کرّم اللہ وجہہ نے کوئی نوحہ و نالہ نہ کیا ۔ امیر زادوں اور ہر دوسرا (دونوں جہانوں) کے مالکوں کو بھی گریہ و زاری سے منع فرمایا اور راتوں رات تجہیز و تکفین کرکے ، اصحاب و

احباب کو اطلاع کیے بغیر، انہیں دفنا دیا تاکہ اس معزز لاش پر کسی نامحرم کی نظر نہ پڑے۔
ابن عفان عوف اور زبیر العوام کے علاوہ اور کوئی نمازِ جنازہ میں شریک نہ ہوسکا ۔ جب
صبح کی نماز ادا کی گئی تو اصحاب میں ایک کہرام مچ گیا کہ حضرت بی بی فاطمہؓ وفات پا گئی ہیں
اور انہیں راتوں رات دفن کر دیا گیا ہے ۔ سبھی یاروں نے اظہارِ افسوس کیا کہ کاش ہم
اس سعادت سے بہرہ ور ہوتے ۔ افسوس کرتے اور سینے پر ہاتھ مارتے قبرستان کی طرف
روانہ ہوئے تاکہ اُس خاکِ پاک کا طواف ہی کر لیں ۔ حق سبحانہ ، تعالیٰ و تقدس نے
ملائکہ کو بھیجا کہ یاروں کے پہنچنے سے پہلے پہلے حضرت زہراؑ کی قبرِ منورہ جیسی دس تازہ
قبریں تیار کر دیں تاکہ کسی کی بھی نظر ٹھیک سے مخصوص قبر پاک پر نہ پڑے ۔ فرشتوں
نے ایسا ہی کیا ، اِس لیے کہ ہر چند سبھی اصحابؓ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تھے ، لیکن
تھے تو مرد ؛ لہذا کوئی بھی حضرت بی بی کی پاک قبر کو نہ پہچان سکا اور ٹھیک سے نہ دیکھ
سکا کہ کون سی قبر ہے ۔ چنانچہ دسوں قبروں پر فاتحہ پڑھ کر لوٹ گئے ۔ جب ان (جوان)
درویشوں نے حضرت سے یہ تمثیل و حکایت سُنی تو کسی قدر عجز و انکسار کے گریبان میں
سر ڈال لیا اور وہ متاثر ہوئے ۔ پھر باندازِ کنایہ کہنے لگے کہ بعض شعراء جیسے خواجہ حافظ ،
قاسمِ انوار ، عبدالرحمٰن (جامی) اور شیخ سعدی شیرازی عورتوں کے حُسن و جمال کے ناظِر
تھے اور اِس (موضوع) پر انہوں نے شعر بھی کہے ہیں مثلاً یہ شعر :

حقۂ لعلِ تو از جوہر جان ساختہ اند — کامِ ہر خستہ درآن حقہ نہان ساختہ اند
ہر لطافت کہ نہان بود پس پردۂ غیب — ہمہ در صورتِ خوبِ تو عیان ساختہ اند

(تیرے موتیوں کی ڈبیا [یعنی منہ] روح کے جوہر سے تیار کی گئی ہے ۔ ہر زخمی
کی آرزو اس ڈبیا میں رکھی گئی ہے۔
پردۂ غیب کے پیچھے جو بھی لطافت ، پوشیدہ تھی وہ سب کی سب تیری صورتِ زیبا میں
عیاں کر دی گئی ہے)

حضرت نے فرمایا: نہیں نہیں !یہ لسان الغیب ، اہلِ ولایت اور صاحبانِ کشف تھے اور ان
میں سے کسی نے بھی شریعتِ مطہرہ کی پیروی ترک نہیں کی ۔ چنانچہ روایت ہے کہ
مصلح الدین شیرازی شیراز کے ملوک زادوں ۹ میں سے تھا اور حافظ و دانشمند تھا ، زاہد
تھا ، حرمینِ شریفین کا حاجی اور سیاّح عالم تھا ۔ ایک موقع پر اس کا گذر دریا کے راستے
سے ہوا۔ وہاں ایک کنیز پری رُو خوش خُو (اچھی عادت والی) عنبر بُو (عنبر جیسی خوشبو

والی) سر پر کوزہ رکھے ، پانی لینے کے لیے آئی ۔ کوزے میں پانی بھر کر وہ کھڑی ہو گئی ۔ شیخ (سعدی) نے جب اس کا حسین مُکھڑا دیکھا تو اُس کے حُسن میں کھوگیا ۔ اُس کے اشارہ کرنے پر اس کے نزدیک گیا اور وہ برتن اٹھا کر اس کے سر پر رکھا ۔ اِس اثنا میں اس کے دل میں خیال گذرا کہ سبحان اللہ ! کیا حُسن ہے ۔ یہ تو میری نظروں سے غائب ہو جائے گی اور رُوح کی یہ خوراک گھر چلی جائے گی ۔ چنانچہ اُس کا جگر گداز ہوا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور اس برتن میں گِر گئے ۔ کنیز وہ پانی گھر لے گئی ۔ اُس کا مالک شہر کے مشاہیر میں سے تھا اور مدّبرِ مصر (یعنی شہر ، مُلکِ مصر بھی ہو سکتا ہے) نیز نصاریٰ کا سردار تھا ۔ جب رات کے وقت اس نصرانی اور اس کے اہل خانہ نے اس برتن سے پانی پیا تو ان آنسوؤں کی گرمی کے اثر سے ہر ایک کا دل کفرِ کافری سے سرد ہوگیا ۔ دوسرے دن صبح سبھی خواہش و رغبت اور صدقِ نیّت سے مسلمان ہو گئے اور سعدی کے اشکوں کی تاثیر سے سعادتِ ابدی پاگئے ۔ حاصلِ کلام یہ کہ اگر حُسن کا نظارہ کرنے والے کے آنسوؤں میں اِس قدر تاثیر ہو کہ وہ صد سالہ کفر کو ایک پیالے میں توڑ ڈالے تو بھی صاحب شرعؐ نے اجنبی عورتوں کے حسن کے نظارے کو جایز قرار نہیں دیا تو دوسروں کا تو ذکر ہی کیا ۔ تاہم اِس دَور کے مقلّدین اور اس زمانے کے خرقہ پوش سَلف کے حال و قال کو خود پر چسپاں کرتے اور خود کو درویش کہلواتے ہیں ، جب کہ حقیقت میں وہ ملحد بھی نہیں ہیں ۔ ہاں! ممولے کو اوجِ آسمانی کے ہُما سے کیا نسبت ،اور ہندوستانی لنگوٹا بند ۱۰ ملنگ کو عین القضات ہمدانی ۱۱ سے کیا مناسبت ؟ جو درویش کامل اور محققّ واصل (محقق : صاحبِ کشف) ہے اس کے لیے عورتوں کے حُسن کا نظارہ اور سبزیِ گیاہ ، پانی کی آوازِ روانی اور نغمۂ رباب سب برابر ہیں کیونکہ وہ ہر حال میں تمام اشیا میں جمالِ حقیقی دیکھتا اور ہرحال میں اس کے جلوے کا نظارہ کرتا ہے ۔

بیت:

محققّ ہمان بیند اندر ابل   کہ درموب رویانِ چینن وچگل ۱۲

(صاحبِ کشف اونٹ میں وہی کچھ دیکھتا ہے جو کچھ چِینن اور چگل [ایک جگہ کا نام] کے حسینوں مَیں دیکھتا ہے)

روایت ہے کہ سیّد علی بصیر کا بیٹا ، باپ کی عداوت کے باعث ، اِدراک سے پُر

حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کی دولت سے پہلو تہی کیا کرتا ۔ حضرت کے کشف و کرامات کے مقامات اور عجائباتِ تصرفات سے (متاثر ہونے کے باعث) کبھی کبھی شوقِ زیارت اس کے دل میں پیدا ہوتا ۔ ایک رات اس کے دل میں یہ سمایا کہ حضرت کی کشف و کرامات اور خوارقِ عادات کے بارے میں بہت کچھ سنا جاتا ہے ، لیکن آج صبح اگر وہ میرے دل کی بات سے آگاہ ہو جائیں اور اپنے آپ حسین گڑھ پہنچ جائیں ، وہاں چوگان بازی کے میدان میں مجھے اپنا جلوہ دکھائیں اور اِس کے بغیر کہ میں اُن سے کسی قسم کی ارادت اور بیعت کا اظہار کروں ، وہ اپنے ہاتھ سے میری پیشانی تھامے اُسی طرح کھڑے ہو کر قینچی چلائیں اور اگرچہ میں التماس بھی کروں کہ میرے ڈیرے (گھر) تشریف لے چلیں ، لیکن وہ اسے قبول نہ فرماتے ہوئے لوٹ جائیں تو یقیناً وہ عارفِ کامل اور پیرِ مکمل ہیں اور (اس صورت میں) مَیں صدقِ دل سے ان کا مرید ہو جاؤں گا ۔ اتفاق سے وہ طلوعِ آفتاب کے وقت اپنے چند دوستوں کے ساتھ قصبۂ حسین گڑھ کے میدان میں چوگان کھیل رہا تھا کہ حضرت نے اس کے سر پر اپنا سایۂ دولت مایہ ڈالا ۔ ایک شخص نے دور سے ایک پرنور چہرہ دیکھا اور وہیں سے سید حسین خان کو خوش بختی کے اِس ورود سے آگاہ کیا اور کہا کہ استقبال کے لیے دوڑنا چاہیے ، لیکن سید حسین خان نے اپنے رات والے تصور کی بنا پر آزمایش کی خاطر تجاہل سے کام لیا اور پھر سے کھیل میں مصروف ہو گیا اور بولا : واللہ اعلم کہاں جارہے ہیں ؟ اتنے میں حضرت آکر سواروں کے درمیان کھڑے ہو گئے ۔ حسین خان گھوڑے سے اترا اور آگے بڑھ کر اُس نے حضرت کے پاے مبارک کے نیچے قالین بچھا دیا ۔ حضرت نے اُس پر پاؤں نہ رکھا ۔ اُسی طرح کھڑے کھڑے قینچی آستین سے نکالی اور اس کی دستار دستِ مبارک سے اوپر اٹھا کر پیشانی کے بال پکڑے اور قینچی چلا دی ۔ پھر تلقین کرتے ہوئے فرمایا: بابا آج کی رات (اگر) میں تیرے احوال کی طرف متوجہ نہ ہوتا اور تیرے نَفس کی بات کے مضمون سے مجھے آگاہی نہ ہوتی تو یہ سعادت تجھے کیونکر میّسر آتی ۔ خبردار! ہزار بار خبردار! فقرا کے گروہ کے ساتھ آزمایش اور انکار کی روش مت اپنانا ، اس لیے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ و تقدس جب اپنی صفتِ علیمی کے ساتھ ایک حقیقی موحّد پر جلوہ فرما ہوتا ہے تو اوّلین اور آخرین علوم اُس پر منکشف ہو جاتے ہیں اور وہ احوالِ جہاں کی حقیقت اور اہلِ جہاں کے دل کی بات کو فوراً پا جاتا ہے ۔

بیت:

مورچہ جایی کہ نہد پاے...است (؟) او بشبِ تار بداند کہ کجاست (؟)

(چیونٹی جہاں پاؤں رکھتی ہے وہ تاریک رات میں جان لیتا ہے کہ کہاں ہے)

مذکورہ سید حسین کا کہنا تھا کہ جب قصبۂ نارنول سے ہمارا گذر ہوا تو ہم شیخ نظام الدین کو دیکھنے کی خاطر پوری توجہ سے وہاں پہنچے ۔ شیخ جس کی طرف بھی نظر کرتے ۱۳ بلاشبہ اس شخص کے دماغ پر غشی اور بیہوشی کا غلبہ ہو جاتا اور اگر کبھی نظر اثر نہ کرتی تو اسی وقت وہ کوچے ہی میں بیہوشی کے بستر پر اونگھنے لگتا ۱۴ ۔ جب شیخ نے سید حسین خان کو دیکھا تو مراقبے میں چلے گئے ۔ کچھ دیر بعد آنکھ کھولی تو ان کی نظر سیّد حسین خان پر پڑی لیکن اُس پر کوئی اثر یا تغیر واقع نہ ہوا ۔ شیخ پھر مراقبے میں چلے گئے اور کچھ دیر کے بعد سر اٹھاکر اُس کی طرف تیز تیز نظر کی ۔ اس مرتبہ بھی کوئی اثر و تغیر اُس میں رونما نہ ہوا ۔ اہل مجلس حیرت میں ڈوب گئے کہ اِس ساری تکرارِ نظر کا کیا مطلب؟ اس کے بعد شیخ نظام الدین نے سید حسین خان کو اپنے پاس بلایا اور اس کے کان میں پھونک ماری ۔ حسین خان کے بقول : جب شیخ نے کان میں پھونکا تو مجھ پر کچھ اس قسم کی نقاہت اور بیہوشی طاری ہوگئی جیسی فصد کی حالت میں ہوتی ہے ، لیکن مین نے آنکھ بند کرلی اور حضرت (شیخ داؤد) کی طرف متوجہ ہوگیا ۔ اسی وقت حضرت کی صورت میری چشم بصیرت میں جلوہ گر ہوئی اور وہ غشی اور بیہوشی ایک دم جاتی رہی ۔ تمام حاضرینِ مجلس حیران رہ گئے ۔ شیخ (نظام) نے پوچھاکہ : تو نے اولیاے حق میں سے کسے دیکھا ہے ۔ اس نے کہا : میں حضرت (شیخ داؤد) کے شرفِ ارادت سے ، ان کے ہاتھ پر بیعت کرکے ، مشرف ہوا ہوں ۔ شیخ نے کہا : اسی لیے میری تیز نظر نے تجھ پر اثر نہ کیاکہ تو نے زرۂ داؤدی مضبوطی سے اٹھا رکھا ہے:۔

بیت :

کی از بیمِ سہامِ کس چنین رابرگرہ سازم (؟) کہ باتاثیر من بر تن چو داؤدی زرہ دارم(؟)

(مجھے کسی کے تیروں کے خوف سے چیں بجبیں ہونے کی کیا ضرورت ہے جب میرے پاس تیر کے ساتھ جسم پر داؤدی زرہ جیسی چیز ہے)

روایت ہے کہ سیّد شہاب الدین بخاری جن کا تعلق قصبۂ جنی سے تھا ، صحیح نسب سادات میں سے تھے اور ان کے بزرگوں کا مخدوم جہانیاں سے ارادت و خلافت کا

تعلق تھا ۔ ایک روز حضرت کی زیارت کی خاطر آستانہ مبارک کی طرف روانہ ہوئے ۔ اثنائے راہ میں انہوں نے دل میں سوچا کہ اگر حضرت میرے پہنچنے سے پیشتر ہی کباب ، ہرنی کے گوشت کا دوپیازہ اور بھینس کے دودھ کا تازہ جمایا ہوا دہی تیار کرا لیں اور میرے پہنچتے ہی اپنے سامنے رکھ لیں تو میں یقین کر لوں گا کہ وہ پیر کامل اور عارفِ مکمل ہیں ۔ اُس وقت مَیں صِدق و یقین کے ساتھ ان کے ہاتھ پر مرید ہو جاؤں گا ، اور اگر وہ تاخیر کریں اور کوئی اَور کھانا دیں تو وہ کامل ولی نہیں ہیں ۔ ابھی سید شہاب الدین راہ ہی میں تھے کہ حضرت نے خادم کو حکم فرمایا کہ لنگر کے متولی میر قبا سے کہہ کہ کہیں سے ہرنی کا گوش مہیّا کرے ، اِسی وقت کباب بنائے اور دوپیازہ پکائے اور بھینس کے دودھ سے تیار کردہ دہی لے آئے ۔ متولی تذبذب میں پڑ گیا کہ ہرنی کا گوشت کیونکر اور کہاں سے پیدا کرے ۔ خدائے بزرگ و برتر کی قدرت سے ایک ہرنی بڑی دیر سے خانقاہ کے صحن میں پھِر رہی تھی ۔ وہ اُسی وقت چھت پر پہنچی اور وہاں سے اس نے کچھ اِس طرح چھلانگ لگائی کہ اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں اور اِس عجیب انداز میں اُس نے خود کو وصالِ اقدس پر فدا کر دیا ۔ ضرورت کے تحت اُسے اُسی وقت ذبح کر کے دونوں قسم کے کھانے تیار کر لیے گئے ۔ اُسی لمحے ایک مرید بھینس کے دودھ سے تیار کردہ دہی لے آیا ۔ اُس طرف سے سیّد شہاب الدین پہنچے اِدھر سے خادم پہنچ گیا ۔ ضرورت کے مطابق دسترخوان بچھایا گیا ۔ جب شہاب نے اپنی سوچی ہوئی بات کے مطابق تینوں قسم کے کھانے دیکھے تو وہ اُٹھے اور چادر گردن میں ڈال کر زمین کو بوسہ دیا (جھک کر آداب بجالائے) اور دیر تک پائے مبارک پر اپنا چہرہ مَلتے رہے اور مرید ہو گئے ۔ حضرت نے فرمایا کہ : فقرا کے وسیلے سے دینی مرادیں اور یقینی اَسرار مانگنے چاہییں ۔ اِس جماعت (فقرا) کی آزمایش کھانے پینے کی چیزوں سے کرنا گھٹیا لوگوں کا طریقہ اور صدق و عقیدت کی دولت سے محروم رہنا ہے ، کیونکہ ممکن ہے کسی موقع پر وہ اِس طرف توجہ نہ کریں تو اس وقت کرامت کا معاملہ کہاں انجام پذیر ہوگا ۔

بیت :

کراماتِ ولی ہم اضطراریست نہ زانگونہ قفل ہم اختیاریست

(ولی کی کرامات بھی اضطراری ہیں ، اِس قِسم کی بات سے بازگشت بھی اختیاری نہیں ہے)

روایت ہے کسی کیمیا گر درویش کو خواب میں کہا گیا کہ تیرے سلوک و معرفت کی کشایش ایک ایسے آدمی پر موقوف ہے جس کا پاجامہ کبھی ٹخنوں سے نیچے نہ ہوا ہو اور جس نے کبھی خلافِ شریعت کوئی کام نہ کیا ہو ۔ نیز اس کا مسکن لاہور اور ملتان کے درمیان ہو ۔ جب وہ شخص ستگھرا پہنچا تو (مذکورہ) نشانی پوچھتا پاچھتا شیر گڑھ آنکلا ۔ اس نے دل میں نیّت کی کہ اگر میرے پہنچتے ہی مجھے اپنے حضور میں مچھلی کھلائیں تو میں یقین کرلوں گا کہ وہ میرے پیر ہیں ۔ اس روز حضرت نے گھر میں کہہ رکھ تھا کہ مچھلی پکائیں ۔ جب لنگر کا خادم آیا تو اُس نے بعض اَعیان و اشراف کو، جو خدمت حضرت میں بیٹھے تھے ، کھانا کھانے کے لیے بلایا اور اس درویش کو بھی طلب کیا ۔ حضرت نے فرمایا : اِس درویش کو ہم کچھ کھلائیں گے اور پھر حکم دیا کہ گھر سے مچھلی لائی جائے اور درویش کو کھانے کے لیے دی جائے ۔ خادم نے مچھلی لا کر کھلا دی ۔ درویش مرید ہوگیا ۔ جب خلوت ہوئی تو اس سے فرمایا : اگر میں تجھے مچھلی نہ دیتا تو تُو سعادتِ ارادت اور دولتِ عقیدت سے محروم رہ جاتا ۔ ایک روز اس نے عرض کیا کہ یا حضرت ! میں علم کیمیا جانتا ہوں ۔ مجھے لنگر کے بیحد خرچ پر حیرت ہے ۔ کسی خادم کو سکھادوں ، اور یہ بُل کلنگ (؟) ہے ۔ حضرت نے جیسے ہی یہ بات سُنی ، طیش میں آگئے کہ مَیں تو اِس بات پر مامور ہوں کہ لوگوں کے دلوں سے دنیا کی مَیل نکال باہر کروں اور تُو ہے کہ ہمیں اصل میل دکھا رہا ہے ۔ خبردار ، پھر اس قسم کی بات نہ کرنا اور اس بل کلنگ کو گہرے پانی میں پھینک دے اور توبہ کر ۔ حضرت کے پاک انفاس کی برکت سے اس پر اثر ہوا اور اس بل کو اس نے مچھالہ تالاب کے پانی میں پھینک دیا ۔ حضرت نے فرمایا کہ پھر اس کا ارادہ نہ کرنا ، اور اگر تو نے کیا تو اچھا نہ ہوگا ۔ میں نے تو لنگر خدا کی مہربانی سے اختیار کر رکھا ہے ، میں یہ قبول نہیں کر رہا تھا لیکن جب تاکید فرمائی گئی کہ لنگر کا ضامن اللہ سبحانہٗ کا کرم ہے ، تو اس وقت میں نے قبول کر لیا ۔ لہٰذا ایک من غلہ بھی محلِّ معاش سے میرے لیے تجویز شدہ ہے جو لنگر میں صرف کرنے کے لیے ہے ۔ لیکن (وہ جو تُو بتا رہا ہے) وہ تو شک اور مکر کے ذریعے سے ہے ۔

روایت ہے ایک روز حضرت پر حال طاری تھا ۔ اس روز جو بھی اندھا ، بہرا ، گونگا اور مفلوج حضرت کی نظرِ شریف سے گذرا ، شفایاب ہوگیا ، ہرچند ان لوگوں کی تکلیفیں سالہا سال سے پرانی ہوچکی تھیں ، لیکن وہ پورے طور پر صحتمند و تندرست ہو

گئے ۔ کوئی بیس سے زیادہ ایسے آدمی ہوں گے جنہیں اُس روز عافیت و سکون میسر آیا ۔ اِس کے بعد حضرت کچھ زیادہ ہی ملول ہو گئے اور فرمانے لگے : یہ مرتبہ قانون پہر ۱۶ ہے اور ان چیزوں پر قناعت کر لینا شہودِ پاک کی حقیقتوں کی باریکیوں سے محروم رہنا ہے ۔

روایت ہے ایک روز لنگرِ منّور میں کوئی نذر نیاز نہ پہنچی ۔ میر قباد نے طعام اور دوسری ضروریات کے خرچ کی خاطر ایک ہندو کی دکان سے قرض لیا ۔ دوسرے روز نمازِ اشراق کے وقت وہ اُس قطبِ آفاق کی خدمت میں پہنچا اور عرض پرداز ہوا کہ کل دولت خانے میں کچھ بھی نہ تھا ، ایک دوکان سے میں نے قرض لے کر کھانا پکوایا اور لوگوں میں تقسیم کیا اور آج بھی کوئی چیز ہاتھ نہیں لگی جو میں فقرا اور وابستگاں کی خوراک کا بندوبست کرتا ۔ حضرت نے فرمایا : اے بے عقل ! میں نے تجھے اِس لیے یہاں بٹھایا ہے کہ جو کچھ بھی یہاں آئے وہ تُو مستحقین میں تقسیم کردے اور مسکینوں کو دے دے ؛ میں نے یہ نہیں کہہ رکھا کہ اگر کچھ میسر نہ آئے تو ہر صورت بہم پہنچا اور تدبیر کے لاشہ کو دَوڑا ۔ خبردار ! اِس کے بعد سے ایسا نہ کہنا اور قرض کی راہ پر مت چلنا ، کیونکہ اگر مذکورہ قرض ادا کرنے میں تُو کامیاب نہ ہوا تو اس صورت میں تُو حد سے تجاوز کرے گا ، اس لیے کہ اس قدر روپیہ تُو نے قرض دار سے لے کر بہانے سے اس پر قبضہ جمایا اور اس طرح اس بیچارے پر ظلم کیا ۔ میر قباد یہ باتیں سُن کر پریشان ہوگیا اور سراپا ندامت بن گیا ۔ باہر آکر ٹھنڈا ہو کے بیٹھ گیا ۔ ابھی ایک لمحہ گذرا تھا کہ ایک شخص نے آکر گیارہ اشرفیوں کی نیاز پیش کی ۔ یہ نیاز حضرت نے میر قباد کو بھجوا دی اور فرمایا کہ : اے دوں ہمت انسان! اسے اسی لمحے خرچ کر ڈال ، کہیں کل کے لیے کوئی فلوس بچا رکھے (نہ بچا رکھنا) ، کیونکہ ان سب چیزوں (پیسے) کی حیثیت ہوا کی سی ہے ، اور اس کے مدخل کا اندازہ مخرج کی مقدار پر ہے ، کیونکہ کسی گھر میں موجود ہَوا جب تک کسی مقیند (؟) سے باہر نہیں آئے گی اُس کی جگہ دوسری ہوا اس گھر میں داخل نہیں ہو سکے گی ۔ جان لے کہ اس لنگر کا اختیار اور انحصار قطعاً مجھ پر یا تجھ پر نہیں ہے ۔ اس لنگر کا کفیل وہ ہے جس کی قدرت و تصرف میں کسی قسم کا رخنہ و خلل نا ممکن ہے ۔ میرے اور تیرے ذمّے بس یہی خدمت ہے کہ جو کچھ بھی ملے اسے دست بدست آگے دے دیا جائے ۔

نظم :

دستِ خاقان کہ بدولابِ روان (می) مانَد　　　　　یکی دست بر آرد بدگر دست دہد

(خاقان یعنی بادشاہ کا ہاتھ چلتے ہوئے رہٹ کی مانند ہے کہ ایک ہاتھ سے باہر لاتا اور دوسرے ہاتھ سے دے دیتا ہے)

روایت ہے کہ حضرت کے فیض نشان زمانے میں ایک موقع پر بارش نہ ہوئی ۔ مدتِ مدید تک شاہدِ آسمانی نے بادل کی چادر کے سراپردہ سے قطعاً نقابِ آب نہ اٹھائی اور آفتاب کی گرمیِ آتش کے باعث انسانوں اور حیوانوں کے دِلہاے کباب (بُھنے ہوئے دل) سے خونِ ناب (خالص خون) کے آنسو جاری ہو گئے ۔ خُرد و کلاں پر مشتمل ایک بہت بڑی جماعت حضرت پیرِ دستگیر کے پاس فریاد لے کر آئی ۔ حضرت نے کچھ دیر تامّل کیا ، پھر فرمایا کہ سب لوگ کیا چھوٹے کیا بڑے ، مٹکے اور سبو ہاتھوں میں اٹھالیں اور جس قدر بھی انہیں بھر سکیں بھر لیں پھر زمین پر انڈیل دیں ۔ جب حسبِ طاقت اس عمل میں کوشش کریں گے ، انشاءاللہ تعالیٰ بارش برس پڑے گی ۔ جیسے ہی یہ بدیع اثر خبر شہر میں منتشر ہوئی (پھیلی) ، ہر وضیع و شریف کوزہ و کاسہ ہاتھوں میں تھامے ، گرم موسم میں بارش کی آرزو لیے ہوا کی صورت ندی نالے کی طرف دوڑا ، لوگوں نے خدائی حکیم و دانشمند (داؤد) کے حکم سے کنوئیں کے قطراتِ آب کو لامحدود فیض کی حامل بارشوں کا بیج گرداتے ہوئے پانی زمین پر گرادیا ۔

نظم

ریخت ہر یک ز روی صدق و یقین　　　　　تخمِ باران آسمان بزمین

(ہر کسی نے خلوص و یقین کے ساتھ آسمانی بارشوں کا بیج زمین میں بودیا)

تخم برخاک و سر بچرخ برین　　　　　عقل حیران ز کشت کار چنین

(بیج زمین پر اور سربلند آسمان کی طرف ، عقل اِس قسم کی کاشت کاری سے حیران تھی)

اتفاقاً اِس عمل کے شروع ہوتے ہی ، جو بظاہر آسان و سہل اور اثر میں مکمل و اَتم تھا ، کوئی ایک لمحے کے اندر بارش شروع ہو گئی ۔ مصرع :

ابرِ دُربار چو چشمِ عاشق اندر حسرتِ یار

(موتی برسانے والا بادل بالکل اِسی طرح ، جس طرح دوست کی حسرت میں عاشق کی آنکھیں برستی ہیں)

یہاں تک کہ گھرے بادلوں اور شدید بارش کے باعث چاروں طرف تاریک رات سے بھی زیادہ گھور اندھیرا چھا گیا اور دن کے تین پہر تک کوئی درودیوار اور اشجار بالکل دکھائی نہیں دے رہے تھے ۔ اور پھر آغازِ شام کے دیو صورت کٹھہرے (؟) سے انجامِ صبح تک تمام شب آہستہ آہستہ

بیت :

سحاب از مَشک مروارید می ریخت   زعنبر خوردۂ کافوری ریخت

(بادل مَشک سے مروارید یعنی موتی گراتا رہا اور عنبر خوشبو سے کافور کا خوردہ گراتا رہا)

اصحابِ کبار (بڑے بڑے ہم نشین و دوست) میں سے کسی نے اِس انوکھے اثر والے عمل کے بارے میں اِستفسار کیا تو حضرت نے فرمایا : ان لوگوں کے عدم اظہارِ عجز و انکسار کے باعث دل میں بہت کدورت وغبار بھر گیا تھا ، اِسی دوران میں آیتِ کریمہ "أمَن یُجیب المضطر اِذادعاه" ضمیر کے آنگن میں چمک اٹھی ۔ اس بنا پر اس کام کا حکم دیا گیا جو نہایت عجزو اضطرار کی حامل احتیاج پر مشتمل تھا ۔ نتیجتہً ابرِ کرم برسنے لگا۔

روایت ہے کہ نگر خان کھوکھروں کا سردار تھا ۔ ان لوگوں نے قصبہ جُھنی کے متصّل کچھ علاقے آباد کر رکھے ہیں ۔ یہ نگرخان اکابر مَنش (بڑے لوگوں کے سے مزاج والا) ، بزرگانہ لباس اور بہت ہی خوبصورت تن و توش والا تھا ۔ اسے حضرت کے خادموں سے ارادتِ صافی اور عقیدتِ کافی تھی ۔ غالباً بعض اوباش اور لفنگے لوگوں کے ساتھ صبحت رکھنے کے باعث وہ دو درم بھنگ پینے کا عادی ہو گیا ۔ اس کے دینی دوستوں اور گھرے یاروں نے اس صورت حال کو حضرت تک پہنچانا ضروری جانا ۔ چنانچہ انہوں نے حضرت کے گوشِ سروش نیوش (فرشتے کو سننے والے کان) میں آہستہ سے یہ بات پہنچا دی اور اس بات پر اصرار کیا کہ اسے اس بدعت سے بچنے کی تلقین کرنا ضروری ہے ۔ جب نگر خان حضرت کی خدمت میں پہنچا تو اس نے سر جھکا لیا ۔ حضرت نے تین انگلیوں سے خاک اٹھا کر ہتھیلی پر رکھی اور اشارے سے اسے بتایا کہ اتنی خاک کھا لوگے یا اس سے زیادہ ۔ کہنے لگا : اِتنی ہی ۔ حضرت نے اس میں تین گنا اضافہ کرتے ہوئے فرمایا کہ :

آج کے بعد سے ہر روز اتنی ضرور کھا اور ناغہ نہ کر یہاں تک کہ تیرا کام بن جائے ۔ اس فیض سرشت صحبت کے تمام حاضرین ، بالخصوص وہ احباب جنہوں نے پند و نصیحت کے اس سلسلے کی تحریک کی تھی ، بہت ہی حیران بلکہ شرمندہ ہوئے ۔ جب حضرت اٹھے اور اندر چلے گئے تو سب نے عرض کیا کہ چند نامرادوں کی التماس نے عجیب اُلٹا نتیجہ دیا ہے ۔ مقصد تو یہ تھا کہ اسے کی گئی ڈانٹ ڈپٹ اہلِ بدعت کے گروہ کے لیے باعث غیرت ہو ، لیکن اب اس پر پابند رہنے کی ترغیب اور زیادہ تحریص سے تو یہ خبر تمام عالم میں مشہور ہو جائے گی اور اہل جہان پر فتنہ و فساد کا دریچہ وا ہو جائے گا کہ حضرت نے اس قسم کا حکم کیا ہے ۔ فرمایا : یہ حکم عام نہیں ہے خاص ککر خاں کے بارے میں ہے ، اس لیے کہ تقدیر نے اس ناپاک گیاہ (بھنگ) کی کچھ مقدار اس جوان کے مقدر میں لکھ رکھی تھی ۔ اگر وہ کم کھاتا تو ایک مدت درکار ہوتی کہ وہ اس عادت سے پیچھا چھڑا لیتا ۔ میں نے جو زیادہ کھانا اس کے لیے ضروری قرار دیا تو اس لیے کہ اس کا جو مقرر مقسوم ہے وہ جلد ختم ہو ، اور اس کی توبہ کی دوپہر کا وقت جلد آئے ۔ ککّر خان نے اس نائبِ رحمان کے حسبِ فرمان ، اُسی طرح اپنی روز مرہ کی مقدار میں تین گنا اضافہ کر کے کھانا شروع کر دی ۔ اس بات کو ابھی ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ اس کی طبیعت اس سے پورے طور پر پھر گئی اور حافظِ شیراز کے اِس دل نواز مضمون کی لطافت ظاہر ہوگئی :

بیت

بمی سجادہ رنگین کن گرت پیرِ مغان گوید   کہ سالک بی خبر نبود زراہ و رسمِ منزلہا ۱۸

(اگر پیرِ مغاں یعنی مرشد تجھے کہتا ہے کہ جانماز کو شراب سے رنگین کر لے یعنی اُس میں ڈبولے تو تُو ایسا کر لے ، کیونکہ سالک منزلوں کے طور طریقوں اور راستوں سے بے خبر نہیں ہوتا)

روایت ہے ایک روز جامع مسجد میں آکر کھڑے ہو گئے اور اصحاب و احباب پر فیض کے در کھولنے لگے ۔ اِس مسجد کے صحن میں ایک گڑھا تھا جسے پُر کرنے کے لیے کچھ مٹی درکار تھی تاکہ سطح ہموار ہو جائے ۔ اس وقت قرب و جوار کے قصبوں کے بہت سے اعیان و اشراف اور ہر دیار کے صوفیانِ صاحبِ اسرار حاضر ہو کر اوجِ ہدایت کے اُس چاند

ے گرد حلقہ باندھے کھڑے تھے ۔ اچانک الہام کی حامل زبان پر یہ الفاظ آئے کہ ہر کوئی
شخص اپنی ہمت کے مطابق اس گڑھے میں مٹی ڈالے اور سعادتِ ابدی حاصل کرے ۔
فیض سے پُر اس دعوتِ عام کی عشرت نے سامعین میں حرکت پیدا کردی ۔ چنانچہ ہر فرد
غبار اور گرد کو ریحان کی مانند جھولی اور گدڑی میں اٹھانے اور اس صحن میں ، جو زمین
سے چند گز کی بلندی پر تھا ، لاکر تہ بتہ گرانے لگا ۔

بیت :

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشۂ چشمی بما کنند۱۹
(وہ جو اپنی نظر سے خاک کو بھی کیمیا بنا دیتے ہیں کیا ممکن ہے کہ ہماری جانب بھی گوشۂ چشم
کریں گے)

طریقت کے چاروں اطراف کے اس کوتوال کی نظروں کے سامنے گوہرِ حقیقت کے ظہور کی
امید میں ان لوگوں نے مٹی کے ڈھیر لگا دیے ۔ میر زین العابدین مشہدی جو قصبۂ
مصطفیٰ آباد کے سادات کا سربراہ اور حضرت سے ارادت کی راہ پر ہمیشہ صدق و عقیدت
سے گامزن تھا ، مسجد کے صحن سے نیچے اترا ۔ اس نے اپنے کندھوں سے قیمتی دوشالہ
اتار کر زمین پر رکھا اور اس مٹی کو کمال رغبت اور انتہائے خواہش کے ساتھ ، کمر باندھے ،
کندھوں پر اٹھایا اور صحنِ مسجد تک لے گیا۔ (اسی طرح) حق پرستی اور خدا اندیشی کے
سمندر میں مستغرق بندگی شیخ حامد قریشی نے اپنی مرقعہ گدڑی زمین پر بچھائی اور اپنی
ہمت و طاقت کے مطابق اپنا حصہ لیا (مٹی ڈالی) ۔ اتفاق سے یہ دونوں عزیز یک وقت
پہنچے اور انہوں نے خاکِ پاک ، حضرت کے پائے مبارک کے سامنے ڈال دی جسے حضرت
پورے اہتمام کے ساتھ اپنے پاؤں سے کوٹنے اور اولی الابصار (صاحبان بصیرت) کی آنکھوں
کے لیے اس غبار کو کحل جواہر (موتیوں کا سرمہ) بنانے لگے ۔ جب دونوں یار پھر اپنے
کام کے لیے چلے تو حضرت نے شیخ حامد کا ہاتھ دست مبارک میں تھامتے ہوئے فرمایا:
بس کر ، لیکن میر زین العابدین سے بس کرنے کو نہ فرمایا ۔ چنانچہ جب تک صحن کی سطح
ہموار نہ ہوگئی میر کام سے نہ بیٹھا ۔ جب یہ کام مکمل ہوگیا تو اصحاب میں سے کسی نے
پوچھا کہ : زین العابدین اور شیخ حامد دونوں نے یک وقت کام شروع کیا تھا ، لیکن
حضرت نے شیخ حامد کو تو روک دیا اور میر کو پھر دوڑادیا ، اس کا سبب کیا تھا ؟ ، بلکہ میر

رعایت کا کہیں زیادہ حقدار تھا ، کیونکہ شیخ حامد تو خانقاہ کے صوفیوں میں سے ہے ۔
حضرت نے فرمایا : اگر میر زین العابدین رُک جاتا تو اس کے کام بننے میں رخنہ پڑ جاتا ، اس لیے کہ برائیوں کا کفارہ اور ہلاکتوں کے بھنوروں سے اس کی نجات اِس میں تھی کہ وہ ذاتی طور پر مسجد کی خدمت کرے اور جس قدر وہ کام کرنے کی کوشش کرے گا (اسی قدر جلدی) دنیوی وبال کے ایام ۲۰ سے سبکدوش ہو جائے گا ۔ اگر شیخ حامد کو اس کام کے لیے ایک سے زیادہ مرتبہ کہتا تو اس کا وقت ہی ضایع کرتا ، اس لیے کہ وہ صوفی ہے اور جب کوئی صوفی فکرِ حق کے علاوہ کسی اور فکر میں مشغول ہو گا تو یہ اس کے وبال اور عقوبت کا باعث ہوگا۔

نظم:

ہین بہر فکری کہ خواہی دل سپرد　　از تو چیزی درنہان خواہند بُرد
پس بدان مشغول شو کان بہتر است　　تاز تو چیزی برند کان کہتر است
ہر چہ اندیشی و تحصیلی کُنی　　می درآید دُزد زانسو کایمنی

(دیکھ ! جس بھی فکر میں چاہے دل لگا لے ۔ تجھ سے خفیہ طور پر کچھ لے لیا جائے گا)
لہٰذا اُس کام میں مشغول ہو جو بہتر ہے تاکہ تجھ سے جو چیز لی جائے وہ کمتر درجے کی ہو
جو بھی تو سوچتا اور حاصل کرتا ہے ، چور اُسے چرانے کے لیے کسی ایسی جگہ سے وارد ہوتا ہے جسے تو محفوظ سمجھتا ہے)

اُس زمانے میں مصطفیٰ خان آباد کا حاکم ایک افغان تھا ۔ وہ میر زین العابدین سے ہمیشہ اِس بات کا اظہار کرتا کہ تیرے پیر کے بارے میں میرے دل میں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے ۔ کسی دن ان کی زیارت کو جاؤں گا اور ان سے پوچھوں گا ۔ دیکھیں کیا جواب دیتے ہیں ۔ ہر چند میر نے اس سے کہا کہ تو مجھے بتا دے تاکہ میں ان سے التماس کر کے جواب لوں ۔ وہ نفی ہی میں جواب دیتا اور کہتا : نہیں مَیں خود پوچھوں گا ۔ جب یہ بات تین مرتبہ اس کی زبان پر آئی تو مِیر نے حضرت دستگیر کی خدمت میں اس کی بات کردی ۔ حضرت نے فرمایا : اُس سے کہہ کہ وہ آئے اور شُبہ دور کرلے ، کیونکہ تذبذب کا شکار دل کسی کام کا نہیں ۔ جس روز وہ افغان حضرت کی زیارت کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوا تو مِیر نے اُس سے کہا : تمہارے دل میں جو بھی خدشہ ہے باہر لے آؤ ۔ افغان

بولا : یا حضرت! میں نے اہلِ حکومت کے دستر خوان پر دیکھا ہے کہ لوگوں کو ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق کھانا دیتے ہیں ، اور جیسا کہ سُنا جاتا ہے ، یہاں لنگر میں بھی وہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، کسی کو چاول اور گوشت دیتے ہیں تو کسی کو دال روٹی اور کسی کو جوار کا دلیہ ۔ میرے دل پر یہ بات بہت گراں گذرتی ہے کہ آپ کے دولت خانے پر یہ امتیاز کیوں روا رکھا جاتا ہے ۔ خدا کے تمام بندوں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھنا اور دستر خوان ایک جیسا ہونا چاہیے ۔ حضرت نے تبسّم کیا اور فرمایا : اے عزیز! مجھ پر اللہ کی سُنّت جاری ہے (اللہ کا طریق اختیار کیے ہوئے ہوں) ۔ مخلوق کے ہر طبقے کی قسمت اور اس کا رزق الگ الگ ہے ، کیونکہ اس سلسلے میں "خلق الانسان مِن تفاوتِ" ۲۱ ملحوظ ہے ۔ چنانچہ حضرتِ ذوالجلال بخشش و عطا کے خوان سے ہر بندے کو اس کے احوال و اوضاع کے مطابق رزق عطا کرتے ہیں ۔ سو اہلِ تمیز کے لیے لازم ہے کہ وہ اس سر رشتہ کا تحفظ اور اس ضابطے کا پاس کریں ۔ کیونکہ آدابِ مہمانداری میں اچھا طریق یہ ہے کہ کھانا مہمان کی وضع کے مناسب اور اس کی غذا و خوراک کے موافق پیش کیا جائے اور اگر ایسا کھانا نہ دیا جائے تو ذرا سوچو کہ اگر تمہیں جو کی خشک روٹی دی جائے تو تم کھا نہ سکو گے اور نہ وہ تمہارے حلق ہی سے نیچے اترے گی ، جس کے نتیجے میں تم پیٹھ پیچھے میزبان کی مذمت کے مرتکب اور یوں گنہگار ٹھہرو گے اور اگر عوام الناس کو چرب و شیریں اور لذیذ کھانے کھلائے جائیں جو انہوں نے زندگی بھر نہ کھائے ہوں تو اس قسم کے نفیس کھانوں کی آرزوے دوام اور اُمنگ انہیں اذیت اور تکلیف میں مبتلا کیے رکھے گی۔

روایت ہے کہ شیخ سلیمان کھوکھر حضرت کا قدیمی مُرید اور صمیمی (مخلص) معتقد تھا ۔ اسے عجیب صدق اور ارادت تھی ۔ اس کا قبیلہ اباً و جداً (باپ دادا سے) سلسلہ چشتیہ کا مرید تھا ۔ اِس سلسلے سے اُس کے منسلک ہونے کا سبب یہ ہے کہ ایک موقع پر جب اس کے گھر بچی پیدا ہوئی تو اس نے قبیلے کے ضابطے کے پیش نظر اس بچی کو مار ڈالنے کا حکم دیا ۔ سلیمان کی ماں نے اس بچی کے قتل کو روا نہ جانا ۔ سلیمان ناراض ہو کر گھر سے نکل گیا اور پوری دل بستگی (مراد دل تنگی) اور غم کے ساتھ قصبۂ جُھنی میں بیٹھ رہا ۔ اچانک اسے حضرت کے تصرفات کے غلغلہ کی خبر ہوئی ۔ جب اس نے آستانہ مبارک پر مریدوں کی ایک جماعت دیکھی جو آسمان کی سی عظمت والی خانقاہ کے صحن میں مشغول تھی ، تو اس نے بھی ایک بیلچہ پکڑا اور شوق کے ساتھ زمین کھودنے میں مصروف ہو

گیا ۔ اِسی دوران میں حضرت ساتھیوں کی خاطر روٹیوں اور سالن کے خوان اپنے ساتھ لے کر آگئے ۔ حضرت نے (جو اسے دیکھا تو) پوچھا کہ یہ جوان کون ہے ؟ اس نے عرض کیا کہ میں کھوکھر ہوں ۔ حضرت نے فرمایا : تو وُہی نہیں ہے جو ، اپنی بیٹی کو مارنے سے روکے جانے پر اپنی ماں سے ناراض ہو کر چلا آیا ہے ۔ شاید تجھے علم نہیں کہ وہ بچی خدا کی بندی ہے اور خدا ہی کے حکم پر اسے وجود ملا ہے ۔ جا! ماں کا دل راضی کر ۔ اس کے حکم سے سرتابی نہ کر ۔ وہ گردن میں دستار ڈال کر تائب ہوگیا اور مریدی اختیار کر کے دوڑتے ہوئے گھر چلا گیا ۔ جاتے ہی، پوچھنے لگا : بچی کہاں ہے ؛ اس کی ماں نے ملال کے خوف سے کہا کہ ہم نے اسے دودھ نہ پلایا اور وہ مر گئی ۔ سلیمان زار و قطار رونے لگا ۔ اِس پر اُس کی ماں بولی : وہ ہے تو زندہ ، لیکن تجھ میں یہ شفقت کہاں سے پیدا ہو گئی ؟ سلیمان نے سارا ماجرا کہہ سنایا ، جس کی بنا پر ماں نے حسرت پر غلبہ پالیا (اس کا خوف جاتا رہا)

روایت ہے کہ اِسی سلیمان کے گھر اولادِ نرینہ نہیں ہوتی تھی ۔ جب کبر سنی کو پہنچا تو حضرت کی خدمت میں (ایک روز) رو دیا اور بہت ہی عاجزی اور گریہ و زاری کرنے لگا کہ تمام عمر بیٹے کی آرزو میں بسر ہو گئی ، سرگردانیوں میں وقت کٹا ، لیکن بیٹے کی ولادت دیکھنا قطعاً نصیب نہ ہوئی ۔ مجھے یقین ہے کہ جب تک حضرت متوجہ نہیں ہوں گے ۔ میرے دل کی یہ مراد پوری نہ ہوگی ۔ فقیروں اور غریبوں کی پناہ گاہ یعنی اس خانقاہ میں ایک کالی سیاہ بلی تھی ، جس کا نام مولہ تھا ۔ یہ بلی اکثر ، اسلام کے اس شرآح (بہت زیادہ تشریح کرنے والے) کے اردگرد پروانہ وار منڈلاتی رہتی ۔ حکم صادر ہوا کہ اِس مولہ کو گھر لے جا اور بیٹے کی طرح اِس کی پرورش کر ۔ جب بیٹا پیدا ہو تو اسے واپس میرے پاس لے آ اور بیٹے کا نام علی رکھنا ۔

بیت :

بحکم و حکمتِ آن عقل رہ کجا دارد　　کسی کہ کار سلیمان بگربہ بسپادر

(جو شخص سلیمان کا کام بلی کے سپرد کرتا ہے اس کی حکمت و حکم تک عقل کی رسائی کیونکر ممکن ہے)

شیخ سلیمان نے قضا و قدر کے سے فرمان کی صورت اِس فرمان کے مطابق ، شیفتگی و

سرمستی کے عالم میں، بلّی کو گود میں اٹھایا اور گھر لے گیا ۔ بلّی کے لیے اُس نے چارپائی پر ایک نرم اور پاکیزہ بستر بچھایا اور فرزندِ ارجمند کی مانند اس کی پرورش شروع کر دی ۔ عمدہ کھانا پہلے اس کے آگے رکھتا پھر خود کچھ کھاتا ۔ خدا کی قدرت چند ہی ماہ کے بعد اس کی بیوی امید سے ہو گئی اور میعاد پوری ہونے پر اس نے ایک تندرست بچے کو جنم دیا اور اس کا نام علی رکھا ۔ جس لمحے شیخ سلیمان کی بیوی نے بیٹے کو جنم دیا، مَولہ اسی وقت وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی اور راتوں رات دس کوس کا فاصلہ طے کر کے نمازِ فجر کے وقت اس نے حضرت داؤد قدس سرّہ تک لڑکے کی خبر پہنچادی ۔ جب سلیمان نے بلی مولہ کو بستر پر نہ دیکھا تو حیران رہ گیا ۔ کافی دیر کی تلاش و جستجو کے باوجود جب اس کا کوئی اتا پتا نہ چلا تو سراسیمگی کے عالم میں حضرت کی خدمت میں دوڑا اور بیٹے کی ولادت اور بلّی کی گم شدگی کا ماجرا عرض کیا ۔ حضرت نے فرمایا: مولہ راتوں رات یہاں پہنچ گئی اور تیرے بیٹے کی خوش خبری لائی تھی ۔

بیت:

نہی کمالِ تصرف کہ کارِ شیران را   بزورِ قدرت باطن بگربہ فرمود

(اِس کمالِ تصرف یعنی کرامت کا کیا کہنا کہ شیروں کے کام اپنے باطن کی قوت کے زور پر ایک بلّی سے لیے)

روانست حکم سلیمان بوحش و طیر یقین   بگربہ کارِ سلیمان سپردن داؤد

(حضرت سلیمان کا حکم چرند پرند پر چلتا ہے ۔ تو داؤد کا [یہ کمال] دیکھ کہ انہوں نے سلیمان کا کام بلی کے سپرد کیا)

روایت ہے ایک صحرا نشیں قاضی اہلِ یقین مریدوں کی جماعت کے ساتھ راوی کے نواح سے زیارت کے لیے آیا۔ وہ کچھ زیادہ ہی تعظیم و تکریم کی توقّع لے کر آیا تھا، کیونکہ حضرت کی طرف سے اس کی عزت افزائی سے ہمراہیوں کی نظروں میں اس کی قدرو قیمت بڑھ جاتی ۔ حضرت نورِ باطن سے اس کے اِس خیال کو پا گئے اور خلافِ معمول اُس کی طرف انہوں نے نہ تو توجہ کی اور نہ کوئی تعظیم ہی کی ۔

بیت:

بندگانِ خاصِ علّام الغیوب   درجہانِ جان چورش القلوب

درہمہ دلہا روانہ چون خیال ۲۲ ...

درتن کنجشک چہ بود برگ وساز   کہ بود پوشیدہ آن برعقل باز

(غیب کا علم رکھنے والی اس ذات کے خاص بندے جان کی دنیا میں اِس طرح ہیں جس طرح دلوں کی ریزش (؟)

تمام دلوں میں وہ خیال کی طرح رواں دواں ہیں ......)

چڑیا کے جسم میں اتنا سازو برگ یعنی گوشت ہوتا ہی کہاں ہے جو وہ باز کی عقل سے مخفی رہ جائے)

اگرچہ اس کے ساتھیوں نے اس کی تعریف کی لیکن حضرت نے اس کی طرف توجہ نہ فرمائی ۔ ویسے بھی حضرت کسی متکبّر اور جابر کی طرف کبھی توجہ نہیں کیا کرتے تھے ۔ اسی اثنا میں ایک سفید دستار آدمی دیار ہندوستان کے سفر سے آیا۔ اس نے سونے کی گیارہ اشرفیاں نیاز کے طور پر پیش کیں ۔ حضرت نے بڑی عنایت و محبت سے اس کا حال احوال پوچھا اور اپنا دستِ نوازش اس جوان کے سر اور کندھے پر رکھا ۔ ناراض قاضی کچھ اور بھی بھنّا اٹھا اور اس کی تلخ مزاجی اور حوصلہ ضبط اور قابو سے باہر ہوگیا ۔ بولا : حضرت میری طرف اِس لیے متوجہ نہیں ہوئے کہ میں نے کوئی نذر پیش نہیں کی۔ یہ دیہاتی اِس لیے مہربانی اور نوازش و عنایت کا مورد ٹھہرا کہ اس نے چند اشرفیوں کا نذرانہ دیا ۔ میں تعظیم کا مستحق تھا ، میرے ساتھ تجاہل (بے توجہی) سے کام لیا اور اِس بھول کی یہ تواضع ، عجیب سی بات ہے ۔ حضرت نے تبسّم کرتے ہوئے فرمایا : اے سادہ لوح ! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا بھر کی پونجیوں (دولت سرمایہ) میں عزیزوں کے بیش بہا جواہر محض محبت و اخلاص ہیں اور بس ، اس لیے کہ نظام کائنات انہی سے مربوط اور وابستہ ہے اور "دل کی محبت ہاتھ سے ظاہر ہے" اور (اس سلسلے میں) قاطع دلیل اور برہانِ ساطع (روشن دلیل) ہے ۔ اس جوان نے بے پناہ محنت ، بے پایاں مشقت اور صد خونِ جگر سے رقم حاصل کی ، راتوں کو کمر جاگتا رہا ، سردیوں کی سختی جھیلی ، اس کی جسمانی تکلیف ، ترکِ وطن ، جنگلوں صحراؤں کا سفر اور ہر قسم کی ناداریوں کا سامنا ، سب کچھ اسی زر کی خاطر تھا ، کہ یہ اس کا طبعی محبوب ہے ؛ اور یہ اُس کے انتہائی اخلاص و محبت کی صداقت ہے کہ وہ اپنے محبوب (زر) کو فقرا پر نثار کر دے ۔ تو مَیں نے جو اس سے اعتنا کیا اور تواضع سے کام لیا تو یہ اس کی محبت کا ثمرہ ہے ، اس لیے

۔ اخلاص کا درخت برگ و بر سے کم ہی خالی ہوتا ہے۔

بیت:

ہر کس کہ ز رُوی صدق مارا باشد ما نیز ز روی لطف اورا باشیم
(جو کوئی بھی صِدق کے ساتھ ہمارا ہو گا ، ہم بھی لطف و مہربانی کے ساتھ اس کے ہوں گے)

ب تم ذرا انصاف کے گریبان میں سر ڈالو اور اپنے اخلاص کی پونجی کا جائزہ لو ، کس طرح تم صحرا کے اس سارے راستے نفس کی یہ خواہش خود پر مسلّط کیے رہے کہ "مَیں فلاں سے ملوں گا ، دیکھتا ہوں وہ کس قدر میری تعظیم و تواضع کرتا ہے" ، تاکہ لوگوں میں تمہارے لیے نفسانی فخر و مباہات کا باعث بنے ، اور اگر فُلاں (مَیں یعنی شیخ داؤد) تعظیم نہیں کرتا تو مَیں (جوان) اُس سے اُلجھوں گا اور چرب زبانی کروں گا تاکہ سب کے لیے میرا پایۂ اصالت اور مایۂ بلاغت ہم نشیں ٹھہرے ؛ اور (تیری یہ سوچ) راستی و انصاف کے خلاف ہے ۔ تو خود ہی اس شخص کی محنت کو جانچ اور اچھی طرح ملاحظہ کر تاکہ تیری بے انصافی پر اس کے اخلاص کو جو ترجیح دی گئی ہے اسے تو ظاہر دیکھ لے ، اور یہ دیکھ کہ تو کس طریق سے آیا ہے اور اس نے کون سا راستہ اختیار کیا ہے ۔

بیت:

خواہی کہ عیبہای تو روشن شود بتو یک دم منافقانہ نشین درکمند ۲۳ خویش
(اگر تو چاہتا ہے کہ تیرے عیب تجھ پر واضح ہوں تو ایک لمحے کے لیے منافقانہ انداز میں اپنی گھات میں بیٹھ)

روایت ہے ایک دن حضرت کا گذر کسی گاؤں سے ہوا ۔ کسی آدمی کی بھینس نے بچہ جنا تھا ۔ وہ نہ تو بچے کو دودھ پلا رہی تھی اور نہ لوگوں ہی کو اپنے قریب پھٹکنے دے رہی تھی ۔ تین روز اسی طور گذر گئے ۔ جب بھینس کے مالک نے حضرت کے قدومِ فیض لزوم (فیض کی حامل تشریف آوری) کی خبر سُنی تو اس نے خدمت میں آکر ماجرا عرض کیا ۔ حضرت نے شیخ کمال سے فرمایا : جا ، بھینس کے کان میں کہہ درویش داؤد کہتا ہے بچے کو دودھ دے ، کیونکہ تجھ پر رحمت کا راستہ بند نہیں ہوا ۔ شیخ کمال نے قریب جاکر بھینس کے کان میں یہ پیغام سنادیا ۔ بھینس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے

اور اس کے تھنوں سے دودھ ٹپکنا شروع ہو گیا ۔ اس کے دودھ نے پھر اِس قدر جوش دکھایا کہ (اِس ضمن میں) وہ سب سے بڑھ گئی ۔

روایت ہے ایک روز صحرا نوردی کے دوران میں ایک فقیر کو بُری حالت میں اور رُخ زرد کے ساتھ دیکھا ۔ حضرت نے غمخواری فرمائی تو اس نے عرض کی : افیون نہ ملنے کے باعث ، کہ یہ میری گھٹی میں پڑی ہے ، میری یہ حالت ہو گئی ہے ۔ صحرا میں ایک گڈریا بھینسیں چرا رہا تھا ۔ حضرت نے اس سے فرمایا: جا کہیں سے افیون ڈھونڈ لا اور اتنی دیر تک کے لیے مویشیوں کی دیکھ بھال ہمارے سپرد کر جا ۔ وہ تیزی سے بھاگا اور کہیں سے افیون مہیا کر کے اس نے خدمت میں رکھ دی ۔ حضرت نے وہ افیم اس فقیر کو دے دی اور (گڈریے سے) فرمایا : تمہاری کوئی اپنی بھی بھینس ہے ؟ تو اس کا دودھ بھی اس مسکین کو دے ۔ گڈریے نے عرض کیا : ایک بھینس ہے تو سہی ، لیکن وہ بانجھ ہے ۔ فرمایا : ہمیں دکھا تاکہ ہم وہیں جاکر اس کو دوہ لیں ۔ وہ بولا : وہ تو بانجھ ہے اور گابھن بھی نہیں ہوئی ، دودھ کہاں سے دے گی ۔ حضرت نے فرمایا : خدا قادر ہے جو اُسے دودھ دینے والی کردے ۔ چنانچہ اس کے قریب پہنچ کر اس کے تھنوں پر ہاتھ رکھا اور فرمایا :بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ اور دودھ دوہ ۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس بھینس نے اتنا دودھ دیا کہ سبھی نے سیر ہو کر پیا۔

روایت ہے کسی مخلص نے حضرت کے فرزندوں کے لیے خربوزے بھجوائے ۔ اتفاق سے سبھی پھیکے اور بے مزہ نکلے ، اور کوئی ایک دانہ بھی کھانے کے لائق نہ تھا ۔ بی بی خدیجہ اور حضرت فاطمہ نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ خربوزے تو سبھی بے مزہ نکلے اور کوئی کھانے کے قابل نہ تھا ۔ فرمایا : سبھی خربوزے لے آؤ ،میں اپنے ہاتھ سے کاٹ کر تمہیں دیتا ہوں ۔ انہوں نے کہا : ہم نے سب کو کاٹا ، چکھا اور پھینک دیا ۔ فرمایا : بہر حال ہم بھی ذرا دیکھیں ۔ جب خربوزے لائے گئے تو حضرت نے چُھری دستِ مبارک میں پکڑی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی ۔ پھر انہیں کاٹا اور بی بی کے ہاتھوں میں دے دیے ۔اب کے وہ خربوزے ایسے (لذیذ) نکلے کہ کسی نے بھی عمر بھر ایسے خربوزے نہیں کھائے ہوں گے ۔ سب خربوزے حضرت نے خود کاٹے اور بچوں میں تقسیم کر دیے ۔

بیت :

لذّتِ دستِ شکر بخشت چو داشت　　　اندران بطّیخ تلخی کی گذاشت

(چونکہ اس خربوزے میں تیرے شکر بخش ہاتھوں کی لذت تھی اس لیے اس میں کڑواہٹ کیونکر رہ سکتی تھی)

از محبّت تلخہا شیریں شود　وز محبت مِسہا زریں شود ۲۴

(محبت سے کڑوی چیزیں بھی میٹھی ہو جاتی ہیں اور محبت ہی سے تانبے بھی سونا بن جاتے ہیں)

روایت ہے سیالکوٹ کے نواح سے ستم پیشہ جفاکار چاکر کا ایک بازدار (جو بازوں کی نگہداری کرتا ہے) دیپالپور آیا ۔ اثنائے راہ میں ، خوراک کے لالچ میں اُس نے بے وقت اور مالک کی اجازت کے بغیر باز کو شکار پر چھوڑ دیا۔ موسم بہار ختم ہونے کو تھا ۔ باز اُڑ کر آسمان کی بلندیوں میں گم ہو گیا ۔ باز دار نے اسے بہت تلاش کیا ، بڑی بھاگ دوڑ کی لیکن سب بے سود ۔ آخر بہت ہی اضطرار اور بیچارگی کی حالت میں اسے اِس کا چارہ دعا ہی میں نظر آیا۔ چنانچہ تباہ حالی اور سیاہ روزی (بد بختی) کے ساتھ شیر گڑھ پہنچا ، اس طرح کہ چہرہ گرد آلود اور بال بکھرے ہوئے تھے ۔ حضرت کے سامنے اس نے چہرہ زمین پر رکھا ۔ حضرت نے ازراہِ شفقت پوچھا کہ معاملہ کیا ہے؟ وہ بڑے کرب میں رو دیا اور بولا کہ ظالم حاکم نے ، جو حال ہی میں دیپالپور میں وارد ہوا تھا ، ایک باز میرے سپرد کیا اور اس بات کی سختی سے تاکید کی کہ میری غیر حاضری میں اسے نہ اڑانا ۔ یہ مصیبت اچانک آپڑی کہ باز بھوکا تھا اور میرے پاس اس کی خوراک نہ تھی ۔ میں نے سوچا وہ خود ہی شکار پکڑ کر اپنی خوراک کا سامان کر لے ۔ اللہ کو یہی منظور تھا کہ وہ پرواز کر گیا ۔ میں تین دن کا وعدہ کر کے اور ضامن ٹھہرا کر آیا ہوں کہ اگر باز مہیا نہ کر سکوں تو گردن زدنی ہوں گا ۔ باز نہیں ملا اور کل میرے قتل کا دن ہے ، اگر غیر حاضر ہوتا ہوں تو وہ ضامن کو مار ڈالے گا اور وہ میرا جانی دوست ہے ۔ خدا کے لیے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی روح (مبارک) کے واسطے مجھ عاجز کے کام میں توجہ فرمائیں ۔ حضرت کو اس کی حالت پر رحم آیا ۔ فرمایا : اٹھ اور گھوڑے پر سوار ہو کر دیپالپور روانہ ہو جا، انشاء اللہ تعالیٰ عین سرِ راہ باز تیرے ہاتھ لگ جائے گا۔ یہ سنتے ہی اس کے جسم میں جیسے زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی ۔ وہ اٹھا اور روانہ ہو گیا ۔ جب آدھا

راستہ طے کر چکا تو باز اُسے ایک درخت پر بیٹھا نظر آیا، جیسے وہ اسی کی آمد کے انتظار میں بیٹھا تھا ۔ باز اسی وقت وہاں سے اڑا اور اس کے ہاتھ پر آبیٹھا ۔ اس نے لے جاکر مالک کے حوالے کردیا، اور خود کچھ نذر نیاز لے کر حضرت کی خدمت میں پہنچا اور ساری حقیقت حال بیان کی ۔ پھر اٹھتے وقت التماس کی کہ میرے حق میں ایک اور دعا فرمائیں ۔ میرے کوئی اولاد نہیں ہے ۔ اسی اثنا میں ایک شخص توت کا تازہ پھل انجیر کے پتے میں لپیٹ کر لایا اور اس کی نذر پیش کی ۔ حضرت نے تین مبارک انگلیوں سے اس توت میں سے کچھ دانے اٹھائے اور اسے عنایت کرتے ہوئے فرمایا : حق سبحانہٗ تعالیٰ، ہر توت کے مطابق تجھے بیٹے دے گا ۔ اس نے وہ دانے گن کر کھالیے ۔ کُل گیارہ دانے تھے ۔ حضرت نے جو کچھ اس کے بارے میں فرمایا تھا، بالکل وہی ہوا یعنی اس کے گھر گیارہ بیٹے پیدا ہوئے ۔ ان میں سے ایک بیٹے محمد صادق کو اس ضعیف نے دیکھا تھا ۔

روایت ہے حضرت فرماتے تھے کہ ایک روز حلال خور ایک مجمع کی صورت میں ڈھول پیٹ رہے اور ناچ رہے تھے ۔ بہت سے بلوچ عوام وغیرہ وہاں جمع ہو گئے تھے ۔ جب میں ادھر سے گذرا تو میں نے دیکھا کہ شیطان، ہنگامہ مچانے والے ان لوگوں کے سر پر آلہ پکڑے پیشاب کر رہا ہے ۔ اُسے دیکھتے ہی مجھے طیش آگیا ۔ میں نے ایک شخص سے لاٹھی پکڑی اور اس (شیطان) کے پیچھے بھاگا ۔ وہ مجھے دیکھ کر دوڑ اٹھا ۔ لوگ بھی دوڑے اور بلوچ ڈھول توڑنے کے لیے دوڑے ۔ لوگ میرے اِس تعاقب کرنے پر حیران تھے کہ میں کس کا پیچھا کر رہا ہوں، کیونکہ انہیں کچھ بھی تو نظر نہیں آرہا تھا ۔ جب رات ہوئی تو حضرت غوث الثقلین اسے میرے پاس لے آئے کہ : بابا ! یہ شخص خدا کے بھیدوں میں سے ہے اسے کچھ نہ کہہ کہ یہ دربانِ حق ہے ۔ جسے چاہتا ہے آنے دیتا ہے جسے چاہتا ہے روک دیتا ہے ۔

فرماتے تھے کہ میں اپنے گھر کے صحن میں سویا ہوا تھا کہ غفران پناہ (مرحوم و مغفور) ہمایوں بادشاہ انار اللہ برہانہ (اللہ تعالیٰ اس کی دلیل کو روشن کرے) کو عالم غیب میں حاضر کیا گیا ۔ ایک فرمان میرے پاس لایا گیا کہ تم اس پر مُہر لگاؤ (دستخط کرو) اور ہندوستان اسے دے دو ۔ میں نے کہا کہ میں دو شرطوں پر مُہر کروں گا ایک تو یہ کہ وہ مکر و فریب سے کام نہ لے، دوسری یہ کہ آدمی کو قتل کرنے اور بنیادِ ربّانی کو ڈھانے

کا ناحق قصد نہ کرے ۔ آخر یہ شرطیں قبول کر لی گئیں اور میں نے اس فرمان پر مُہر ثبت کر کے فرمان ہمایوں کو دے دیا ۔ اس کے بعد تمام اولیاے ہند نے اس پر مُہر کی ۔ ایک فرزند نے عرض کیا : یا حضرت ! بادشاہ کو بھی اِس بات کی خبر ہے ؟ فرمایا : جب ولیِ کامل کا تصرف ہوتا ہے تو اس کے متعلق نہیں جانتے بلکہ ادھر اُدھر سے جان لیتے ہیں ؛ جیسا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کا تصرف کامل و شامل ہے ، اور اکثر لوگ حق سے متعلق نہیں جانتے ، غفلت کے حجاب میں چُھپے رہتے ہیں ۔

بیت:

کس در نظر نیارد رخسارِ خوب مارا　　　زیرا کہ کس نیارد اندر نظر خدارا

(کوئی بھی ہمارے خوبصورت رخسار کو نظر میں نہیں لاتا یعنی نہیں دیکھ سکتا ، کیونکہ کوئی بھی خدا کو دیکھ نہیں سکتا)

منقول ہے کہ کوئی حاجی خدمت میں حاضر ہوا ۔ وہ پھر حج پر جانے کا ارادہ رکھتا تھا ۔اس کے دل میں خیال آیا کہ یہ (حضرت) ولی ہیں ۔ عجیب بات ہے کہ حج پر نہیں جاتے ۔ پھر وہ الوداع کہہ کر دوبارہ مکّہ چلا گیا ۔ جس روز حجر اسود کو لوگ چوم رہے تھے ،اس روز حاجی نے ارادہ کیا کہ حرم کے اندر داخل ہو ۔ اُدھر سے حضرت باہر نکل رہے تھے ۔ حاجی فوراً حضرت کے پاؤں میں گر گیا ۔ حضرت تبسم کرتے ہوئے باہر نکل آئے ۔ جب حاجی (کچھ عبارت محذوف معلوم ہوتی ہے ۔ اگلا ترجمہ قیاسی ہے) واپس آیا تو حضرت نے فرمایا : اچھا ہوا تم خیریت سے آگئے ۔ دیکھو راز افشانہ کرنا۔

روایت ہے حضرت فرماتے تھے کہ ہندوستان میں ہمارے جانے (آنے) کا باعث یہاں کے اولیا کی غیرت ہے ، کیونکہ یہ ولایت حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے پاس تھی ۔ لہٰذا فیض اللہ نامی شخص یہاں نہیں رہ سکتا تھا ، چنانچہ یہاں سے وہ گجرات چلا گیا اور اس پر بِیت گئی جو بیت گئی ؛ لیکن چونکہ میرا مربّی قوی اور غالب تھا اور اس کا نورِ تصرف قاف سے قاف تک چمکا ہے ، اس لیے ان (بہاء الدین) کی غیرت نے کوئی کام نہ کیا ۔

بیت:

چو خورشید از افق بنمود رُخسار　　　کجا نورِ سہا آید پدیدار ....

(جب آفتاب نے افق سے چہرہ دکھایا تو پھر سہا جیسے چھوٹے تارے کی روشنی کیونکر نمودار ہو سکتی ہے)

منقول ہے کہ حضرت فرماتے تھے جب شروع شروع میں مَیں یہاں آیا تو ایک روز شیخ بہاءالدین کے فرزند وغیرہ ایک عظیم لشکر اور چنگھاڑتی ہوئی فوج کے ساتھ صف بستہ عالم غیب میں (مجھ پر) حملہ آور ہوئے ۔ میں کسی قسم کے خوف اور کھٹکے کے بغیر اور بے پروائی کے ساتھ یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا ، کہ یہ لوگ پہلے کوئی حرکت کریں ، اس کے بعد مَیں بھی ہمت سے کام لوں گا ، اور ان کے ساتھ ایسا کروں گا کہ انہیں پتا چل جائے گا ۔ لیکن یہ لوگ آخر بادل کی طرح ہوا میں ریزہ ریزہ ہو کر مُنتشر ہو گئے اور پھر کبھی سامنے نہ آئے ۔

مصرع:

جائی کہ آفتاب بر آید ستارہ چیست

(جہاں آفتاب طلوع ہو وہاں ستارہ کیا شے ہے)

روایت ہے ایک روز حضرت پر حالت طاری تھی اور چوبارے کی بلندی پر تنہا بیٹھے تھے ۔ کوئی صاحب شیخ عبدالوہاب ذرا دور بیٹھے تھے ، وہ دیکھ رہے تھے کہ حضرت کے رخساروں کا رنگ ہر لمحہ بدل رہا ہے ۔ اُدھر چاردری کی چھت کے کنارے دو کبوتر بیٹھے ہوئے تھے ۔ دونوں ہر لمحہ اڑتے اور حضرت کے سر کے گرد پھر کر پھر اسی جگہ پر جا بیٹھتے ۔ چند مرتبہ اسی طرح ہوا ۔ جب حضرت کو اس حال سے فراغت ہوئی تو شیخ عبدالوہاب نے عرض کیا : یا حضرت! یہ کیا بھید تھا ؟ فرمایا : شیخ فرید الدین مسعود اور شیخ بہاء الدین زکریا کی روحیں تھیں جو میرے سر کے گِرد پھر رہی تھیں ۔ شیخ عبدالوہاب نے کہا : جب آپ ان کا ملک اپنے تصرف میں لے آئے ہیں تو پھر وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں ۔ فرمایا : اول وہ غیرت سے کام لے رہے تھے ، لیکن چونکہ اس میں ان کی ذاتی غرض نہیں ہے اور اس میں حق تعالیٰ کی مرضی جانتے ہیں اس لیے اب وہ بلاشبہ اخلاص کے ساتھ آتے ہیں جس طرح شروع شروع میں امرا ، شہباز خان کے سلسلے میں غیرت رکھتے تھے ، لیکن جب انہوں (امرا) نے اکبر بادشاہ کی اس پر روز افزوں عنایت ملاحظہ کی تو مجبوراً آشتی و مدارا کی راہ اختیار کی ۔

حضرت علیہ الرحمہ والرضوان کی ہندوستان کو روانگی

مخفی نہ رہے کہ اسلام خان افغان کے زمانے میں بعض دشمنوں نے مخدوم الملک کے کان بھرے کہ حضرت نے طالبوں کو اپنے نام کے ذکر کی تلقین کر رکھی ہے اور سب مرید ذکر کے وقت "یا داؤد یا داؤد" کا ورد کرتے ہیں ۔ چنانچہ دیپالپور کے حاکم کے نام ایک فرمان جاری ہوا جس میں حضرت کو حضورِ شاہ طلب کیا گیا تھا ۔ حاکم نے اس کی نقل اپنے کسی آدمی کے ہاتھ شیر گڑھ بھجوادی ۔ اس وقت حضرت شیر گڑھ سے ستگھرا تشریف لے جاچکے تھے ۔ حاجی معین الدین ، جو دیوانے ۲۵ عقلمندوں میں سے اور اہل یقین کے گروہ کا سردار تھا ، مذکورہ نقل وہاں لے گیا ۔ حضرت نے دور ہی سے حاجی سے کہا کہ لوٹ جا اور سید رحمت اللہ سے کہہ کہ وہ غمگین اور آزردہ خاطر نہ ہو ، میں یہیں سے دیپالپور روانہ ہو رہا ہوں ۔ جب دریاے بیاس کے کنارے پہنچے تو کھیلان قوم کے سردار اور رئیس لوس ملک سہو (؟) اور جھبل خان کا ادھر سے گذرا ہوا ۔ وہ دوہزار مسلح آدمیوں کے ساتھ اس خیال سے حضرت کے ہمراہ ہو لیے کہ اگر افغان درشتی سے پیش آئے تو ہم جان کی بازی لگا دیں گے ۔ حضرت نے ان لوگوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر کے لوٹا دیا اور فرمایا کہ وہاں تو شریعت کی بات ہوگی ، کوئی لڑائی بھڑائی کی نہیں ، جو تم لوگ فوج بنا کر آگئے ہو۔

حضرت نے رات دیپالپور میں گذاری اور دوسرے دن ہندوستان روانہ ہو گئے اور مبارک آستانے میں داخل نہ ہوئے ۔ دیپالپور کے حاکم نے اپنا بھی کوئی آدمی ساتھ بھیجنا چاہا ۔ ایک خوش بخت اور سعادت مند افغان جوان اٹھا اور بولا : اگر آپ وہاں حاضر نہ ہوں تو اس کا جواب مَیں دے لوں گا ۔ جب حضرت آستانہ مبارک کے نزدیک سے گذرے تو تمام خدّام خانقاہ اور صوفیانِ خدا آگاہ سفر کے لیے کمربستہ ہو کر ساتھ ہو لیے ، لیکن حضرت نے سب کو واپس آستانہ جانے کو کہہ دیا ۔ اُس وقت کوئی ساٹھ کے قریب پاک باطن صوفی موجود تھے جنھوں نے چلّہ کھینچنے اور مسلمانوں کی توبہ و تلقین کے اہتمام کی اجازت لے لی ؛ (ان میں سے) ہر ایک عارف کامل اور عالمِ مکمل تھا ۔ حضرت خود سوار ہو کر اور دو خادم ہمراہ لیے روانہ ہوگئے ۔

روایت ہے حضرت فرماتے تھے کہ جب ہم قصور کے قصبے میں پہنچے تو جنگل کے ایک کونے سے ہم نے آواز سنی ۔ ایک شخص کہہ رہا تھا : اے قطبِ زماں ، خدا کے واسطے مجھے ایک لمحہ کے لیے اپنے دیدار سے نواز ۔ ایک برس ہو چلا ہے میں تیرے دیدار کے انتظار میں بیٹھا ہوں ، کیونکہ مجھے بشارت ملی تھی کہ تُو فلاں وقت اور گھڑی اِس راستے سے آئے گا ۔ میں اس کے نزدیک گیا اور کچھ دیر اس کے پاس بیٹھا ۔ اس کی یہ آرزو جب پوری ہوگئی تو میں وہاں سے روانہ ہوگیا ۔اس صحرا میں نقاروں کی آواز بلند ہوئی اور بیحد غلغلہ سنائی دیا ، اور کچھ اس قسم کا کہ اس سے قبل کبھی ایسا شور سنا نہ گیا تھا ۔

بیت:

آنجا کہ کوسِ دولتِ سلطانِ دین زنند کمتر باشد غوغای سنجری

(جس جگہ سلطانِ دین کی حکومت کا ڈنکا بجایا جاتا ہے وہاں سنجر جیسے بادشاہ کا غوغا مچھر سے بھی کمتر ہوتا ہے)

میں نے دیکھا کہ ہر طرف سے گجرات ، خراساں ، مشرق ، مغرب ، جنوب اور شمال کے صوفیا موجوں کی صورت چل رہے ہیں ، یہ لوگ فضا میں خاردار درختوں پر سے ہو کر گذر رہے ہیں ۔ میں نے پوچھا کہ یہ لشکر کس کا ہے اور کس طرف جارہا ہے ۔ مجھے بتایا گیا کہ غوثِ اعظم کے ایک فرزند پر اُفتاد آن پڑی ہے ، اِس لیے حضرت سرور کائنات صلّی اللہ علیہ وسلم اور غوث اعظم اعانت اور مدد کے لیے آئے ہیں اور یہ سب روے زمین کے اولیا کی فوجیں ہیں جو آگے پیچھے چل رہی ہیں ۔ میں ابھی (اسی سوچ) میں تھا کہ حضرت رسالت پناہ صلّی اللہ علیہ وسلم کا تخت نمودار ہوا اور حضرت غوث اعظم کے ہاتھ میں رومال ہے ، اور وہ حضرت علیہ السلام کے پیچھے پیچھے آرہے ہیں ۔ جس طرف بھی (حضورؐ) نظر فرماتے ہیں اولیا کے سر کورنش بجالانے کے لیے جُھک جاتے ہیں ۔

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اگر تو کہے تو سارے ہندوستان کو تہ و بالا کردوں کہ اہل ہند نے تیرے ساتھ ناگوار حرکت کا ارتکاب کیا ہے اور اگر تُو کہے تو ہم افغانوں کی سلطنت کی جڑ ہی اکھاڑ دیتے ہیں ۔ میں نے عرض کیا کہ (حضورؐ نے) بارہا از رُوے کرم فرمایا ہے کہ مَیں نے تجھے فیضِ عالم کا واسطہ بنایا ہے تاکہ

وُک تجھ (داؤد) سے فائدہ حاصل کریں ۔ اب (اِس صورت میں) مَیں ایک قوم کی ہلاکت کا سبب بنوں گا ۔ جو کچھ بھی حضورؐ نے فرمایا تھا کہ مَیں نے اِس خاطر افغانوں کی بادشاہی کی بنیاد اکھیڑ ڈالی ہے کہ انہوں نے تجھ سے گستاخی کی ہے ، چنانچہ اس دن کے بعد سے افغان قوم کا کوئی بھی فرد خطۂ دہلی میں بادشاہ نہ ہوگا ۔ فرماتے تھے ہم اس زمانے میں دامنِ کوہ سے کوچ کر کے تیزی سے دہلی کی طرف روانہ ہوئے تھے ۔ ہم لشکر (چھاؤنی) کے نزدیک گئے اور ایک سرائے میں اُترے ۔ ایک شوریدہ مجذوب نے ، جس کا تمام وجود داغ داغ (زخمی) تھا اور جو ہر خانۂ سرا میں آکر باہر نکل جاتا جیسے کوئی کسی کو تلاش کر رہا ہو ، مجھے دیکھا تو آکر بیٹھ گیا اور بولا کہ میں بھوکا ہوں ۔ دو پیازہ تیار کیا گیا تھا وہ میں نے اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے بڑے چٹخارے اور اشتہا کے ساتھ کھایا ۔ جب وہ اٹھا تو میرے دل میں یہ بات آئی کہ اس پر اُس طرف کا کچھ اثر ہے ، اُس سے اِس لذت کا انتقام لیا جائے گا ۔ (چنانچہ) اس کے باہر نکلتے وقت جلتی بھٹی والے گھر سے(؟) ایک تیز نوک والی لکڑی اس کے خون بہتے زخم پر آکے لگی ۔ تو جس طرح اُس نے وہ لذّت (دوپیازہ کھانے سے) اٹھائی تھی ، اب یہ چاشنی بھی چکھ لی ، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ :

بیت:

مرد صوفی گر بشہوت نان خورد بی شک اندر پی قفای آن خورد

(اگر مردِ صوفی بیحد اشتہا سے روٹی کھاتا ہے تو بلاشبہ اس کے بعد وہ اس کا رنج اٹھاتا ہے)

وہ مجذوب رات کے وقت عالمِ مستی میں سرائے کے دروازے پر آکر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور تمام اولیاء اللہ رضی اللہ عنہم والا مذکورہ واقعہ بلند آواز سے سنانے لگا اُس نے کہا کہ افغانوں نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری ہے جو اس زنجیر کو انہوں نے ہلایا اور فلاں کو تکلیف پہنچائی ۔ تمام زمین و آسمان لرز اٹھے ہیں ۔ وہ (مجذوب) تمام واقعات کھل کر بیان کر رہا تھا ۔ ہم نے خادموں کو بھیجا جو اسے پکڑ کر نیچے لے آئے ۔ وہ پھر چُستی سے چلنے لگا اور جو کچھ پہلے کہہ رہا تھا دوبارہ کہنے لگا ۔ ہم اسے منع کر رہے تھے کہ (ممکن ہے) لوگ خیال کریں کہ اِن لوگوں (داؤد) کے بتانے پر وہ یہ کہہ رہا ہے ، انہوں نے اسے زبان دی ہے ۔ آخر جب ہم لشکر میں پہنچے تو پڑاؤ میّسر نہیں آرہا تھا کیونکہ وہ مسلسل کوچ کی حالت میں تھا اور اسے کوئی ضرورت (واقعہ)

درپیش تھی ۔ ہم اِسی (کیفیت) میں تھے کہ حضرت غوث اعظم دوبارہ ظاہر ہوئے اور انہوں نے فرمایا : دل تنگ نہ ہو ، ہم نے اِس افغان کی طنابیں مضبوطی سے کھینچ رکھی ہیں ۔ جب تک تو رخصت نہیں ہو جاتا وہ ہل بھی نہیں سکے گا ۔ اتفاق سے اُس رات کے اگلے روز پڑاؤ ہو گیا ، اور اس کے تمام اہل مشورت حیرت زدہ رہ گئے کہ ٹھہرنے کا سبب کیا ہے ؟ تاہم میں مخدوم الملک سے ملاقات کے لیے گیا ۔ جب شیخ اسحاق کا کو نے مجھے دیکھا تو فوراً اٹھا اور بولا : شیخ داؤد آ گئے ۔ مخدوم نے کہا کہ: ہمارے شیخ داؤد آ گئے ؟ وہ بولا : ہاں ۔ مخدوم فوراً اٹھا اور اس نے معانقہ کیا ، لیکن مخدوم کی بے اعتنائی ایسی کہ اس نے نہ تو کچھ پوچھا اور نہ کسی چیز ہی کا ذکر کیا ، ہر چند حاسدوں نے اس تک دور از کار باتیں پہنچا رکھی تھیں ۔ اس نے بس اتنا ہی کہا کہ ہاں ! اِس طرف سے شریعت کی مخالفت ہرگز نہ ہوگی ۔ حضرت (داؤد) نے فرمایا : تم مجھے یہ لکھ کر دے دو ۔ وہ بولا : لکھنے کی کیا ضرورت ہے ۔ حضرت نے فرمایا : تاکہ میرے لیے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حجت ٹھہرے کہ دین کے امام نے گواہی دی ہے ۔ مخدوم بہت مسرور ہوا ۔ مزاح کے طور پر کہنے لگا : میاں جیو! اچھا ہوا آپ یہاں تشریف لے آئے ۔ خدا کے ساتھ آپ کی نسبتِ محبت محقق و مقرر ہو گئی ، کیونکہ اگر کسی کی مجازی محبت کمال کو پہنچ جاتی ہے تو وہ قاضیِ وقت کے سامنے اپیل کرتا ہے ۔ حضرت نے فرمایا : الحمد للہ ! اپیل بھی ہو گئی ، اب ضروری ہے کہ ہم اسلام خان سے بھی مل لیں ۔ مخدوم نے کہا: اس سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ اس نے حضرت کو رخصت کر دیا اور چالیس روز کے بعد آستانہ مبارک پر واپس تشریف لے آئے ۔

قطعہ:

برکش ای مُرغ سحر نغمۂ داؤدی را　　که سلیمانِ گل از طرف ہوا باز آمد

عارفی کو کہ کند فہم زبانِ سوسن را　　تاپرسد کہ چرارفت و چرا باز آمد۲۶

(اے مرغ سحر تو پھر سے نغمۂ داؤدی الاپ کیونکہ سلیمانِ گُل ہوا کی طرف سے پھر آگیا ہے ایسا عارف کہاں ہے جو سوسن کی زبان سمجھ سکے اور پھر اُس سے پوچھے کہ وہ گیا کیوں تھا اور پھر کس لیے آیا ہے)

اور اُن دنوں عارفِ ذوالجلال ، عاشقِ جمالِ ازلی اور حال و کمال کے بحر میں ہمیشہ مستغرق رہنے والے بندگی شیخ جلال رشد و ہدایت کی مسند کو خوب آراستہ کیے ہوئے تھے ۔ عجیب و غریب حالت اور استغراق ان پر طاری تھا ۔ تصوف و سلوک میں ان کا تعلق بلند سلسلۂ عُلیۂ چشتیہ سے تھا ، وہ (مشہور صوفی) شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید تھے اور وہ (گنگوہی) شیخ احمد عبدالحق کے مرید ہیں جو ردولی کے قصبے میں آسودۂ خاک ہیں ۔ شیخ جلال ریاضتِ شاقہ اور مسلسل فاقہ کے باوجود جسیم اور موٹے تھے ۔ سماع کے وقت ، اس قسم کی جسامت کے ساتھ پرندے کی مانند ہوا میں اڑتے ۔ ان کی عمر کے سال عمرِ طبیعی کی انتہائی حد سے آگے نکل چکے تھے ۔ (حالت یہ تھی) جیسے انہوں نے کسی غیر (یعنی اللہ کے سوا) کو نہ دیکھنے کی خاطر ابرو کے نیچے والی کھال سے آنکھوں پر پردہ ڈال رکھا ہو (یعنی انتہائی پیرانہ سالی کے باعث پپوٹے نیچے لٹک چکے تھے)۔

روایت ہے کہ جب مخدوم الملک ان کی خانقاہ میں اس ارادے سے آیا کہ ......

(؟) اجتناب برتے اور رقص و سماع میں مانع ہو تو شام کی نماز کے وقت مؤذن اور امام آگئے اور حضرت شیخ جلال اور مخدوم نماز میں کھڑے ہو گئے ۔ اچانک پیش نماز نے "الحمد" کی قرأت "آوازِ ارجمند" سے شروع کی ۔ حرارت اور وجد کے باعث (جلال) کے اندر سے آواز اٹھی ۔ انہوں نے زور کی چیخ ماری اور نماز چھوڑ کر وجد میں آگئے اور رقص شروع کر دیا ۔ قوال آگئے اور انہوں نے گانا شروع کر دیا ۔ ان سے وابستہ ہر شخص حیرت کے گرداب میں پھنس گیا کہ مخدوم الملک کی موجودگی میں یہ واقعہ رونما ہوا ۔ مخدوم جب نماز سے فارغ ہوا تو اس نے خاموشی اختیار کیے رکھی اور ذرا بھی رنجیدہ نہ ہوا ۔ ادھر شیخ اس طرح رقص کر رہے تھے کہ زمین سے چند گز اوپر ہوا میں کُود کود جاتے ۔ جب سماع سے فارغ ہوئے اور افاقہ ہوگیا تو مخدوم سے فرمانے لگے : معاف کیجیے ، جلال ۲۷ بھوند یہاں نہ تھا ورنہ آپ کی موجودگی میں بے ادبی نہ کرتا ۔

روایت ہے کہ ایک روز جلال الدین محمد اکبر (بادشاہ) نے قصبۂ تھانیسر میں نزولِ اجلال کیا اور ابوالفضل سے فرمایا کہ جاؤ شیخ جلال سے ملو، وہ اس لائق ہے کہ اسے اپنے یہاں طلب کرنا چاہیے یا اس کا مستحق ہے کہ اس کے پاس وہیں پہنچنا چاہیے ۔ شیخ ابوالفضل حضرت شیخ (جلال) کی خدمت میں پہنچا ۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ان کا سارا وجود انگارے کی مانند دہک رہا ہے اور وہ محبت الٰہی کی حرارت و گرمی سے جلے بیٹھے زار

و قطار رو رہے اور دونوں ہاتھ زور زور سے ران پر مار رہے ہیں ۔ نیز یہ شعر پڑھ رہے ہیں :

بیت:

آہ از استغنای دلبر آہ آہ   کہ ز تعظیم است بر کونین راہ

(آہ ! دلبر کی بے نیازی کے ہاتھوں فریاد ہے کہ عظمت کے باعث کونین پر جس کا گذر ہے)

شیخ ابوالفضل ان کی گرمی صحبت اور حرارتِ حالت میں موم کی طرح پگھل کے رہ گیا ۔ آخر اٹھا اور کسی طریقے سے اس نے بادشاہ کے یہ ذہن نشین کرایا کہ نہ تو انہیں بلوا بھیجنا مناسب ہے اور نہ حضرت (اکبر) ہی کا وہاں جانا مصلحت ہے ۔

منقول ہے کہ حضرت شیخ جلال کے بیٹوں میں ایک عزیز (بیٹے) کا نام عبدالبصیر تھا ۔ جب وہ مرض الموت میں مبتلا بستر مرگ پر اونگھ رہا تھا تو خادم نے حضرت شیخ کی خدمت میں اس کی صورت حال بیان کی۔ پدرانہ محبت و شفقت کی بنا پر اس کی عیادت کو گئے اور اس فرزند ارجمند کا سر زانو پر رکھا ۔ اس کے علاوہ کچھ بھی نہ پوچھا کہ حالت کیسی اور طبیعت کس طور ہے ؟ اس نازنینِ عزّ و تمکین ۲۸ نے آخری سانسوں میں کلمۂ شہادت پڑھا اور اپنے بزرگوار کے زانو ہی پر جان ، جان آفریں کے سپرد کردی ۔ حضرت شیخ نے عبدالبصیر کی تجہیز و تکفین کا تمام انتظام خود کیا ، یہاں تک کہ اس کی قبر میں مٹی بھی اپنے ہاتھوں سے ڈالی ۔ اس کی وفات کے بعد گیارہ روز تک انہوں نے کسی سے بات نہ کی اور نہ کھانا ہی کھایا ۔ ابھی اس واقعے کو چالیس روز بھی نہ گذرے تھے کہ عادت کے مطابق سردیوں کے کپڑے مہیّا کرکے تمام فرزندوں اور وابستگان کو ، ان کا نام لے کر ، مرحمت فرمائے ۔ ایک قبا اور توبہ (؟) عبدالبصیر کے نام پر بخش دی ۔ خادم نے عرض کیا کہ عبدالبصیر کو وفات پائے چالیس روز ہونے کو ہیں ۔ فرمایا : تعجب ہے کہ مجھے بھی خبر نہ کی گئی ۔ خادم نے کہا کہ حضرت (اس وقت) خود موجود تھے اور آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس کی قبر میں مٹی ڈالی تھی ۔ فرمایا کہ مجھے قطعاً اس کی خبر نہیں ہے ۔ اِنّا للہ وانّا الیہ راجعون ۔ (ان کی اس بات سے) اربابِ تمکین اور اصحابِ تدوین کو یہ یقین ہوگیا کہ اُس وقت شیخ بحرِ سلوک میں مستغرق تھے ، جو کچھ رسم و عادت کے مطابق ان سے وقوع پذیر ہوا ، اس کی انہیں قطعاً خبر نہ تھی ۔

بیت:

مستم کن آنچنان کہ ندانم زبیخودی   در عرصۂ خیال کہ آمد کدام رفت ۲۹

(تو مجھے اس حد تک مست کر دے کہ مجھے بیخودی میں اس بات کا دھیان ہی نہ رہے کہ خیال کے میدان میں کون آیا اور کون گیا)

مشہور و معروف ہے کہ حضرت شیخ جلال الدین ہمیشہ شہود کے بھنور میں مستغرق رہتے اور سوائے اوقات آلودہ و ضروریہ کے ، مراقبے سے آنکھیں نہیں کھولتے تھے اور اگر کبھی کوئی شدید ضرورت درپیش آجاتی تو اُن کے کان میں بلند آواز سے چند مرتبہ "حق حق" کہا جاتا ، پھر وہ کہیں ہوش میں آتے اور لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ۔

روایت ہے کہ حضرت (داؤد) ، مخدوم الملک کی اجازت سے اسلام خان کے لشکر سے باہر آگئے ۔ ان کا گذر قصبۂ تھانیسر سے ہوا ۔ رات کے وقت شیخ جلال کی خانقاہ میں تشریف لے گئے ۔ شیخ نے حضرت کی اتفاقیہ آمد کو مغتنمات میں سے جانا ۔ دونوں نے تمام رات باہم بیٹھ کر گذاری اور صبح کی نماز ایک جگہ پڑھ کر جدا ہو گئے ، اور کوئی دوسرا ان کی صبحت میں موجود نہ تھا جو اِن دو عارف باللہ کے درمیان ہونے والے مکالمہ و مذاکرہ کی تفصیل بیان کرتا ۔

بیت:

نور چون ہمنشینِ نور شود   تیرگی ازمیانہ دور شود

(نور جب نور کا ہم نشین ہوتا ہے تو تاریکی درمیان سے غائب ہو جاتی ہے)

روایت ہے موسم گرما کی ایک رات حضرت اپنے چند دوستوں کے ساتھ چاردری پر بیٹھے درود پڑھنے میں مصروف تھے ۔ تمام رات آوازِ بلند اور لحنِ ارجمند کے ساتھ صلوات پڑھتے رہے ۔ اچانک رات کے آخری حصے میں شمالی چبوترے کی طرف ننگے پاؤں دوڑے اور بڑے ہی خشوع و خضوع کے ساتھ ایک لمحہ کھڑے رہے ۔ جب واپس آئے تو احباب نے سبب پوچھا ۔ فرمایا کہ تم لوگ درود پڑھ رہے تھے تو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلّم تشریف لے آئے ۔ حضورؐ نے بڑی ہی سرگرمی و جوش کے ساتھ التفات و مرحمت فرمائی ، یہاں تک کہ بدنِ مبارک سے پسینے کے چند قطرے نیچے گر گئے ۔ صبح سویرے احباب نے دیکھا کہ اُس جگہ تازہ سرخ پھول پڑے ہیں ۔ حیران ہوئے ، کیونکہ یہ پھولوں کا موسم نہ تھا ۔ انہوں نے وہ پھول حضرت کو دکھائے ۔

حضرت نے فرمایا : یہ پھول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اُسی پسینے سے ہیں جو رات کو بدن مبارک سے پٹکا تھا ۔

بیت :

بہر خرابہ کہ از نازمی نہی کفِ پا عجب نباشد اگر گُل دمد ازان صحرا

(جس بھی ویرانے میں تو ناز سے کفِ پا رکھے ، اس صحرا میں اگر پھول اُگ آئیں تو تعجب کی بات نہ ہوگی)

روایت ہے کہ ایک روز اُس عارف باللہ کا گذر خانواہ کے کنارے سے ہوا ۔ یہ (خانواہ) ایک نہر ہے غایت زیبا اور نہایت دلربا ، مشہور معمورۂ دیپالپور کے دروازے کے سامنے سے گذرتی ہے اس کے بہتے ہوئے پانی پر آیت کریمہ "جعلنا مِن المَاءِ کُلِ شيٍ حي ۳۰" (ہم نے ہر زندہ چیز پانی سے بنائی) کا اطلاق ہوتا ہے اور "لنخرج بہ حباً و نباتاً جنّات الفافا ۳۱" کا روشن مضمون اس کے نالوں کی روانی سے متعلق نازل ہوا ہے ، کیونکہ اس کے باصفا سرچشمے کی فضا مختلف قسم کی نباتات اور غلّہ اگانے والی اور اس کا نواح اور گردش یعنی روانی کا زمانہ گنجان درخت اور قسم قسم کے پھل نکالنے والا ہے ۔ گویا دشوار پسندی کے باعث تازہ و شگفتہ اور سحر انگیز اشجارِ (اشعار ؟) بہار کی بیاضوں میں سے حافظِ شیراز کا یہی گُلِ شعر پسند ٹھہرا اور انتخاب کی تحریر میں آیا ۔

بیت:

نگویمت کہ ہمہ سالہ می پرستی کن ۔ ماہ می خور و نُہ ماہ پارسای باش ۳۲

(میں تجھ سے یہ تو نہیں کہتا کہ تو سارا سال مے پرستی کرتارہ ، تاہم تین ماہ پیتارہ اور نو ماہ پارسا بنارہ)

یعنی (یہ نہر) سارے سال میں تین ماہ لوگوں کے ساغرِ آرزو پُر آب وسیراب رکھتی ہے اور نو ماہ تک بادام کی مانند خود کام منکروں کی آنکھوں کو خشک اور بے آب کیے رکھتی ہے ۔ یہ نہر حضرت (شیخ داؤد) کے سعادت نشان زمانے کی پیداوار ہے ، کیونکہ ایک مخلص درویش محمد خان اس کی کھدائی میں کامیاب ہوا اور اُس میں یہ سارا فیض اور برکت حضرت کے قدوم (آمد) کی برکت سے ہے ، اس لیے کہ اکثر اوقات صالح حضرات اس کے کنارے پر سیر فرماتے ، وضو کیا کرتے اور حق میں مشغول ہوا کرتے ۔ ایک روز

اس مقام پر گلگشت کے دوران میں ایک ناہنجار خواتندہ ۳۳ ملا شادی نے آکر ایک مسئلہ پوچھا جس سے حضرت کا خاص وقت ضایع ہوا ۔ حالت کے تقاضے کے مطابق حضرت کی حقایق بیان کرنے والی زبان پر اس وقت جو کچھ آیا وہ اس جانگلو کے ذرا بھی پلے نہ پڑا ۔ اس نے پھر اس کے استفسار میں مزاحمت کی اور اصرار کیا ۔ حضرت نے فرمایا : او بے وضو! لوٹ جا ، اس وقت تو کیا چاہتا ہے ؟ خدا کی قدرت کہ اس کی طہارت کچھ ایسی تباہ ہوئی کہ وہ ایک وضو سے دوگانہ ادا کرنے سے بھی عاجز رہ گیا ۔ ڈھیلا پاس رکھ کر وہ نماز شروع کرتا اور چند مرتبہ یعنی بار بار تیمّم کر کے فریضہ ادا کرنے کے قابل ہوتا ۔ آخری عمر تک وہ اس مصیبت پر خون ہی روتا رہا ۔

منقول ہے ایک روز بینائی سے محروم ایک بُڑھیا اس غریب پرور کی فیض اثر نظر کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی اور عاجزی و انکسار اور فریاد کے لہجے میں بولی کہ حضرت میرے حق میں دعا فرمائیں تاکہ مجھے پھر سے بینائی حاصل ہو جائے ۔ فرمایا : نابینا لوگ پیر کے آتشدان سے رجوع کرتے ہیں ۔ مجھے تو گروہِ مسلمین کی توبہ کی تلقین کے لیے بٹھایا گیا ہے ۔ اگر تجھے ارادتِ حق اور رجوع بحق کا خیال ہے تو پھر چاہیے کہ تُو مجھ سے رجوع کرے۔ وہ عورت دکھ کے ساتھ رو دی اور اس نے بہت ہی بیچارگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا : خدا کے لیے مجھ پر توجہ فرمائیے تاکہ میری بینائی بحال ہوجائے ، میں تو یہاں سے اب باہر جانے کی نہیں ۔ حضرت نے کچھ دیر تامّل کیا ۔ اس کے بعد اسے اپنے قریب بلا کر خاص کوزے سے کسی قدر پانی دست مبارک میں لے کر اس کی آنکھوں پر مارا ۔ اُسی وقت اس عورت نے پوری روشنی کے ساتھ آنکھیں کھول دیں اور بیہوش ہو کر زمین پر گر گئی ۔ کچھ دیر بعد سر اٹھا کر بولی : اے شوخ ! تو نے حضرت (شیخ داؤد) کو کیوں درد سر دیا ۔ جب کبھی حضرت یہ خدمت میرے سپرد کرتے اس وقت تجھ میری طرف رجوع کرنا چاہیے تھا ، اور ان کے حکم پر راضی ہو گئی/گیا ۔ ۳۴

روایت ہے ایک رعشہ کا مریض خدمت میں حاضر ہوا ۔ اس نے التماس کی کہ میں رعشہ کے عارضے سے عاجز آچکا ہوں ، پانی کا پیالہ تک ہاتھ میں نہیں پکڑ سکتا ۔ خدارا توجہ فرمائیں کہ اس بیماری سے نجات پاؤں ۔ حضرت نے فرمایا کہ کسی طبیب کے پاس جا کیونکہ اِس کے علاج کا تعلق اطبا سے ہے ۔ اس مریض نے زمین کو چوما ، اور

عاجزی اور فریاد شروع کردی ۔ فرمایا : سامنے آ ۔ اس کے دونوں ہاتھ اپنے دست مبارک میں مضبوطی سے تھامے اور چھوڑ دیے ۔ اسی وقت اسے ایسی شفا ہو گئی جیسے وہ کبھی اس مرض میں مبتلا نہ تھا ۔

مصرع :

دستِ اور در کارہا دست خداست

(کاموں میں اس کا ہاتھ گویا خدا کا ہاتھ ہے)

منقول ہے کہ جب کبھی دریائے بیاس کے کنارے سیر کرتے ہوئے اسلام پور منورہ کے صحرا اور دیپالپور سے قصبۂ مصطفیٰ آباد کو عبور فرماتے تو اکثر شہر سے باہر واقع مسجد کمان گراں میں نماز ادا کرتے ۔ مسجد کے مجاور حضرت کے ورودِ مبارک کی خبر اسی لمحے میر زین العابدین مشہدی تک ، جو مریدِ فدوی اور مخلصِ حقیقی تھا ، پہنچا دیتے اور وہ (اس ورودِ کو) غنیمت سمجھتے ہوئے اسی وقت حاضر ہو جاتا اور وہاں نماز پڑھتا ۔ ایک روز نمازِ فراغ کے بعد ایک بوڑھی عورت نے آکر فریاد کی کہ بارہ برس ہو چلے ہیں میرے بیٹے نے مسافرت اختیار کی تھی ۔ آج تک اس کی کوئی خبر نہیں ملی ۔ کسی عزیز کی لڑکی بچپن ہی میں اس سے منسوب ہوئی تھی ، آج رات اس لڑکی کو کسی اور کے ساتھ بھیج رہے ہیں ۔ خدارا کچھ بتائیے کہ وہ زندہ تو ہے ؟ اگر زندہ ہے تو میں اس لڑکی کی شادی رکوا دوں وگرنہ صبر اختیار کرلوں ۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کام کے لیے کاہنوں اور نجومیوں کے پاس جانا چاہیے ، فقرا تو صدق و صفا کے راستے کے رہبر ہیں ، انہیں اس قسم کی چیزوں سے کوئی نسبت نہیں ۔ وہ عورت بولی : میں نے کاہنوں اور نجومیوں سے کئی مرتبہ پوچھ دیکھا ہے ۔ جو کچھ بھی انہوں نے بتایا سب جھوٹ نکلا ۔ خدا کے لیے ، رسول اللہ صلی علیہ وسلّم کی روح مبارک کے صدقے توجہ فرمائیں اور ہر صورت مجھے اس کی خبر دیں ۔ حضرت تبسم فرما کر خاموش ہوگئے ۔ کچھ دیر بعد اس سے فرمانے لگے : میں نے تیرے بیٹے کو دیکھا ہے وہ دہلی کے بازار میں بیٹھا ہے ، ایک بزاز کی دکان پر ۔ اس عورت نے چادر ہاتھ میں پکڑ کر پھر فریاد کی کہ خدارا یہ بھی فرما دیں کہ وہ کب آئے گا ۔ حضرت نے پھر تبسم کیا اور فرمایا : انشاء اللہ تعالیٰ پندرہ روز کے عرصے میں تیرے پاس پہنچ جائے گا ، تو اپنے عزیز سے یہ کہہ دے کہ وہ اپنی بیٹی کسی اور سے نہ بیاہے ۔ میر زین العابدین جب رخصت ہو کر گھر لوٹا تو اس نے یادداشت کے طور

پر تاریخ لکھ لی اور لڑکی کے باپ سے بھی اس نے کہا کہ جہاں تو نے بارہ برس صبر کیا ہے پندرہ روز اور صبر کر لے ، اگر وہ جوان نہیں آتا تو پھر اختیار تیرے ہاتھ میں ہے ۔ میر زین العابدین ہر روز اس میعاد کو گنتا رہا ۔ جب تاریخ مذکورہ سے پندرہ روز ہو گئے تو اس نے اس بڑھیا کے گھر کسی کو بھیجا اُس نے بتایا کہ اس کا بیٹا گھر پہنچ گیا ہے ۔ میر نے اس لڑکے کو اپنے پاس بلایا اور اس سے ایک ایک کر کے سب ٹھکانوں کا پوچھا ۔ پتا چلا کہ اُس روز وہ دہلی ہی میں تھا اور بزاز کی دکان سے اس نے چادر کا کپڑا خریدا تھا ۔ وہ چادر تحفہ کے طور پر لایا ہے ۔ میر زین العابدین اس عارفِ ربّانی کی غیب دانی سے آگاہ ہو کر مبہوت رہ گیا ۔ اور یہ تو حضرت کے تصرفات (کرامات) و معلومات کا ایک چھوٹا سا درجہ تھا ۔

بیت :

آنکہ واقف گشت بر اسرارِ ہو　　سرِّ مخلوقات چہ بود پیش او
آنکہ بر افلاک رفتارش بود　　برزمین رفتن چہ دشوارش بود ۲۶

(وہ جو "ہُو" کے بھیدوں سے واقف ہو گیا اس کے سامنے مخلوقات کے بھید کیا ہیں وہ کہ جس کی رفتار یعنی چلنا افلاک پر ہو اس کے لیے زمین پر چلنا کیا دشوار ہو سکتا ہے)

روایت ہے کہ ایک روز تختِ سروری کے جالِس (بیٹھنے والا ۔ مراد شیخ داؤد) چار دیواری پر بیٹھے تھے اور بہت بڑی مجلس برپا تھی ۔ شمس الدین بھلیم جو اس وقت پرگنۂ ستگھرا کا کروڑی تھا ، دوسرے منصبداروں کے ساتھ دولتِ پابوسی کے لیے خدمت میں حاضر ہوا ۔ دلپذیر وعظ و نصیحت کے بیان کے دوران میں میر سید علی بصیر کا ایک نوکر سید حسین آکر زیارت کی خاطر چوبارے کے نیچے ، گھوڑے پر سوار رہ کر کھڑا ہو گیا ۔ اور میر علی بصیر ، بھوج کے پرگنہ کا صاحب جاگیر تھا ۔ اس نوکر نے سلام کیے بغیر حضرت سے اِس بات کا تقاضا کیا کہ جعفر واہ (؟) کا بند باندھنے کے لیے خادمانِ درگاہ سے چند مزدور لینے کا حکم ہوا ہے ۔ حکم دیں کہ وہ مزدور جلد دیے جائیں ۔ حضرت نے فرمایا : بکن (؟) کروڑی سے رجوع کر کہ ایسے کام اس سے وابستہ ہیں ۔ حسین نے کہا کہ وہ تو موجود نہیں ہے ۔ کسی اور کو حکم فرمائیں تاکہ جلد تر اسے اختتام کو پہنچائیں ۔ اس کے اِس ناجائز و ناروا تقاضا سے حضرت کی حالت دگرگوں ہو گئی ۔ بولے : اگر تجھے مزدوروں

کی ضرورت ہے ، اور تُو ہجو نہیں کر رہا (مراد رعب نہیں ڈال رہا) تو میں نے کہہ دیا ہے مل جائیں گے اور اگر تُو یہ چاہتا ہے کہ مجھے بیلچہ اور رسی ہاتھ میں پکڑا دے تو کُھل کر کہہ تاکہ میں خود آجاؤں ۔ شمس الدین بھیلم برہم ہو گیا ۔ اس نے چاردیواری پر سے جھانک کر دیکھا تو ایک مفلس قسم کا سوار اُسے نظر آیا جو اس ساری شرارت اور درشتی سے کام لے رہا تھا ۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور حضرت سے اس نے اجازت چاہی کہ : میں ذرا اِس بدبخت کا پلیتھن نکال لُوں (اِسے ٹھوکروں سے مار ڈالوں) مَیں بادشاہ کے پاس جاکر اس کے خون کا جواب دے لوں گا ۔ حضرت نے شمس الدین کو اسے ایذا پہنچانے سے منع کیا اور فرمایا کہ ان کی شامتِ اعمال سے دریاے بیاس کا پانی بند ہوگیا یعنی آج سے نہ تو بیاس میں پانی آئے گا اور نہ ان بدبختوں کا دستِ ظلم و تعدّی ہی کُھلے گا ۔ پھر حضرت نے سندھی زبان میں یہ دُہڑہ فرمایا :

دُہڑہ :

ودا وچھورا بابلن وِباہ وباہ لِہی پیر پاپورا کول مہکر ہیکرو
مچھی ماہی جال نہ جانے ناکدی کبود (؟)

اُسی روز حضرت نے خادم کو بھیج کر ملک سہو اور ملک جھبل (جہبل؟) خان کو بلوا بھیجا ۔ یہ دونوں قوم کھیلان کے سردار و رئیس تھے ۔ ہزار سے زیادہ آدمی ان سے وابستہ تھے جو آستانۂ مبارک کے مغرب میں سات کوس کے فاصلے پر دریاے بیاس کے کنارے کشتی رانی سے حصولِ رزق کا سامان اور زندگی بسر کرتے ، اور حضرت سے ارادت کی سعادت اور عقیدت کی دولت میں تمام لوگوں سے سبقت لے گئے تھے ۔ حضرت نے ان دونوں کو حکم فرمایا کہ یہاں سے جلد چلے جاؤ اور ملتان اور قبولہ کی سرحد ۔کے علاقے میں آباد ہو جاؤ ۔ ملک سہو نے عرض کیا کہ ہم لوگوں کے خاندان کی گذر اوقات سواے دریا کے کنارے کے اور کہیں مشکل ہے ۔ فرمایا: اس دریا کا پانی اب منقطع ہو گیا ، چند روز کے بعد یہ بالکل خشک ہو جائے گا ۔ تم جلدی سے کشتیاں یہاں سے کھے لو اور چلے جاؤ ۔ جس طرف کا تمہیں اشارہ کیا گیا ہے ، یہی پانی اب اُدھر پہنچ جائے گا ۔ وہ لوگ چلے گئے اور اپنی قوم کو انہوں نے تیزی سے وہاں سے روانہ کر دیا ۔ پھر وہ اجازت لینے خدمت میں حاضر ہوئے اور آنسو بہاتے ہوئے عرض پرداز ہوئے کہ یہاں قرب و

..ار میں ہمارے سب کام حضرت کے مشورے اور مدد سے انجام پذیر ہوتے تھے ، اب
..ب آپ ہمیں دور بھیج رہے ہیں تو ہماری طرف کام بنانے والی توجہ سے دریغ نہ فرمائیے
.. ۔ حضرت نے فرمایا : ہمیشہ خود کو قادریہ کے مبارک آستانے کے نیازمند بنائے رکھنا
..ر مسافت کی نزدیکی اور دوری کو قطعاً نظر میں نہ لانا ۔ جھبل خان نے پھر عرض کیا کہ
..چہ اور ملتان کے نواح میں حلالی ، قریشی اور کروتری (فرقوں کے) لوگ اپنی ذات میں
..ے مغرور ہیں ۔ اگر یہ لوگ کبھی پوچھ بیٹھیں کہ تمہارے پیر کی نسبت کیا ہے تو کیا
..واب دیں ، حالانکہ اس مدت میں ہم نے حضرت کی زبان سے اس قسم کی کوئی بات
نہیں سُنی ۔ حضرت نے فرمایا : اس قسم کی بات چیت غیر متعلق ہے ۔ کام کا دار و
مدار عمل صالح اور کردار نیک ہے ۔ تاہم اگر کوئی باصرار پوچھے تو کہہ دینا کہ سیّد ہے۔
میں نے اس لیے کبھی اِس کا اظہار نہیں کیا کہ زبان پر "ہم اور مَیں" (تکبر ، بڑائی) کا
لفظ بڑی ہی غیر معرفت کی بات ہے ۔

روایت ہے ایک رعشہ کا مریض خدمت میں حاضر ہوا ۔ اس نے التماس کی کہ
میں رعشہ کے عارضے سے عاجز آچکا ہوں ، پانی کا پیالہ تک ہاتھ میں نہیں پکڑ سکتا ۔
خدارا توجہ فرمائیں کہ اس بیماری سے نجات پاؤں ۔ حضرت نے فرمایا کہ کسی طبیب کے
پاس جا کیونکہ اِس کے علاج کا تعلق اطبّا سے ہے ۔ اس مریض نے زمین کو چوما ، اور
عاجزی اور فریاد شروع کردی ۔ فرمایا : سامنے آ ۔ اس کے دونوں ہاتھ اپنے دست مبارک
میں مضبوطی سے تھامے اور چھوڑ دیے ۔ اسی وقت اسے ایسی شفا ہوگئی جیسے وہ کبھی
اس مرض میں مبتلا نہ تھا ۔

مصرع :

دستِ اور در کارہا دست خداست

(کاموں میں اس کا ہاتھ گویا خدا کا ہاتھ ہے)

منقول ہے کہ جب کبھی دریائے بیاس کے کنارے سیر کرتے ہوئے اسلام پور
منوّرہ کے صحرا اور دیپالپور سے قصبۂ مصطفیٰ آباد کو عبور فرماتے تو اکثر شہر سے باہر واقع
مسجد کمان گراں میں نماز ادا کرتے ۔ مسجد کے مجاور حضرت کے ورودِ مبارک کی خبر اسی
لمحے میر زین العابدین مشہدی تک ، جو مرید فدوی اور مخلصِ حقیقی تھا ، پہنچا دیتے اور

وہ (اس ورودِ کو) غنیمت سمجھتے ہوئے اسی وقت حاضر ہو جاتا اور وہاں نماز پڑھتا ۔ ایک روز نمازِ فراغ کے بعد ایک بوڑھی عورت نے آکر فریاد کی کہ بارہ برس ہو چلے ہیں میرے بیٹے نے مسافرت اختیار کی تھی ۔ آج تک اس کی کوئی خبر نہیں ملی ۔ کسی عزیز کی لڑکی بچپن ہی میں اس سے منسوب ہوئی تھی ، آج رات اس لڑکی کو کسی اور کے ساتھ بھیج رہے ہیں ۔ خدارا کچھ بتائیے کہ وہ زندہ تو ہے ؟ اگر زندہ ہے تو میں اس لڑکی کی شادی رکوا دوں وگرنہ صبر اختیار کرلوں ۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کام کے لیے کاہنوں اور نجومیوں کے پاس جانا چاہیے ، فقرا تو صدق و صفا کے راستے کے رہبر ہیں ، انہیں اس قسم کی چیزوں سے کوئی نسبت نہیں ۔ وہ عورت بولی : میں نے کاہنوں اور نجومیوں سے کئی مرتبہ پوچھ دیکھا ہے ۔ جو کچھ بھی انہوں نے بتایا سب جھوٹ نکلا ۔ خدا کے لیے ، رسول اللہ صلی علیہ وسلّم کی روح مبارک کے صدقے توجہ فرمائیں اور ہر صورت مجھے اس کی خبر دیں ۔ حضرت تبسم فرماکر خاموش ہوگئے ۔ کچھ دیر بعد اس سے فرمانے لگے : میں نے تیرے بیٹے کو دیکھا ہے وہ دہلی کے بازار میں بیٹھا ہے ، ایک بزاز کی دکان پر ۔ اس عورت نے چادر ہاتھ میں پکڑ کر پھر فریاد کی کہ خدارا یہ بھی فرما دیں کہ وہ کب آئے گا ۔ حضرت نے پھر تبسّم کیا اور فرمایا : انشاء اللہ تعالیٰ پندرہ روز کے عرصے میں تیرے پاس پہنچ جائے گا ، تو اپنے عزیز سے یہ کہہ دے کہ وہ اپنی بیٹی کسی اور سے نہ بیاہے ۔ میر زین العابدین جب رخصت ہو کر گھر لوٹا تو اس نے یادداشت کے طور پر تاریخ لکھ لی اور لڑکی کے باپ سے بھی اس نے کہا کہ جہاں تو نے بارہ برس صبر کیا ہے پندرہ روز اور صبر کرلے ، اگر وہ جوان نہیں آتا تو پھر اختیار تیرے ہاتھ میں ہے ۔ میر زین العابدین ہر روز اس میعاد کو گنتا رہا ۔ جب تاریخ مذکورہ سے پندرہ روز ہو گئے تو اس نے اس بڑھیا کے گھر کسی کو بھیجا اُس نے بتایا کہ اس کا بیٹا گھر پہنچ گیا ہے ۔ میر نے اس لڑکے کو اپنے پاس بلایا اور اس سے ایک ایک کرکے سب ٹھکانوں کا پوچھا ۔ پتا چلا کہ اُس روز وہ دہلی ہی میں تھا اور بزاز کی دکان سے اس نے چادر کا کپڑا خریدا تھا ۔ وہ چادر تحفہ کے طور پر لایا ہے ۔ میر زین العابدین اس عارفِ ربّانی کی غیب دانی سے آگاہ ہو کر مبہوت رہ گیا ۔ اور یہ تو حضرت کے تصرفات (کرامات) و معلومات کا ایک چھوٹا سا درجہ تھا ۔

بیت :

آنکہ واقف گشت بر اسرارِ ہو — سرِّ مخلوقات چہ بود پیش او

آنکہ بر افلاک رفتارش بود — بر زمین رفتن چہ دشوارش بود ۳۶

(وہ جو "ہُو" کے بھیدوں سے واقف ہوگیا اس کے سامنے مخلوقات کے بھید کیا ہیں وہ کہ جس کی رفتار یعنی چلنا افلاک پر ہو اس کے لیے زمین پر چلنا کیا دشوار ہو سکتا ہے)

روایت ہے کہ ایک روز تختِ سروری کے جالس (بیٹھنے والا ۔ مراد شیخ داؤد) چار دیواری پر بیٹھے تھے اور بہت بڑی مجلس برپا تھی ۔ شمس الدین بھلیم جو اس وقت پرگنۂ سنگھرا کا کروڑی تھا ، دوسرے منصبداروں کے ساتھ دولتِ پابوسی کے لیے خدمت میں حاضر ہوا ۔ دلپذیر وعظ و نصیحت کے بیان کے دوران میں میر سید علی بصیر کا ایک نوکر سید حسین آکر زیارت کی خاطر چوبارے کے نیچے ، گھوڑے پر سوار رہ کر کھڑا ہوگیا ۔ اور میر علی بصیر ، بھوج کے پرگنہ کا صاحب جاگیر تھا ۔ اس نوکر نے سلام کیے بغیر حضرت سے اِس بات کا تقاضا کیا کہ جعفر واہ (؟) کا بند باندھنے کے لیے خادمانِ درگاہ سے چند مزدور لینے کا حکم ہوا ہے ۔ حُکم دیں کہ وہ مزدور جلد دیے جائیں ۔ حضرت نے فرمایا : بکن (؟) کروڑی سے رجوع کر کہ ایسے کام اس سے وابستہ ہیں ۔ حسین نے کہا کہ وہ تو موجود نہیں ہے ۔ کسی اور کو حکم فرمائیں تاکہ جلد تر اسے اختتام کو پہنچائیں ۔ اس کے اِس ناجائز و ناروا تقاضا سے حضرت کی حالت دگرگوں ہوگئی ۔ بولے : اگر تجھے مزدوروں کی ضرورت ہے ، اور تُو ہجو نہیں کر رہا (مراد رعب نہیں ڈال رہا) تو میں نے کہہ دیا ہے مل جائیں گے اور اگر تُو یہ چاہتا ہے کہ مجھے بیلچہ اور رسی ہاتھ میں پکڑا دے تو کُھل کر کہہ تاکہ میں خود آجاؤں ۔ شمس الدین بھیلم برہم ہوگیا ۔ اس نے چاردیواری پر سے جھانک کر دیکھا تو ایک مفلس قسم کا سوار اُسے نظر آیا جو اس ساری شرارت اور درشتی سے کام لے رہا تھا ۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور حضرت سے اس نے اجازت چاہی کہ : میں ذرا اِس بدبخت کا پلیتھن نکال لُوں (اِسے ٹھوکروں سے مار ڈالوں) مَیں بادشاہ کے پاس جاکر اس کے خون کا جواب دے لوں گا ۔ حضرت نے شمس الدین کو اسے ایذا پہنچانے سے منع کیا اور فرمایا کہ ان کی شامتِ اعمال سے دریاے بیاس کا پانی بند ہوگیا یعنی آج سے نہ تو بیاس میں پانی آئے گا اور نہ ان بدبختوں کا دستِ ظلم و تعدی ہی کُھلے گا ۔ پھر حضرت نے سندھی زبان میں یہ دُہڑہ فرمایا :

دُہڑہ :

ودا وچھورا بابلن وِباہ وباہ لہی پیر پاپورا کول مہکر ہیکرو
مچھی ماہی جال نہ جانے ناکدی کبود (؟)

اُسی روز حضرت نے خادم کو بھیج کر ملک سہو اور ملک جھبل (جہبل؟) خان کو بلوا بھیجا ۔ یہ دونوں قوم کھیلان کے سردار و رئیس تھے ۔ ہزار سے زیادہ آدمی ان سے وابستہ تھے جو آستانۂ مبارک کے مغرب میں سات کوس کے فاصلے پر دریاے بیاس کے کنارے کشتی رانی سے حصولِ رزق کا سامان اور زندگی بسر کرتے ، اور حضرت سے ارادت کی سعادت اور عقیدت کی دولت میں تمام لوگوں سے سبقت لے گئے تھے ۔ حضرت نے ان دونوں کو حکم فرمایا کہ یہاں سے جلد چلے جاؤ اور ملتان اور قبولہ کی سرحد کے علاقے میں آباد ہو جاؤ ۔ ملک سہونے عرض کیا کہ ہم لوگوں کے خاندان کی گذر اوقات سواے دریا کے کنارے کے اور کہیں مشکل ہے ۔ فرمایا: اس دریا کا پانی اب منقطع ہوگیا ، چند روز کے بعد یہ بالکل خشک ہو جائے گا ۔ تم جلدی سے کشتیاں یہاں سے کھے لو اور چلے جاؤ ۔ جس طرف کا تمہیں اشارہ کیا گیا ہے ، یہی پانی اب اُدھر پہنچ جائے گا ۔ وہ لوگ چلے گئے اور اپنی قوم کو انہوں نے تیزی سے وہاں سے روانہ کر دیا ۔ پھر وہ اجازت لینے خدمت میں حاضر ہوئے اور آنسو بہاتے ہوئے عرض پرداز ہوئے کہ یہاں قرب و جوار میں ہمارے سب کام حضرت کے مشورے اور مدد سے انجام پذیر ہوتے تھے ، اب جب آپ ہمیں دور بھیج رہے ہیں تو ہماری طرف کام بنانے والی توجہ سے دریغ نہ فرمائیے گا ۔ حضرت نے فرمایا : ہمیشہ خود کو قادریہ کے مبارک آستانے کے نیازمند بنائے رکھنا اور مسافت کی نزدیکی اور دوری کو قطعاً نظر میں نہ لانا ۔ جھبل خان نے پھر عرض کیا کہ اُچہ اور ملتان کے نواح میں حلالی ، قریشی اور کروتری (فرقوں کے) لوگ اپنی ذات میں بڑے مغرور ہیں ۔ اگر یہ لوگ کبھی پوچھ بیٹھیں کہ تمہارے پیر کی نسبت کیا ہے تو کیا جواب دیں ، حالانکہ اس مدت میں ہم نے حضرت کی زبان سے اس قسم کی کوئی بات نہیں سُنی ۔ حضرت نے فرمایا : اس قسم کی بات چیت غیر متعلق ہے ۔ کام کا دار و مدار عمل صالح اور کردار نیک ہے ۔ تاہم اگر کوئی باصرار پوچھے تو کہہ دینا کہ سید ہے۔ میں نے اس لیے کبھی اِس کا اظہار نہیں کیا کہ زبان پر "ہم اور مَیں" (تکبر ، بڑائی) کا لفظ بڑی ہی غیر معرفت کی بات ہے ۔

مصرع:

من مگو تا تو نگردی ہمچو من

("مَیں" مت کہہ ، کہیں تو میری طرح نہ ہو جائے)

نسبت سے تفاخر تلاش کرنا (یعنی خاندان کے حوالے سے فخر کرنا) گویا رختِ نادانی کو بازار مزخرفات میں لے جانا ہے ۔

بیت:

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی که درین راه فلان ابن فلان چیزی نیست

(جامی تو عشق کا غلام ہوا ہے تو نسب کا خیال دل سے نکال دے کیونکہ راہِ عشق میں "فلاں بیٹا فلاں کا" کو کوئی اہمیت نہیں)

ملک سہو اور جھبل خان کے چلے جانے کے بعد ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ دریا بالکل خشک ہو گیا۔

روایت ہے کہ ایک روز حسن ابدال نے حضرت سے پوچھا کہ کبر کی انتہا کیا ہے ۔ فرمایا : کبرِ جلی (آشکارا تکبّر) کسی شرح و بیان کا محتاج نہیں ہے ، اور کبرِ خفی یہ ہے کہ تُو پانی کا پیالہ کسی دوسرے سے مانگے اور کھانا اکیلے کھائے ۔

روایت ہے کہ اکثر راتوں کو جب اصحاب درود پڑھنے میں مصروف ہوتے تو مُشکِ اذفر اور کافور کی خوشبو حاضرینِ مجلس کے دماغوں کو پہنچتی ۔ جب انہوں نے اِس ضمن میں حضرت سے بات کی تو فرمایا :مُشک کی وہ خوشبو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے نزول کے باعث ہے ۔ حضورؐ جمعہ کی رات کو درود پڑھنے والے کے قریب تشریف لے جاتے اور درود خود اپنے پاک کانوں سے سُن کر فرماتے ہیں : اللّٰھُم اغفر لقائلھا و بوالدیہ واحسن الیھم والیہ "یا رب درود پڑھنے والے اور اس کے والدین کی مغفرت فرمادے اور ان کے اور اس کے لیے بہتر فرما) ۔ اور یہ معظم و مکرّم درود حضرت نے تالیف کیا ۔ اکثر اوقات یہ درود پڑھنے میں مشغول رہتے اور احباب کو یہ درود پابندی کے ساتھ پڑھنے کی تلقین فرماتے ۔ فرماتے کہ جو کوئی اسے ایک بار پڑھ لے اس نے گویا لاکھ مرتبہ درود پڑھ لیا اور اگر وہ جمعہ کی رات کو پڑھے تو اس نے حضرتؐ کی محبت کے تمام آداب و قواعد پورے کر دیے ، اور اگر حاجات پوری ہونے کی نیت سے پڑھے تو وہ یقیناً پوری ہونگی ۔ اگر یہ درود کسی بیمار پر پڑھا جائے (یعنی پڑھ کر پھونکا جائے) تو

اسے جلد صحت ہوگی۔ اگر قبرستان میں پڑھا جائے تو قبروں سے عذاب ہٹا لیا جائے گا۔ اگر گرفتگی اور رنج و اندوہ کے عالم میں پڑھا جائے تو مسرت و شادمانی حاصل ہوگی اور پڑھنے والے کا دِل محبتِ الٰہی سے روشن اور منور ہو جائے گا۔ درود اِس طرح ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم : صلّی اللّٰہم مِن لُطفکِ علی قلبِ محمد صلی اللّٰہم مِن فَضلِک علی روحِ مُحمّدٍ صلّی اللّٰہم مِن عطفک علَی قبر محمّدٍ صلّی اللّٰہم مِن حُبّک علی روضتہِ محمّدٍ بِاَمرِکَ نَحنُ صَیلنَا عَلَی عَبدِکَ رَحِیماً بِکَرمِکَ صَلّ و سلّم علیہ کریماً صَلّ اللّٰہمَ تکریماً علی مِن تَصطِفیہ او صلّ اللّٰہم تعظیماً عَلَی من تجنباہ صَلّ اللّٰہم تفضیلاً علیٰ مَن ترسلاہ صلّ اللّٰہم تفخیماً علی مَن تکرماہ صلّ اللّٰہم تحبلیلا عَلی مَن تخماہ وصلّی اللہ عَلَی خَیر خَلقِہ مُحمّدٍ وآلہ اَجمعین۔ (؟)

روایت ہے ایک روز چار دری پر بیٹھے شرعی علوم کے بیان میں خوب مصروف تھے۔ ایک سیّاح صوفی درویش آگیا۔ خدمت میں پہنچنے کے کچھ دیر بعد اس نے پوچھا کہ میں نے دیارِ ہند میں درویشوں کو دیکھا ہے جن کے یہاں گانا گایا اور ساز بجایا جاتا ہے۔ ان پر وجد طاری ہو جاتا ہے اور وہ سماع کرتے ہیں، تو یہ کیونکر ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ فقہ کی کتابوں میں ممنوع اور حرام ہے کیا تھوڑا اور کیا زیادہ، ہر صورت میں جیسا کہ نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: سماع الملاہی بدعتہ والجلوس بہا فسق (سماع لہو بدعت ہے اور اس میں بیٹھنا فسق ہے)۔ پھر اُس نے پوچھا کہ: کسی سرگشتہ اور جان سے گذرے ہوئے فقیر کے لیے یہ روا ہے یا نہیں کہ وہ خلوت میں بیٹھ کر اور دروازہ بند کرکے کچھ دیر کے لیے آرام کر لے۔ ؟ حضرت نے فرمایا: اے درویش! سُنت و جماعت کے طریقے میں تو یہ ممنوع اور محظور (حرام) ہے اور علماے دین اور مجتہدینِ یقین کے نزدیک، متفقہ طور پر، یہ پوری طرح حرام اور مضر ہے اور اسے "ہٰذا مِن اَفعالِ الشیطان" (یہ شیطان کے کاموں میں سے ہے) کہتے ہیں، لیکن شرع کا فتویٰ ہے کہ جو کچھ شریعت میں حرام ہے وہ سب کے نزدیک حرام ہے اور (اگر) حاذق طبیب کسی بیمار کی دوا اس پر منحصر سمجھتا ہے تو وہ اسے کھانے کو دے دی جاتی ہے کیونکہ یہاں "الضرورات تبیح المحذورات" (ضرورتیں ممنوعہ باتوں کو جائز بنا دیتی ہیں) کا اِطلاق

ہے ۔ اس کے بعد وہ اس سے تائب ہو جائے اور پھر اس کی طرف مائل نہ ہو ،
اس لیے کہ اہل اسلام پر "واجتنبوا عن الحرام" (اور حرام سے اجتناب کرو) فرض عین
ہے ۔

پھر اس درویش نے مثال دی کہ کتاب مشارق الانوار میں لکھا ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت اقدس میں کسی دوست نے ایک لونڈی بھجوائی ۔ وہ لونڈی مغنیہ تھی ۔ جب حضورؐ نے اس سے پوچھا کہ تجھے کوئی ہنر آتا ہے ؟ تو اس نے عرض کیا "لا اِلّا غنا" (سوائے موسیقی کے اور کچھ نہیں آتا) اِس پر آنحضرتؐ نے حجرۂ مبارک میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہما کی موجودگی میں اس سے فرمایا کہ کچھ کہو (سناؤ) ۔ اس نے دف بجائی اور اپنی دلکش آواز کے ساتھ سامعین کو محظوظ کیا ۔ اسی اثنا میں امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ آپہنچے ، اور احتساب کی خاطر انہوں نے دُرّہ کھینچ لیا ، لیکن جب حضرت رسالت پناہ کو دیکھا تو کانپ اُٹھے اور پوچھا کہ : رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دولتخانے پر اس فعل کی کیا مناسبت ہے ؟۔ حضرت پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا : "لِکُلِ قومٍ عید و ہذا عیدنا" (ہر قوم کے لیے کوئی عید یعنی خوشی ہے اور یہ ہماری عید ہے)۔ (یہ مثال بیان کرنے کے بعد درویش نے کہا) : تو کیا یہ قولِ (مبارک) سامعینِ سرور کے لیے حُجّت اور بہانہ ہے یا نہیں؟ حضرت (شیخ داؤد) نے فرمایا : اے درویش ! اگرچہ یہ ماجرا اور مقدمہ مشارق الانوار میں تحریر ہے لیکن علماے دین کا کہنا ہے کہ جس وقت آنحضرت سرورِ کائناتؐ نے یہ حدیث فرمائی اس وقت حضورؐ پر گانے کا سحر طاری تھا اور جو بات حالتِ سُکر میں کہی گئی ہو اس کی پیروی نہیں کرنی چاہیے ۔ گانے کے لیے بہانہ ڈھونڈنے والوں کے واسطے یہ حدیث حجت نہیں بنتی ، اِس لیے کہ حالتِ سُکر میں طاعت و عبادت بھی قبول نہیں، جیساکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا : "ولاتقربو الصلٰوۃ ...... ۲۷ "(جب تم نشّے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ حتّٰی کہ جو کچھ تم کہتے ہو اس کا تمہیں شعور ہو جائے) تو اس صورت میں سرود و سماع کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے ۔ تجھے اس حدیث پر عمل نہیں کرنا چاہیے اور نہ اہلِ سرور کا معتقد ہی ہونا ۔ جو کچھ بھی صاحبِ شرعؐ عمل میں لائے ہیں اور سابقہ علما نے کیا ہے اس سے نہ تو تجاوز کرنا اور نہ کسی تفاوت ہی سے کام لینا ۔ حدیث میں آیا ہے "الشریعتہ اقوالی و الطریقتہ افعالی و الحقیقتہ احوالی"

(شریعت میرے اقوال ہیں ، اور طریقت میرے افعال اور حقیقت میرے احوال ہیں)۔ لہذا دم اور قدم شریعت ہی کے مطابق اٹھنا چاہیے اور بیابانِ عشق کے سرگشتگان کے احوال پر نظر نہیں رکھنا چاہیے ، اِس لیے کہ اُن کے احوال کے بھید سے کوئی بھی آگاہ نہیں ہے ، بجز اللہ کے ۔ وہ درویش یہ باتیں سُن کر محظوظ اور گانے کی اباحت کے عقیدے سے ، جس پر وہ ایک مُدت سے مُصرِ تھا تائب ہوا ، اور اس نے استغفار کی اور قادریہ کے سلسلہ عالیہ کے فقرا کا طریقۂ شغل اختیار کیا ۔

شیخ مُخلص سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت چاردری پر بیٹھے تھے اور ہر شریکِ مجلس پر لطف و عطا کی نظر فرمارہے تھے ۔ جب مجھ بے بضاعت کی طرف نظرِ عنایت کی باری آئی تو میری جانب چہرہ مبارک کرکے فرمایا : اے درویش ! کلمۂ توحید میں مشغول ہو اور ایک لمحہ بھی ذکر و فکر کے بغیر مت رہ ۔ یہ بات سُنتے ہی مجھ پر کچھ ایسا استغراق طاری ہوا اور فکر و ذکر کا ایسا دریچہ واہوا کہ مجھے عالم اور اہل عالم کے بارے میں کسی قسم کا شعور ، خبر اور فکر نہ رہا اور عجائباتِ ملکوت کا مشاہدہ ، جو حسِّ بصر (نظروں) سے ممکن نہیں ، ہونے لگا اور جب میں حضرت سے رخصت ہو کر حجرے میں آیا تو مَیں نے دریائے لاہوت میں کچھ ایسا غوطہ کھایا جیسے اس عالَم میں مجھ پر دس ہزار برس بِیت گئے ہوں ؛ جب مراقبے سے میں نے سر اٹھایا تو میں نے خود کو اپنی پہلی جگہ اور پہلی حالت ہی میں پایا ۔ میں حیرت کے گرداب میں ڈوب گیا (بہت حیران ہوا) اور ظاہر کی نظر میں چیزیں اُنہی بے نشان تجلّیات میں مشاہدہ ہوئیں ۔ چند روز تک میں اس حالت سے نہ نکلا ، جب کہ اِس دوران میں بعض لوگ مجھ سے حقائق کی مشکلات (گہری باتیں) اور معارف کی دشواریاں پوچھتے اور ان کے حل و کشف میں جواب سُنتے رہے جو کسی بھی کتاب یا رسالے میں موجود نہ تھے ۔ یہ سب مجھے اپنے حضرت پیر کی ایک نظرِ عنایت سے حاصل ہوا۔

بیت:

یک ذرۂ عنایتِ تو ای بندہ نواز   بہتر ز ہزار سال تقویٰ ونماز

(اے بندہ نواز تیری عنایت کا ایک ذرّہ ہزار سالہ تقویٰ اور نماز سے بہتر ہے)

اے عزیز! عارفوں کی تحقیقاتِ کبریٰ سے متعلق چند کلمات عوام کے فہم کے شبہات دور کرنے کی خاطر تحریر کیے جاتے ہیں کہ ہزار سالہ کام ایک دن میں کرنا ، آگ

میں داخل ہونا لیکن نہ جلنا اورماضی و حال اور مستقبل کے احوال کی خبر دینا وغیرہ اولیا اللہ سے کیونکر سرزد ہوتا ہے ۔ اور بعض عارفوں رحمہم اللہ کا کلام مکان اور زمان کی تحقیق میں ہے ۔ رہی معرفتِ مکان تو واضح ہو کہ مکان کی دو قسمیں ہیں ۔ ۳۸ الیٰ آخرہِ (اِس کے آخر تک)۔

روایت ہے ایک روز مجلس وعظ کے دوران میں حضرت کی حقایق بیان کرنے والی زبان سے یہ باتیں ادا ہوئیں کہ کبریاے خدا کے آستانے کا قرب و منزلت مال ترک کر دینے (خرچ کرنے) کی مقدار اور جاہ و مرتبہ سے ہاتھ اٹھا لینے پر موقوف ہے ۔ دنیا کے اسباب میں سے جو سب سے زیادہ پیارا اور عزیز ہے اس سے نکل آنا (چھوڑ دینا) اور ترک کرنا اچھا ہے ۔ سرک نامی ایک زمیندار تھا جس کی رہائش آستانۂ مبارکہ سے ایک کوس کے فاصلے پر تھی ۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے بھینسیں بڑی محبت سے جمع کی ہیں ۔ میں یہ سب راہ حق میں چھوڑتا ہوں ۔ جس کسی کے لیے بھی آپ حکم فرمائیں اس کے حوالے کردوں ۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ بھینسیں تو اپنے پاس رکھ اور اشارہ کے مطابق بتدریج اور آہستہ آہستہ ضرورتمندوں کو دیتا جا ۔ چند روز کے بعد ایک شخص ابوالبنات نامی آیا ۔ اس نے عرض کیا کہ میری بیوی کا زفاف پانچ سو تنکہ مراد (سکّے کا نام) پر موقوف ہے ۔ اگر عنایت ہوجائیں تو بندِ غم سے رہائی نصیب ہو جائے گی ۔ حضرت نے سرک کی طرف رقعہ لکھا کہ مذکورہ رقم کے برابر اس ریوڑ سے ایک عدد بھینس اسے دے دے ۔ وہ شخص رات کے وقت سرک کے گھر پہنچا ۔ اس نے ریوڑ چرانے والے سے کہا کہ فلاں بھینس اس آدمی کو دے دینا تاکہ وہ اپنے کام لائے ۔ اتفاق سے سرک کو آخرِ شب کسی اہم کام کے لیے دیوان خانہ روانہ ہونا پڑا ۔ اس کی بیوی ایک صحیح صالحہ خاتون تھی ۔ اس نے صبح جو اُس مستحق (حاجتمند) کو بیٹھے دیکھا تو یہ سمجھی کہ سرک اس کا کام بنائے بغیر روانہ ہوگیا ۔ اس نے کچھ کھانا لاکر اس کے آگے رکھ دیا ۔ گھر کے اندر اس نے پانچ سو تنکے دبا رکھے تھے ، وہ نکالے اور گن کر اس کے حوالے کرتے ہوئے اسے رخصت کردیا ۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

بیت:

در رہ عشق زن ازمرد بسی چالاکست   کز شُتر ، ناقہ بسی تیز رویہا دارد

(عشق کی راہ میں عورت ، مرد سے کہیں زیادہ ہوشیار ہے کیونکہ اونٹنی اونٹ سے بہت زیاد تیز چلتی ہے)

دوگھڑیوں کے بعد سرک گھر آیا۔ اس صالحہ نے اس کے دل کی خوشی کی خاطر اسے بتایا کہ میں نے اس مستحق کو پانچ سو تنکے دے کر رخصت کر دیا تاکہ تیرے آنے تک اسے انتظار کی تکلیف نہ اٹھانا پڑے ۔ سرک بولا کہ میں نے تو گڈریے کے روبرو اسے ایک بھینس دلا دی تھی تو نے یہ رقم اسے کیوں دی ، ممکن ہے وہ اُس سے بھینس لے گیا ہو ۔ چنانچہ سرک اس آدمی کے پیچھے بھاگا ۔ راستے میں اسے جالیا ۔ وہ بھینس لیے جارہا تھا ۔ سرک نے اس مستحق کی پیٹھ پر بڑے زور سے ڈنڈا مارا ۔ بھینس اس سے چھین کر واپس لے آیا ۔ دوسرے دن سرک ، حضرت کی خدمت میں پہنچ کر عرض پرداز ہوا کہ میں نے ، حضرت کو معلوم ہو ، اسے نقد پانچ سو تنکے دے دیے ہیں ۔ حضرت نے فرمایا : ہاں تو نے اسے بھینس دلادی تھی اور تیری بیوی نے پوچھے بغیر وہ رقم بھی اسے دے دی ۔ وہ یہ سمجھا کہ دونوں چیزیں اسے فلاں کے اشارے پر دی گئی ہیں ؛ لیکن وہ جو ڈنڈا تو نے اس کی پیٹھ پر مارا اُس کا زخم و الم مجھے پہنچا ، کیونکہ حقیقت میں وہ مَیں تھا جس نے تیرے ہاتھوں ڈنڈا کھایا ۔ پھر حضرت نے پشتِ مبارک پر سے چادر اٹھا کر اُسے دکھایا ۔ اس ڈنڈے کے زخم کا اثر نمایاں تھا ۔ جب سرک نے دیکھا تو شرمندگی اور خجالت کے باعث سر پر خاک ڈال لی ۔

روایت ہے نحیف صورت پارسا سیرت عبداللہ نامی ایک جولاہا دیپالپور کے مضافات کے کسی علاقے میں مقیم تھا ۔ عشق و محبت کے انتہائی جذبے کے باعث وہ گرد آلود چہرے کے ساتھ ہفتے میں ایک مرتبہ ضرور آستانے پر حاضر ہوتا ۔ ایک روز تشنگی شوق کے غلبے میں اپنے گھر سے بے وقت آستانے کی طرف روانہ ہوا ۔ شام کے بعد مصطفیٰ آباد کے ایک مزدور کی جھونپڑی میں پہنچا ۔ وہ بھی حضرت کا معتقد و مرید تھا ۔ اس (میزبان) نے گندم کی روٹی کی بجائے بَٹی ہوئی رَسّی کا بچا کھچا بان بطور کھانے کے اُس کے آگے رکھ دیا اور اپنی دُوں ہمتی اور تن پروری کے بُخار کی شدت کے باعث چارپائی پر مزے کی نیند سوگیا جب کہ مہمان عزیز کے نیچے تیکھی نوکوں والے تنکوں کی چٹائی بچھا دی ، جس کے نتیجے میں اس نیک کردار کے پہلو اور پشت پر تکلیف اور خراشوں کے بے شمار نشان ابھر آئے اور وہ تمام رات آرام اور نیند سے محروم رہا ۔ پھر

حال :

بیت:

چو کاخِ زندگیِ عیش را ثباتی نیست معاشِ یک شبہ سہلست خوب یا دشوار
(جب زندگیِ عیش کے محل کو دوام نہیں ہے تو پھر ایک رات ہی کی معاش آسان ہے وہ اچھی ہو یا مشکل)

جب صبح کے وقت درویش عبد اللہ آستانۂ مبارک کی طرف روانہ ہوا تو وہ کاسب بھی اس کی ہمراہی میں آکر پابوسی کی سعادت سے بہرہ ور ہوا۔ حضرت ، عبداللہ کی دلجوئی اور مزاج پُرسی کے بعد اس کے رات والے میزبان کی طرف متوجہ ہوئے ۔ فرمایا : اے دوست ! جب بھی تُو میرے پاس آتا ہے بے پایاں اخلاص کا مظاہرہ کرتا ہے اور جب مَیں تیرے گھر آتا ہوں تو تجھے چارپائی دینے میں تامّل ہوتا ہے۔ اس نے عجز و انکسار کے ساتھ عرض کیا کہ حضرت کب تشریف لائے؟ اور میرا گھر کب حضرت کے اُترنے کے لائق ہے ؟ حضرت نے فرمایا کہ: رات میں نے ، جسے تو نے عبداللہ سمجھا ، تیرے گھر میں اس کُھردری چٹائی پر پشت و پہلو زخمی کیے ہیں ۔ ادھر آ ، میرے پیچھے بیٹھ اور میری پیٹھ پر ہاتھ پھیر اور دیکھ کہ اس چٹائی سے میرے جسم کو کتنی خراشیں آئی ہیں ۔ اس نے آگے بڑھ کر قمیض اٹھائی اور پشتِ مبارک پر ہاتھ پھیرا۔ اس نے دیکھا کہ جو جو خراشیں اور زخم اس عبداللہ کے پشت و پہلو پر لگے تھے ، بعینہ وہی زخم حضرت کے بدن پر نمایاں تھے ۔ اس سے بعض سعادت مآب اصحاب کے بے لوث دلوں میں وجود کی وحدت کے بارے میں جیسے ابہام و اشتباہ پیدا ہوا ، لیکن عظمت ادب کے باعث وہ پوچھنے کی جرات نہ کر سکے ۔ حضرت نے زبانِ فعل سے جواب فرمادیا اور اس طرح ہر غائب اور حاضر کے خاطر نشان کر دیا ۔

کچھ اسی قسم کا واقعہ سلطان التارکین قدوۃ السالکین (سالکوں کے پیشوا) ، حُجت نبوی کی بُرہان ، مرتضوی مکارم کا جامع ، مہدی عصر حضرت میاں حبیب محمد قدس سرہ کے اصحاب سے سنا گیا ہے ۔اور وہ یہ کہ جب کبھی کوئی چور یا زانی شہر میں گرفتار کر کے لایا جاتا اور اسے سزا دی جاتی تو وہ (میاں) خلوت کدہ میں جاکر بہت ہی غمگین اور رنجیدہ ہوتے اور روتے ۔ ایک دن ایک نامی چور کو حاکم نے شیرگڑھ میں پکڑا۔ اس کے ہاتھ

کاٹ دیے اور پھانسی پر لٹکا دیا۔ شیر گڑھ کے لوگ اس کے قتل کے نظارے سے مسرور اور خوش ہوئے ، کیونکہ اس کی چوری اور رہزنی سے کم ہی کوئی اذیت و تکلیف سے بچا ہوگا ۔ جب اس رہزن کے قتل کا واقعہ ان کے سامعۂ مقدسہ تک پہنچا تو وہ اٹھے اور حُجرے میں جا کر اس قدر روئے کہ ان کی ریش مبارک آنسوؤں سے بھر گئی اور کشادگی کے باغ کے اُس گلِ خنداں (تازہ پھول) نے تمام دن غنچے کی مانند غم و اندوہ کے باعث ہونٹ بند رکھے ۔ کسی نے ان سے اس صورت حال کے بارے میں پوچھا ۔ انہوں نے فرمایا کہ : ہم اور یہ ہ ور حقیقت میں ایک ہی ندی کے پانی ، ایک ہی دریا کے قطرے، ایک ہی کُل کے اجزا اور ایک ہی وجود کے اعتقاد (اعضا؟) ہیں ۔ تو جب کبھی ہم میں سے کوئی ایک فعل میں مبتلا ہو کر سزا پاتا ہے تو یہ رونے اور ماتم کرنے کا مقام ہے ۔

قطعہ:

بنی آدم اعضای یک دیگراند — کہ درآفرینش ز یک گوہر اند

چوعضوی بدرد آورد روزگار — دگر عضو ہا را نماند قرار ۳۹

(بنی نوع انسان ایک دوسرے کے اعضا ہیں ، کیونکہ ان کی تخلیق ایک ہی جوہر یعنی حضرت آدم سے ہے

جب کبھی کسی عضو کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو جسم کے باقی اعضا کو چین میسر نہیں آتا)

روایت ہے کہ جہاں حضرت کا منوّر و مقدس روضہ تعمیر ہوا ہے وہ ان کی زندگی میں ایک کچاّ سا گھر تھا جسے اصحابِ عالی مقام اور یارانِ نیک انجام نے "نور محل" سے موسوم کر رکھا اور اس کا اردگرد انہوں نے رنگا رنگ پھولوں اور انگور کے پودے (بیل) سے سجا رکھا تھا ۔ حضرت اکثر اوقات اپنی موجودگی کی درخشندگی سے اس جگہ کو بیت المعمور کے لیے باعث رشک بنا دیتے ۔ ایک روز اس "دولت آشیاں" مکان میں حضرت مجلس افروز تھے اور اصحابِ کبار ، خلفاے نامدار اور شیخ حسن ابدال و غیرہم لاہور سے خدمت میں پہنچے ہوئے تھے ۔ حضرت اللہ کے ذکر کی فضیلت اپنے وحی ایسے کلام سے مسلسل فرمارہے تھے کہ : ہر شے اللہ کے ذکر کے نور سے پیدا اور کلمۂ توحید کے پرتو سے وجود

پذیر ہوئی ہے اور تمام اولیا و صلحا کی جنابِ کبریا تک رسائی کا وسیلہ یہی ذکر ہے ۔ جو کوئی اِس ذکر کے بغیر اُس جہان میں گیا وہ سعادتِ سرمدی سے محروم رہا ۔ تفسیر کبیر میں مذکور ہے کہ اگر روے زمین کے تمام دریا اور سمندر سیاہی بن جائیں ، تمام فرشتے اور جِن و انس کاتب بن جائیں اور زمین کے تمام طبقے کاغذ بن جائیں تو بھی نوح علیہ السلام کی عمر جتنے عرصے میں اس کلمے کا ثواب نہ لکھ سکیں گے جو اِسمِ ذات (اللہ) کے ذاکر کو حاصل ہوگا ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے : اَلذّاکِرُونَ وَالذّاکرات اعدّ لَھُم اجراً عظیما ۴۰ (ذکر کرنے والوں اور ذکر کرنے والیوں کے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے)۔ مرید اور طالبِ حق کے لیے کوئی بھی عمل اور نیکی اللہ کے ذکر کے برابر نہیں ، اور کوئی بھی نعمت و دولت اس سے بالا تر نہیں ہے ۔ جو بھی دل ذکرِ معبود کے نور سے عاری ہو اُسے مردہ سمجھنا چاہیے اور مطلوب کے شوق سے خالی ہر وجود کو نابود جاننا چاہیے ۔

بیت:

دلی بی ذوق رامن دل نگویم — تنی بی شوق را جُز گِل نگویم

(ذوق سے خالی دل کو میں دل نہیں مانتا اور شوق سے عاری جسم کو مٹی کے سوا اور کچھ نہیں جانتا)

واضح ہو کہ انسانی وجود ایک بہت گراں مایہ مال ہے اور ہر مال پر زکواۃ واجب ہے ، اور زبان کی زکوٰۃ اللہ کا ذکر ہے ، جیسا کہ کسی کا قول ہے : "لِکُلِّ شَیْئٍ زکوٰۃ و زکوٰۃ اللّسان ذِکر اللہ "(ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور زبان کی زکات اللہ کا ذکر ہے) اور ہر جی سے سوال ہوگا اور ہر دل سے پُرسش ہوگی کہ سانسوں کا خزانہ کہاں خرچ کیا اور اُس بے بہا دولت کو کہاں ضایع کیا ؟

اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے : ثُمَّ لَتُسالُنَّ یَومَئِذٍ عَنِ النَّعیم ۴۱ (پھر اس روز تم سب سے نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا)۔

قطعہ:

ہر یک نفس کہ میرود از عمر گوہریست — کان را خراجِ مُلک دو عالم بود بہا
مپسند کاین خزانہ دہی رایگان بباد — وانگہ رَوی بخاک تہی دستِ بی نوا

(ہر ہر سانس جو زندگی کا جارہا ہے وہ ایک موتی ہے جس کی قیمت دو عالموں کی سلطنت کا خراج ہے ۔
اچھا نہ سمجھ کہ یہ خزانہ تو یونہی تباہ کردے ۔ اِس صورت میں تو خاک میں خالی ہاتھ اور بے نوا جائے گا)

روایت ہے شیخ احمد چچھر (چھجر؟) جسے محبت و ارادت میں اکثر خلفا پر سبقت حاصل تھی ، ایک موقع پر جلال سانده اور جینهو زنار دار کے ہمراہ تہیۂ بصیر پور سے متعلق کام کی خاطر خطۂ لاہور کی طرف گیا ہوا تھا اور ایک مدت کے بعد اس نے صاحب دیوان خالصہ ۴۳ سے اجازت لی تھی ، جب (ان کے ساتھ) قصبہ جُھنی (وال) پہنچا تو راستے میں ان لوگوں نے چاہا کہ پہلے حضرت کی زیارت کا شرف حاصل کریں اس کے بعد گھر کو لوٹیں ۔ اس دوران میں انہوں نے آزمانے کے لیے باہم مشورہ کیا کہ حضرت کے خادموں سے ہم کس قسم کے کھانے کی توقع کریں ۔ شیخ احمد نے کہا : مجھے تو میدے کی روٹی اور بھینس کے تازہ دہی کی آرزو ہے ۔ اگر ہمارے وہاں پہنچتے ہی مرحمت فرمائیں تو یہ واضح طور پر کرامت ہوگی ، اِس لیے کہ میں اِس مدت میں لاہور رہا ہوں اور یہ چیز میسّر نہیں آئی ۔ جلال نے کہا : مجھے تو برّہ کے کبابوں کی خواہش ہے ۔ جنهو بولا : میرے لیے تو سفید چاول اچھے ہیں اور تازہ گھی ، پسی ہوئی مصری اور کورا برتن درکار ہے ۔ اگر جلد دے دیں (تو خوب ہے) ۔ ابھی یہ لوگ آدھی راہ ہی میں تھے اور ان کی آمد سے کوئی بھی مطلع و آگاہ نہ تھا ، جب حضرت نے لنگر کے متولی میر قباد سے فرمایا کہ : موٹے برّہ کے کباب ، دہی اور میدے کی روٹی جلد تیار کر ۔ نیز سفید چاول ، مصری اور کورے برتن ۴۴ لے آ ، اِس لیے کہ مہمان آرہے ہیں ۔ دو گھڑیوں کے بعد فرمایا کہ لاہور کی طرف سے کوئی نمودار ہوا ہے ۔؟ خادم اٹھا ۔ اس نے نظر دوڑائی ۔ کوئی بھی اسے دکھائی نہ دیا اور نہ محسوس ہوا ۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر فرمایا کہ کچھ سوار آتے دکھائی دیے ہیں ، کوئی انہیں پہچانتا ہے کہ وہ کون ہیں ؟ اُنہیں دیکھنے کے بعد حضرت کو بتایا گیا کہ چند سوار اور پیادے ظاہر ہوئے تو ہیں لیکن ابھی تک پہچانے نہیں جاسکے ۔ فرمایا : غالباً احمد اور جلال اور جنهو لاہور سے آرہے ہیں ۔ جب وہ لوگ کچھ اور نزدیک پہنچ گئے تو سب یاروں نے انہیں پہچان لیا کہ ہاں وُہی تینوں آرہے ہیں ۔ جب وہ لوگ آستان بوسی کے شرف سے مشرّف ہوئے تو حضرت نے ان سے شہر لاہور

کے واقف کاروں کا حال احوال پوچھا اور بہت زیادہ شفقت و کرم کا اظہار کیا۔ اس کے بعد خادم کو حکم دیا کہ لنگر جا کر تلی ہوئی روٹی (پراٹھا یا قتلمہ) اور دہی احمد کو، کباب جلال کو اور چاول وغیرہ جنہو کو دے، کہ یہ لوگ ابھی تک ان چیزوں سے میرے باطن کو آزمارہے ہیں۔ جب کہ مجھے لوگوں کی تلقین اور رشد و ہدایت کا حکم ملا ہوا ہے بھوکوں کی ضیافت کا نہیں۔ تاہم اگر تم لوگوں کے ضمیروں کے بھیدوں سے ہمیں آگاہی نہ ہو تو اُن کے (تمہارے) دل میں شکوک راہ پا جائیں اور ہدایت و ارادت کی دولت سے وہ محروم ہو جائیں۔ لہٰذا آزمائش کی طرف نہیں جانا چاہیے:

ہر کہ باشد شیرِ اسرارِ امیر نیک داند ہر چہ اندیشد ضمیر

(جو کوئی بھی سردار یعنی خدا کے بھیدوں کا شیر ہے وہ اس بات کو بخوبی جانتا ہے جو ضمیر سوچتا ہے)

بیت:

پس نگہ دارائے دلِ اندیشہ جُو دل ز فکرتہ ابدہ درپیش او ۴۵

دل نگہ دارید اے بی حاصلان در حضور حضرت صاحبدلان ۴۶

(اے باتیں سوچنے والے دل اپنے دل کو یعنی خود کو اُس کے سامنے بُری سوچوں سے بچا کر رکھ

اے بے حاصلو! صاحبدلوں کے حضور اپنے دل کا دھیان رکھو)

روایت ہے کہ چھوٹے سے چبوترے کے کونے میں صرف مصلّا بچھانے کی جگہ تھی، جسے کسی نے بھی کبھی دستِ ادب اور لب عاجزی کے بغیر نہ چُھوا تھا۔اس کے حفظِ حُرمت کا سبب یہ تھا کہ اس جگہ کو اکثر حضرت غوث اعظم کے قدموں نے چھوا تھا اور بارہا حضورؒ کے نور کا مہبط (اترنے کی جگہ) بنا تھا۔ مشہور ہے کہ جب کبھی حضرت کو کوئی ضرورت اور صعوبت پیش آتی اور (اس سلسلے میں) قطب الاقطاب سے مدد درکار ہوتی تو حضرت اُس حجرے میں اُس چبوترے پر جا بیٹھتے۔ اسی وقت عالمِ مثال میں قادریہ جمالِ لازوال سے مشرف ہو جاتے۔ ایک روز شیخ رشید قریشی الہاشمی کے بیٹے، جو حضرت بی بی رافعہ کے بھانجے تھے، بی بی سے ملنے کی خاطر اندرونِ خانہ گئے۔ اُنھوں نے اس مقدّس مکان کو خالہ کا گھر سمجھ کر اس میں بچوں کی طرح کھیل کود شروع کر دی

اور کھیلتے کودتے بے ادبی کے ساتھ اس چبوترے پر بیٹھ گئے ۔ اسی اثنا میں حضرت باہر سے تشریف لے آئے ۔ انہوں نے دیکھا کہ بچے اس دولتِ اَبدی کی مسند اور سعادتِ سرمدی کے مرکز پر کھیل رہے ہیں اور مقدس مصلّے کو انہوں نے پاؤں تلے روندا ہوا ہے ۔ حضرت کی حالت دگرگوں ہوگئی اور آتشِ غیرت بھڑک اُٹھی ۔ زور کی چیخ ماری اور گریبان اور قمیض کو پھاڑ ڈالا ۔ ہاتھوں میں پکڑی ہوئی کمان اور چند تیر زمین پر پھینک کر صحرا کی طرف نکل گئے ۔ موسم سرما تھا اور شدید سردی پڑ رہی تھی ۔ بدنِ مبارک پر سوائے ایک قمیص کے اور کچھ نہ تھا ۔ عالی مقام خواتین اور عالی درجات اصحاب نے اس صورت حال کے وقوع پذیر ہونے پر ساری رات پیچ و تاب میں بسر کی اور صبح سویرے حضرت کے پیچھے گئے ، کیونکہ شورشِ حال کے وقت کسی کو پیچھے جانے کی جرات نہ تھی ۔ راستے میں انہیں ایک پھٹی ہوئی قمیص پڑی ملی ۔ جب ذرا آگے گئے تو دستار اور جوتی پڑی ہوئی ملی ۔ سب احباب حیران و پریشان ہوئے کہ اس سرد ہوا میں ، ننگے بدن، اس نزاکت و لطافت کے ساتھ ، لباس کے بغیر انہوں نے رات کس طرح بسر کی ہوگی ۔ جب یہ لوگ دُور تک نکل گئے تو ایک گڈریے سے انہیں حضرت کا پتا چلا کہ ''مَیں (گڈریے) نے انہیں طلوع آفتاب کے وقت ایک بلند جگہ پر بیٹھے دیکھا ۔ میں نے بکری کا دودھ دوہ کر پیش کیا تو انہوں نے پھر مجھے لَوٹا دیا ۔'' احباب نے اس سے پوچھا کہ حضرت کے جسم پر کوئی لباس بھی تھا یا ننگے بدن تھے ۔ اس نے کہا : پاکیزہ سفید خلعت پہنے بیٹھے تھے ۔ سب اور بھی متحیّر ہوئے ۔ وہ اُس طرف گئے اور دور سے حضرت کو دیکھا کہ خدا کی عنایت و نوازش سے زر افشاں خلعت پہنے قبلہ رو بیٹھے ہیں ۔ حضرت نے احباب کو دور سے آستین سے اشارہ کیا کہ آؤ ۔ سبھی وہاں جاکر کارخانۂ سبحانی کی اس شمع کے گِرد پروانہ وار اکٹھے ہو گئے ۔ حضرت نے فرمایا کہ کل خاص جگہ پر بچوں کو بیٹھے دیکھ کر مجھ میں غیرت و جلال کی آگ کچھ ایسی شعلہ ور ہوئی کہ اگر میں اسے ضبط نہ کرتا اور دبائے نہ رکھتا تو بی بی کے سبھی اقربا خاکستر ہو جاتے، لیکن محض ان کے چہرے کی شرم کے باعث میں نے غیرت و جلالت کا سارا بوجھ خود پر ڈال لیا ۔ اس غُصے اور الم کے پی جانے کے نتیجے میں مَیں نے عجیب مرحمتیں اور حیران کن نوازشات ملاحظہ کیں ؛ کیونکہ میں نے ''والکاظمین الغیظ وَالعافِین عن الناس واللہ یُحِبّ المُحسنین'' ۴۷ (اور غصّے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ، اور اللہ تعالیٰ ایسے احسان کرنے والوں کو

دوست رکھتا ہے) کے مطابق عمل کیا ۔

اُن شاہ جیو ۴۸ کے ذکر میں لکھا گیا ۔

منقول ہے میر سید علی بصیر پرگنہ بھوج کا جاگیردار تھا ۔ وہ چھوٹے موٹے کاموں میں ہمیشہ حضرت پیر دستگیر کے خادموں سے اُلجھتا رہتا ۔ ایک مرتبہ خراسان سے کچھ قلندر ہندوستان کی سیر کے لیے آئے ۔ میر مذکور نے ان کی دل جوئی اور مہمانداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ، اور چاپلوسی اور مکاری سے ان بے دلوں کے دل پر اس نے پوری طرح قبضہ کر لیا (انہیں اپنا قائل کر لیا) اور اِس طرح مختلف حیلوں بہانوں سے ایک خطرناک منصوبہ بنایا ۔ اس نے ان لوگوں کے دلوں میں عجیب طریقے سے یہ بات بٹھائی کہ اِس علاقے میں ایک دکاندار شیخ ہے جو اس مَرغزار کے سُنیّوں کا امام اور ذلیل خارجیوں کا پیشوا ہے ۔ اس کے ساتھ ایذا اور اہانت و تذلیل کا جو بھی سلوک کیا جائے ، وہ گویا اہل بیت کی ایک شایستہ خدمت ہوگی ، اور اگر کسی طرح سے اس کے قتل کا سامان ہو جائے تو اس صورت میں خاندانِ حضرت (علیؓ؟) کے مُحِبّوں پر قیامت تک بہت بڑا احسان ہوگا ۔ ان قلندروں نے میرزا کے مقصد کی بِنا کو قسم و پیمان سے مضبوط و محکم کیا ۔ چرب و شیرین لُقموں کی بھبک اور دین و مذہب کے تعصب کی ہوا میں وہ لوگ گویا پھنکارتے ہوئے آستانۂ مبارک پر پہنچے ۔ ہر شخص حربہ ہاے آبدار (تیز ہتھیاروں) اور کاردہاے کار گزار (کارگر چُھریوں) سے مسلّح ، اُس قبلۂ احرار (داؤد) کو آزار پہنچانے کا پختہ ارادہ سر میں لیے ، دوپہر کے وقت شہر سے باہر کنار کے درختوں کے نیچے ڈیرا جما بیٹھا ۔ اِن لوگوں نے خاص ٹھکانے اور مقامِ نشست کو نظر میں رکھا تاکہ جس وقت بھی حضرت باہر آئیں وہ اچانک حملہ کر دیں ۔ اتفاق سے ، خلافِ معمول حضرت اسی وقت گھر سے باہر نکلے اور چوبارے پر بیٹھ گئے ۔ اس وقت حضرت شاہ ابو المعالی کے علاوہ اور کوئی ہمراہ نہ تھا ۔ شاہ جیو (ابوالمعالی) فرماتے تھے کہ سیّد علی بصیر کے ایک مَحرم نے ، جو سعادتِ ازلی سے بہرہ ور تھا ، میر کی بدفطرتی اور بے پیر قلندروں کے عہد و پیمان کی خبر مجھے چوری چُھپے پہنچا دی ، لیکن جب حضرت اِس وقت باہر آئے تو ان کی عظمت کے باعث مجھ میں مذکورہ بات کے اظہار کی جرات نہ ہوئی اور مَیں دل میں سوچتا اور ڈرتا ہی رہا کہ قلندر یقیناً دست درازی کریں گے اور مجھ میں یہ صورت حال دیکھنے کی ہمت نہ ہوگی ۔ میرے پاس صرف ایک چُھری ہے، میں بلاشبہ کسی ایک پر تو چلا

سکوں گا ۔ مَیں اِسی سوچ میں تھا کہ حضرت نے منہ پیچھے موڑ کر میری طرف شیریں تبسّم فرمایا ۔ میں سمجھ گیا کہ وہ اپنے نورِ باطن سے میری سوچ سے آگاہ ہو گئے ہیں ، تاہم دل کا تذبذب پھر بھی ختم نہ ہوا ۔ وہی نصیرالدین محمود چراغ دہلی اور اُس قلندر ترابی کی صحبت یاد آرہی تھی ۔ حضرت قدیم دو چرخیوں والے کنوئیں کے نزدیک آکر ڈیرا قلندراں سے تیر کی زد کے فاصلے پر بیٹھ گئے ۔ ادھر میر کے جاسوس نے ، جو اس نے اپنی طرف سے قلندروں کے ہمراہ بھیج رکھا تھا ، ان بے خبروں کو خبر دی کہ مقصد کا بر آنا آسان ہو گیا کیونکہ اب وہ (داؤد) اکیلے آکر شہر سے باہر بیٹھ گئے ہیں ۔ چنانچہ وہ لوگ اسلحۂ جنگ سے مسلّح ہو کر فساد کے لیے اٹھ کر چل پڑے ۔ حضرت مراقبے میں اور شاہ جیو عین اضطراب میں تھے ، اس لیے کہ قباحت کے اسباب اور شدّت کے مواد سبھی مہیّا تھے ۔ جب وہ لوگ آدھی جریب بلکہ اس سے بھی کم فاصلے پر پہنچ گئے تو حضرت نے راستے پر ان کی طرف نظر ڈالی ۔ سب قلندر سجدے میں گر گئے اور مبہوت ہو کر رہ گئے ۔

بیت:

همت آنجا که نظر ها کند (؟) خوار مدارش که اثر ها کند

(ہمت جہاں کہیں نظریں ڈالتی ہے ؟ اسے خوار مت سمجھ ، کیونکہ وہ بہت سے اثر کرتی ہے)

حضرت نے تبسّم کرتے ہوئے شاہ (جیو) سے فرمایا کہ : انہیں میر کے سب قول و قرار بھول گئے ، ان سے کہو کہ سر اٹھا لیں ۔ شاہ جیو نے (قلندروں سے) فرمایا: سر اٹھاؤ ۔ کچھ دیر بعد انہوں نے سر اٹھایا اور کُتّے کی مانند دبک کر بیٹھ گئے ۔ خدا معلوم اُس لمحے انہوں نے کیا دیکھا ۔ حضرت نے فرمایا: درویشوں کو درگاہ میں لے جا اور ان کی طبیعت کے مطابق انہیں کھانا پیش کر ، نیز اور دوسری اشیا بھی ، جو ان کے شغل (ذکر) کے لیے ضروری ہیں ، کہیں سے انہیں مہیا کر دے ، کیونکہ یہ ہمارے مہمان ہیں ۔ شاہ جیو آگے چلے اور تمام قلندر ان کے پیچھے ہو لیے ۔ لنگر میں پہنچ کر (شاہ جیو نے) اُنہیں متولی کے سپرد کر دیا ۔ رات بسر کر کے وہ صبح سویرے نکل گئے اور میر سے کیے گئے وعدوں کی بنا پر شرمسار ہوئے ۔

روایت ہے کہ راے مانک نام کا ایک زرگر میر سید علی بصیر کا وکیل تھا ۔ یہ

رائے ، حضرت کے خادموں سے ہمیشہ محبت و عقیدت کا اظہار کرتا ۔ ایک رات اُس نے خواب میں دیکھا کہ مصطفیٰ آباد میں شور و غوغا برپا ہے اور لوگ میر سید علی کے گھر کی طرف دوڑ رہے ہیں ۔ وہ تیزی سے اس طرف بھاگا ۔ وہاں اُس نے دیکھا کہ ایک سوسمار (گوہ) میر کے گھر کی بنیاد کی اینٹیں دانتوں سے اکھیڑ اور پھینک رہا ہے ۔ اس (رائے) نے پوچھا کہ یہ کیا ہے ؟ چند اجنبی لوگ کھڑے تھے جنہیں رائے پہچانتا نہیں تھا ۔ انہوں نے اسے بتایا کہ یہ سوسمار ، حضرت شیخ داؤد کو پہنچائے جانے والے آزار کی بنا پر یہاں متعین ہوا ہے تاکہ اِس گھر کی بنیاد اکھاڑ ڈالے ۔ مانک کو جب اس جواب میں انتباہ نظر آیا تو وہ اسی وقت غُربا پناہ درگاہ کی جانب دوڑا ۔ حضرت کے سامنے گلے میں پگڑی ڈالے مجرموں کی طرح میر کی طرف سے تقصیر کی معافی چاہی ۔ حضرت نے فرمایا : مانک ! رات جو کچھ تو نے دیکھا وہ میر کا مقدّر ہوچکا ہے اس میں تبدیلی نہیں ہوگی ۔ تجھے اس فقیر سے جو حسن عقیدت ہے وہ آخر کار تیرے کام آئے گا لیکن اس سے میر کو فائدہ پہنچنا ممکن نہیں ۔ جو کچھ میر پر گذرے گی وہ اس کے اپنے ہی کیے دھرے کا نتیجہ ہوگی ، اس فقیر کی طرف سے نہیں ہوگی ؛ اس لیے کہ قادریہ تلوار ہوا میں لٹکی ہوئی ہے ، وہ از خود کسی پر نہیں چلتی ، بس جس کی بُری قضا آجائے وہ خود ہی اپنا گلا تلوار کی دھار پر گھسانے لگتا ہے اور چونکہ تلوار کا کام کاٹنا ہے اس لیے وہ بہرصورت اس کا گلا کاٹ دیتی ہے ۔

بیت:

معلق ہست تیغ قادری و آن کوگلو ساید   شودنا چار مقتول حسام شیخ محی الدین

(قادری تلوار لٹکی ہوئی ہے اور جو کوئی اس پر گلا رگڑتا ہے وہ بہر طور شیخ محی الدین کی تلوار سے قتل ہو جائے گا)

ہیچ قومی را خدا رسوا نکرد   تا دلِ اہل خدا نامد بدرد

(خدا نے کسی قوم کو اس وقت تک رسوا نہیں کیا جب تک اس کے ہاتھوں اللہ کے کسی بندے کا دل نہ دُکھا ہو)

میر کا دولت و حشمت کا سلسلہ منقطع ہوگیا ، بلکہ اس کے فرزند ، جو سبھی وزارت کی فطرت کے حامل تھے ، منصب و منزلت اور ہمت کی بلندی کے باوجود ذلت و خواری سے بُری طرح دوچار ہوئے ۔

بیت:

از دشمنی و دوستیت گیرند اعتبار   ادبار بخت را چو کسی امتحان کند
دیدند چند بار نیامدنکو ہمی   فرجامِ آنکہ قصد بدین خاندان کند

(جب کوئی بخت کی نحوست کو آزماتا ہے تو تیری دشمنی اور دوستی کو معیار بنایا جاتا ہے لوگوں نے چند بار یہ دیکھ لیا کہ جس کسی نے بھی اِس خاندان کو آزار پہنچانے کا قصد کیا اس کا انجام اچھا نہ ہوا)

اور وہ جو حضرت نے اپنی زبانِ قضا جریان سے مانک زرگر کے بارے میں فرمایا تھا کہ تیری عقیدت تیرا کام بنادے گی تو چونکہ اس کی سرگذشت دلچسپی سے خالی نہیں ، اس لیے مجبوراً یہاں لکھنا پڑی ۔ مخفی نہ رہے کہ مانک نے دیوانی محصول کے انتظام کے لیے ، جاہِ جوانی کے غرور میں ، رحمت آباد کی طرف خرام کیا (چلا) ۔ اچانک اثنائے راہ میں چوروں اور لٹیروں سے اس کا سامنا ہو گیا ۔ اس میں مقابلے کی تاب نہ رہی ۔ تمام گھوڑے اور سازو سامان لُٹ گیا ۔ کچھ ساتھی تو لڑے بغیر ہی مارے گئے اور بعض کو زخمی کر دیا گیا ۔ جب مانک کے قتل کی باری آئی تو اس نے اپنی جان خلاصی اِس میں دیکھی کہ ان سے کہنے لگا: میں سید زادہ ہوں ، بلاوجہ میرے خون کا وبال اپنے سر نہ لو ۔ چوروں نے سید کا لفظ سُنتے ہی اس کے قتل کا ارادہ ترک کر دیا تاہم اس کا سامان وغیرہ لے گئے ۔ جب مانک مصطفیٰ آباد آیا تو اس کی جان خلاصی کا لطیفہ ہر مجلس میں دلچسپی کا باعث بنا ۔ ملا یوسف شور کوٹی نے ، جو اپنے دور کا بہت بڑا فقیہ تھا ، مانک رائے کو اپنے پاس بلایا اور چوروں اور جان خلاصی کے بہانے کا معاملہ اس سے سنا ۔ اُس خالی الذہن نے اس واقعے کو، جیساکہ پیش آیا تھا ، بعینہ دہرادیا ۔ ملا یوسف نے کہا : الحمد للہ کہ تو اِس وجہ سے شرفِ اسلام سے مشرف ہو گیا ہے ، جلدی سے زنار اتار ڈال اور وقت ضایع نہ کر ۔ وہ بولا : میں نے تو قتل سے بچنے کی خاطر یہ بہانہ تراشا اور یہ بات کہی ۔ میں نے برضا و رغبت تو اسلام کا اعتراف نہیں کیا ۔ ملا نے کہا : کچھ بھی سہی ، تو مسلمان ہو گیا ہے ۔ اس نے ساری صورت حال میر سید علی کو جا سنائی ۔ میر نے اسے اپنی حمایت میں لیا اور بولا : تو خاطر جمع رکھ ، مُلّا کے کہنے سے کیا ہوتا ہے ۔ جمعہ کے روز میر منبر کے نزدیک بیٹھا تھا ۔ ملا یوسف نے اس سے فرمایا : مانک کے بارے میں تمہارے ضمیر میں کیا پوشیدہ ہے ؟ میر نے کہا : اسے جبر سے مسلمان نہ

رو۔ ملا بولا : مانک شرع شریف کے حکم کے مطابق مسلمان ہوگیا اور اس نے اپنے گلے سے زُنار اُتار ڈالی ہے ، اب وہ زنار خواہ تو اپنے گلے میں ڈال لے ، خواہ اپنے بیٹوں کے گلے میں ۔ اس پر میر سید علی کچھ برہم ہوگیا ۔ اس نے دیپالپور کے مفتیوں کے نام خط لکھا کہ وہ اِس سلسلے میں روایت بیان کریں ۔ قاضی چندان نے روایت لکھ کر بھیج دی کہ ذمی پر جبری اسلام جائز نہیں ہے ۔ میر سید علی کو اس تحریر سے حوصلہ ہوا ۔ چنانچہ اس نے ملا یوسف سے کہا کہ اگر تمہارے پاس اپنے اجتہاد کے مطابق کوئی روایت ہے تو مجھے بتاؤ ۔ ملا یوسف نے مخدوم الملک کی جانب یہ قضیہ لکھ بھیجا اور خود بھی اس نے ترکِ تدریس کر کے کتبِ فتاویٰ کو کھنگالنا شروع کر دیا ۔ جب یہ ماجرا مخدوم تک پہنچا تو اس نے اپنے شاگرد رشید قاضی صدرالدین ، جسے نادر روایات کے استخراج اور استنباط میں بڑی مہارت تھی ، کے ذمّے یہ کام لگایا اور اسے فقہ کی کتب پڑھنے کی تاکید کی ۔ اگرچہ مخدوم اور قاضی نے بہت تلاش کیا لیکن اس سلسلے میں وہ کوئی واضح روایت تلاش نہ کر سکے ۔ پھر انہوں نے ملا یوسف کو لکھ بھیجا کہ ہم بھی فتاویٰ کی کتابوں میں تلاش کر رہے ہیں تاہم اس باب میں اگر کوئی روایت تمہاری نظروں سے گذری ہو تو جلد تر لکھو ۔ بہت ہی زیادہ فکر و تامّل کے بعد ملا یوسف نے یہی لکھ بھیجا کہ الحق یعلوا وَلَا یَعلے ۵۲ (صداقت ہمیشہ عزت پاتی ہے اور ذلت سے بچتی ہے۔) اور قاضی صدرالدین نے بھی بہت زیادہ تفحص و تامّل کے بعد لکھا کہ : الحق یعلوا ولا یعلی ۔ مخدوم نے وہ نوشتہ ملا یوسف کی طرف بھجوا دیا اور ملا یوسف کے جس آدمی نے یہی روایت دیکھی تھی اس نے (؟) ، ملا یوسف کو آفرین کہی ۔ مُلا یُوسف نے مخدوم کی تحریر میر سید علی کو دکھائی ۔ میر بولا : میں اپنے وکیل پر جبر کو روا نہیں جانتا ۔ مخدوم اور تم جو کچھ جانتے اور کر سکتے ہو کر لو ۔ ملا یوسف مصطفیٰ آباد سے شورکوٹ منتقل ہوگیا ۔ انہی دنوں میر سید علی سفر آخرت پر روانہ ہوگیا ۔ چنانچہ مانک اسی طرح کفر پر بضد رہا اور اتنے علما کی سعی اور فقیہوں کی کوشش بار آور ثابت نہ ہوئی۔

بیت:

تا در نرسد نوبتِ ہر کار کہ ہست   سودی نکند یاری ہر یار کہ ہست

(جب تک ہر کام کا وقت نہ آجائے اس وقت تک کسی بھی دوست کی دوستی و مدد سود

مند نہیں ٹھہرتی)

لیکن چونکہ حضرت نے مانک کے بارے میں یہ کہہ رکھا تھا کہ تیری عاقبتِ کار سنور جائے گی تو مذکورہ واقعے کے کچھ عرصے بعد کسی مخدوم اور قاضی کی کوششوں کے بغیر ہی مانک خود برضا و رغبت اسلام کی طرف مائل اور مسلمان ہو گیا ، اور اس عارف کی بات کا نتیجہ آخر ظہور پذیر ہوا۔

بیت:

ہر چہ آن کردی تواند بود قدرتش آورد از عدم بوجود

(جو کچھ تو نے کیا وہ ممکن تھا ، قدرت اسے عدم سے وجود میں لے آئی)

روایت ہے ایک روز سلیمان نامی ایک دہقان وٹواں کے علاقے سے حضرت کی زیارت کے لیے آیا اور ایک گائے اس نے لنگر کے لیے نذر کی اور عرض کیا کہ : میرے گھر چند فرزند پیدا ہوئے اور سبھی مر گئے ، اب ایک اور بیٹا پیدا ہوا ہے ، اس کی زندگی کے لیے دعا کی التماس کرتا ہوں ۔ بعد میں حضرت نے خادم سے فرمایا کہ جا پتا لے جو گائے یہ شخص لایا ہے کیسی ہے ؟ خادم نے آکر بتایا کہ اسے ذبح کر لیا گیا ہے ۔ فرمایا : اس کا جگر اور گردہ بھون کر جلدی سے یہاں لا ۔ جب وہ بُھون کر لے آیا تو حضرت نے حکم دیا : جو شخص گائے لایا ہے یہ اسی کے آگے رکھ دے تاکہ وہ خود کھائے اور جان لے کہ اس گوشت کی لذت کیسی ہے ۔ اس نے خوشی خوشی کھانا شروع کیا ۔ ابھی اس نے ایک ہی لقمہ منہ میں ڈالا تھا کہ اس کے حلق میں اٹک کر رہ گیا جس سے اس کی سانس کی آمد و شد میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ۔ اس میں نہ تو وہ لقمہ نگلنے کی ہمت رہی اور نہ اسے باہر پھینکے ہی کی ۔ چنانچہ لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا ۔ جب وہ موت کے منہ میں جاتا ہوا دکھائی دیا تو حضرت نے اس کے پہلو میں بیٹھے ہوئے شخص سے کہا کہ اس کی گردن پر تھپڑ رسید کرے ۔ گردن پر تھپڑ کھاتے ہی اس کے حلق سے بلی کی سی شکل کا گرگٹ باہر گرا اور ہر طرف دوڑنے لگا ۔ وہ گرگٹ جس طرف بھی پہنچتا لوگ اس سے ڈر کر بھاگ کھڑے ہوتے ۔ اہل مجلس یہ صورت حال دیکھ کر ہکے بکے رہ گئے ۔ حضرت نے اس سے فرمایا کہ : اس قسم کا گوشت فقیروں کی نذر کے لیے لاتا ہے اور فرزند کی زندگی کی استدعا کرتا ہے ، جب کہ تو نے بیچارے نامراد جولاہے کے فرزندوں کو روتا چھوڑ

ر کُل پندرہ تنکہ اس کے ہاتھ میں تھمائے ، حالانکہ اس مسکین کے پاس صرف یہی یت گائے تھی ! تو اگر تُو یہ چاہتا ہے کہ تیرا فرزند زندہ رہے تو ایک اچھی سی گائے اس جولاہے کو دے کر اسے راضی کر ، وگرنہ تیرا بیٹا مر جائے گا ۔ خبر شرط ہے ۔ وہ شخص تھا اور اس نے توبہ کی اور جولاہے کو گائے دے کر راضی کیا اور خدمت میں بھیج دیا ۔

رویت ہے ایک روز حضرت خطۂ لاہور کے مضافات میں سے ایک آبادی میں اپنے مرید کے یہاں تشریف لے گئے ۔ اس کے گھر کے صحن میں کنار کا ایک بارور اور سایہ دار درخت تھا ۔ حضرت نے ایک گھڑی اس کے سائے میں آرام کیا ۔ بظاہر اُس درخت پر بھڑوں نے چھتا بنا رکھا تھا ۔ کچھ بھڑیں لڑتی ہوئیں نیچے آگریں اور انہوں نے حقیقتوں کے خزانے والے سینے کو ڈنک سے زخم لگا دیا ۔ حضرت قیلولہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور گھر کے مالک سے فرمانے لگے کہ تیرے گھر کی بھڑیں ڈنک مارتی ہیں ۔ وہ حضرت کے صدقے واری ہوا اور معذرت کرنے لگا ۔ حضرت کنار کے اس درخت سے ایک طرف ہو کر تجدید طہارت میں مشغول ہوگئے ۔ ناگاہ قہرِ الٰہی کی کڑک ، بجلی کی صورت میں اس چھتّے اور درخت پر پڑی جس سے درخت کا پتّا پتّا اور شاخ شاخ حتیٰ کہ جڑ تک ذرّہ ذرّہ ہو کر ہوا میں اڑ گئی ، جیسے وہاں کبھی کوئی درخت ہی نہ تھا ۔ اور یہ سب کچھ کسی بادل یا بارش کے بغیر ہی ہوا ۔

روایت ہے ایک روز حالت تنہائی کے غلبے میں صحرا میں نکل گئے ۔ وہاں کی فضا بہت گرم تھی ، یہاں تک کہ لوہا آفتاب کی گرمی سے نرم ہو رہا تھا اور چاندی ، کان کے اندر خورشید کی شعاع کی تاثیر سے پارے کی صورت پگھل رہی تھی ۔

قطعہ :

فلک را شمع کافوری فروزان ز تابش خلق خون پروانہ سوزان
شدہ خون از حرارت دربدن خشک چو در ناف غزالان نافۂ مُشک

(آسمان پر کافوری شمع روشن تھی ، یعنی سورج چمک رہا تھا ، اس کی گرمی سے لوگ پروانے کی مانند چل رہے تھے
گرمی کے باعث بدن میں خون اس طرح خشک ہوگیا تھا جیسے ہرنوں کے ناف میں نافۂ مُشک ہوتا ہے)

اچانک حضرت کا گذر چُونا پکانے والے کچھ لوگوں کی طرف ہوا ان میں سے ہر شخص نے بَھٹّا تیار کر رکھا تھا اور اسے آگ دکھانے ہی والا تھا ۔ اسی اثنا میں ایک مزدور نے ایک چونا تیار کرنے والے سے بلند آواز سے پوچھا کہ بتا پہلے کس کو آگ دکھاؤں ۔ اس نے کہا کہ پہلے پزاوۂ ۵۳ محمد کو آگ دکھا ۔ یہ بات حضرت کے کانوں میں پہنچی تو فرمایا . تعجب کی بات ہوگی اگر پزاوۂ محمد آگ پکڑ لے ۔ چونا پکانے والوں نے جس قدر بھی کوشش کی اس شخص کے ، حس کا نام محمد تھا ۔ بھٹّے نے آگ نہ پکڑی ۔ ہر چند انہوں نے اس پر گھاس پھوس ڈالی اور سر توڑ جدوجہد کی لیکن آگ ے اس پر ذرا سا بھی اثر نہ کیا ۔ چاروں طرف سے شعلہ دہکا کر اور اس پر تیل ڈال کر لاتے لیکن جیسے ہی وہ محمد کے بھٹے کے قریب پہنچتا بجھ جاتا ۔ جب وہ لوگ بے بس ہوگئے تو دیگر بھٹے انہوں نے پکا لیے اور محمد اپنے بَھٹے کے لیے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ یہ فقیر سوداگر ہے ۔ رقم خرچ کرکے ڈھیر بنایا تھا ، اسے آگ نہیں لگ رہی اور یہ بات لوگوں کی زبان پر چڑھ گئی ہے ۔ حضرت نے فرمایا : اب کبھی اس کا بَھٹّا آگ نہیں پکڑے گا ، اس (محمد) سے کہہ دو کہ وہ کوئی اور پیشہ اختیار کر لے ۔

روایت ہے قاضی بیہہ کو ایک حاکم نے "مطالبے" کی بنا پر دیپالپور میں محبوس کر دیا؛ اور رقم کی وصولی بہت دشوار تھی ۔ چنانچہ اس کے گھر کی عورتیں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ حضرت کی توجہ کے بغیر قاضی کی نجات کا تصور بھی نہیں ہو سکتا ۔ اس روز حضرت ذوق الٰہی کی حالت میں مست و مدہوش بیٹھے تھے ، فرمانے لگے : کوئی ہے جو آگے چل کر مجھے قاضی سے ملائے ۔ قاضی کا کوئی عزیز وہاں موجود تھا ۔ حضرت اٹھے اور (اس کے ہمراہ) دیپالپور روانہ ہوگئے ۔ بندگی شیخ کمال پیچھے دوڑتے ہوئے چلے ۔ جب قید خانے کے دروازے پر پہنچے تو حضرت اندر چلے گئے اور قاضی بیہہ کے پاؤں کی زنجیر پر پائے مبارک مارا ۔ وہ اسی وقت کُھل گئی ۔ اس سے حضرت نے فرمایا : اٹھ اور میرے ساتھ چل ۔ قاضی مذکور نے حاکم کے خوف سے زنجیر پھر اپنے پاؤں میں ڈال لی ، اور بولا: اگر حاکم آپ کے فرمانے پر رہا کرتا تو بہتر ہوتا۔ حضرت نے پھر اپنے مشکل کشا پاؤں اس زنجیر پر مارے اور فرمایا: ارے نادان! کوتوال سے کیا ڈرتا ہے، اُٹھ — قیدیوں نے حاکم کو خبر کر دی ۔ اس نے ایک سپاہی کے ہاتھ

کہلا بھیجا کہ آپ درویش ہیں ، ملک کے مالی و اہم امور میں دخل نہ دیں ۔ جب سپاہی نے آکر پیغام دیا تو حضرت نے فرمایا : مال ، خدا اور رسولؐ خدا کی ملکیت اور ہم فقیروں کا مال ہے ، تو بھلا کون ہے اور تیری کیا حیثیت ہے جو خدا کی اس ملکیت کو اپنا سمجھ رہا ہے ۔ سپاہی نے جب یہ جواب سُنا تو جاکر حاکم کو اسی طرح بتادیا۔ حاکم افغانی تھا درشت مزاج اور جھگڑالو ، جواب سنتے ہی ہرمل کے دانے کی طرح تڑپ اٹھا ، اور تلوار ہاتھ میں تھامے قید خانے کی جانب دوڑا ۔ وہاں اس نے دیکھا کہ قاضی کو نکال کر لے جارہے ہیں ۔ اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ دیکھو یہ لوگ قاضی کو نہ لے جانے پائیں ۔ حضرت نے دونوں جوتے اپنے مبارک پاؤں سے اتار کر اس کی طرف پھینکے اور چل پڑے ۔ افغان کانپ اٹھا اور شیخ کمال کے پیچھے بلی کی مانند دبک کر رہ گیا ۔ سبھی حاضرین حیران و متعجب رہ گئے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ حضرت کی عظمت و کرامت سے پاگل ہوگیا ہے ۔ بندگی شیخ کمال دونوں جوتے اٹھاکر پیچھے پیچھے واپس آیا۔ جب وہ افغان ہوش میں آیا تو اس کے بعض ساتھیوں نے اس سے پوچھا کہ اس وقت تمہیں کیا ہوگیا تھا ۔ اس نے بتایا کہ وہ دو جوتے دو غضبناک شیروں کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑے تھے ، بڑی مشکل سے مجھے ان سے نجات ملی۔

منقول ہے جب اس قدوۃ العارفین نے اپنی خدابیں آنکھوں کے آشوب کے ہاتھوں بہت زیادہ تکلیف اٹھائی اور قلق و بے آرامی کی مدت طویل تر ہوتی چلی گئی تو ایک رات شفا کی امید میں حضرت امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہٗ کے درخشاں آستانے کی طرف روے عجز و دُعا کیا ۔ وہ جودوکرم کے مظہر اور ہر رنج و الم کی دوا کی جان (حضرت علیؓ) اسی وقت جلوہ گر ہو گئے ۔ انہوں نے بڑی دلنوازی اور ہمدردی و شفقت کے ساتھ احوالِ آشوب چشم اور ملالِ درد کے بارے میں پوچھا ۔

قطعہ: ۵۴

آن نرگس مخمور تو گلگون چونست   بادام تو پستہ دار خون چونست
ای داروی جان و جسم عالم   چونی و دردِ چشمت اکنون چونست

(تیری وہ نرگسِ مخمور سرخ رنگ کیوں ہے ۔ تیرا بادام یعنی آنکھ خون کا پستہ کیوں رکھے ہوئے ہے

اے دنیا کے جسم و جان کی دوا تو اب کیسا ہے اور تیری آنکھوں کا درد کیسا ہے)
اس امامِ ابرار (نیکو کاروں کے امام) کی عبہرِ بیمار (بیمار نرگس یعنی آنکھ) جو آشوب کے باعث کلی کی طرح بند ہو چکی تھی حیدرِ کرّار کے دیدار کے بہار انوار ۵۵ جلوے سے کِھلے ہوئے پھول کی مانند فرحت سے کھل گئی ۔

نظم:

بدان طمع کہ تو روزی عیادتی بکنی — خوش است بر دلِ رنجور عیش بیماری
گر برسرِ بیمار خود آئی بعیادت — صد سال بامیدِ تو بیمار توان زیست

(اس طمع پر کہ تو ایک روز عیادت کو آئے گا، بیمار کے لیے بیماری کا عیش دل خوش کُن ہے
اگر تو اپنے بیمار کی عیادت کے لیے آئے تو اس امید میں سو برس تک بیماری کے عالم میں بسر کیا جاسکتا ہے)

حضرت امیر کبیر (علیؓ) نے شبستانِ قادریہ کے چراغ (داؤد) کی آنکھ پر دم پھونکا جس سے اسی وقت شفا اور مکمل روشنی حاصل ہو گئی ، لیکن چونکہ عشق و محبت کی دنیا مختلف قسم کی غیرتوں کی مُقتضی اور کئی قسم کے رشکوں کی مُورِث ہے ، اس لیے حضرت غوث اعظم نے آغاز میں عتاب اور ناراضی کا اظہار فرمایا کہ میرے وسیلے کے بغیر اس بلند مرتبہ آستانے کا توسّل ڈھونڈنا چہ معنی ؟ ہماری توجہ اُس بڑے آستانے کی طرف ہے ، تو نے جو ہمیں چھوڑا اور ہم سے پہلو بچایا اور اِس طرح اُس عروۂ وُثقیٰ ۵۶ کا تقرب پایا ، تو تُو محرومی ومایوسی اور مجھ سے دوری کا مستحق ہے ۔ چنانچہ اسی وقت اس جمالِ باکمال کا جلوہ بجلی کی سی سُرعت سے حضرت کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور آنکھیں پھر سے آشوب کے باعث بادل کی مانند آب پاشی بلکہ خون افشانی کرنے لگیں ۔

نظم:

دو جا غیرت کنداز مای زور ۵۷ (؟) — چنان گیرد کزو نبود رہائی
یکی جایی کہ عاشق بیند از دُور — ز شمع وصل بزم غیر پُرنور
دُوم جایی کہ معشوق وفا کیش — بہ بیند نو گلی با بلبل خویش

(غیرت دو جگہ زور آزمائی کرتی اور اِس طرح پکڑتی ہے کہ اس سے رہائی ممکن نہیں ہوتی

ایک تو ایسی جگہ جہاں عاشق دور سے دیکھتا ہے کہ شمع وصل یعنی محبوب سے غیر کی بزم روشن ہے
اور دوسری اس جگہ جہاں وفا پرست معشوق اپنے بلبل کے ساتھ کسی نوخیز اور تازہ پھول کو دیکھتا ہے)

جوشِ اشک وآہ اور جان گداز نوحہ و نالہ کے خروش سے دنیا والوں کو مصیبتِ داؤدی کا پتا چلا اور انہیں یہ آگاہی ہوئی کہ حضرت کے رونے کی پُر درد آواز بلاشبہ حیوانوں کو رُلائے دے رہی ہے ، انسان تو دور کی بات ہے ۔ اس زمانے میں عوام الناس میں ملتانی زبان کا ایک گانا (دوہا؟) مشہور تھا ۔ وَلیا گوَیا حضرت کی خلوت میں وہ نغمہ ، حالتِ فرقت کی مناسبت سے ، سُناتا جس کے نتیجے میں سینے کے تنور اور تاریک آنکھوں سے طوفانِ آہ و اشک جوش مارنے لگتا ۔ اس نغمے کا دُہڑا یہ ہے :

دُوہڑا:

سیاں رہ دریا سوسہا نہ بہن بیتھیان کیون من دہرین
کالور بتیہیان جیو کو میرا پیارا ارسی بہری کری من کیتی کس پاپلو بریں
جی کو ستیان میرا کالورسی کتہ کتہ جای جی کو متر پیارا
ارسی بہری کری من کیتی کس کل پاپلو بریں
...تہا متر مناى کتہ ہی کتہ جای (؟)

دس روز تک حضرت نے کچھ نہ کھایا پیا اور نہ بستر پر پہلو ہی رکھا ، تاآنکہ چند روز بعد حضرت غوث صمدانی کا سہیلِ طلعت ۵۸ مہربانی اور رحمت کے افق سے پھر طلوع ہوا جس کی بنا پر وہ سب موج گریہ اور جوش اشک ایک دم بیٹھ گیا ۔ (حضرت غوث) نے غم و الم دُور کرنے کے بعد عواطفِ جلیلہ اور مراحمِ جمیلہ کے ساتھ فرمایا : بابا حضرت رسالت پناہؐ اور حضرت ولایت دستگاہ (یعنی حضرت علیؑ) نے خدا کے حکم سے تجھے میرے سپرد کر رکھا ہے ، لہذا ہر طرح کے دینی اور دُنیوی امور میں تجھے مجھ سے رجوع اور میرے وسیلے سے حق تعالیٰ سے درخواست کرنا چاہیے تاکہ سپردگی کی حکمت بالغہ میں تعطل پیدا نہ ہو۔

شاہ جیو کے ذکر میں لکھا ہے:

روایت ہے بلند مقامات کے مالک حضرت شاہ ابوالمعالی فرماتے کہ ابتدا میں مجھے حضرت غوث اعظم کے دیدار کی دولت کا ادراک باطن سے ہوا ۔ میں اس بلند مطلب (واقعے) کے بارے میں ، پاسِ ادب کے باعث ، حضرت سے کچھ عرض نہیں کر سکتا تھا ، یہاں تک کہ ایک روز حضرت خود ہی نور باطن سے میرے دل کی بات پا گئے ۔ فرمانے لگے : آج کل میں مَیں تجھے حضرت غوث اعظم کے باعظمت آستانے پر لے جاؤں گا ، خوش بختی کا منتظر رہ ۔ اس خوش خبری کے سُننے سے مجھ میں ایک نئی زندگی آگئی اور بیحد مسرت و شادمانی کی بِنا پر میں نے کھانے پینے اور سونے سے ہاتھ اٹھا لیا۔

بیت:

موعدِ وصل است فردا کاش چرخ تیز گرد طَے کند امروز راتا نوبت فردا رَسد

(کل وصل کے وعدے کا وقت ہے کاش تیز گردش کرنے والا آسمان آج کو طے کرلے تاکہ آنے والے کل کی باری آجائے)

تاآنکہ بیداری اور نیند کے درمیانی عالم میں میرا ہاتھ دستِ مبارک میں تھام کر غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے حضورِ اقدس و عظمت میں لے گئے اور مجھے اس ملائک آشیاں ۵۹ آستانے کی خاک بوسی کی سعادت سے مشرف کیا ۔

بیت:

خوابِ خوش بادت حلال ای دیدہ چون جامی بخواب دید امشب آنچہ عُمری بہرِ آن بیدار بود

(اے آنکھ تیرے لئے میٹھی نیند حلال ہو ، جامی کی طرح سو جا آج کی رات وہ کچھ دیکھ لیا جس کی خاطر ایک عُمر وہ بیدار رہا)

اُس فردوس مثال جمال کا مشاہدہ اس طرح میّسر آیا کہ تخت و مسند کے وہ صدر ۶۰ آرا (حضرت غوث اعظم) ، جن کا قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے ، مسندِ عالیہ پر تکیہ کیے ہوئے اور اصحاب و احباب ہالے کی مانند اوج و قدرت کے اُس چاند کے گرد حلقہ باندھے ہوئے تھے ۔ حضرت (داؤد) کو انھوں نے بائیں جانب جگہ دی اور وہ جو عزّو تمکین کی انگوٹھی کا نگین دائیں جانب بیٹھا تھا اس کا نام بھی عبد المعالی تھا ۔ شاہ جیو فرماتے تھے کہ غیرت کے باعث میرے دل میں آیا کہ شاید یہ شخص رفیع الشان مرتبے کا مالک ہے اور اس کا قرب اور تعلق بھی حضرت (داؤد) کی نسبت زیادہ ہے جو اسے دائیں جانب جگہ ملی ہے ۔ اِدھر مجھے یہ خیال آیا اُدھر حضرت قطبِ ربانی

محبوبِ حقّانی (غوث اعظم) نے کمالِ لطف و مہربانی سے میری طرف دیکھا اور فرمایا: اے ابوالمعالی !الداؤد قلبی (داؤد میرا دل ہے) والقلب جانب الایسر (اور دل بائیں جانب ہوتا ہے) یہ لطیف التفات سُنتے ہی مجھے اس دلی تذبذب سے نجات مل گئی اور اس بارگاہِ معلیٰ سے حضرت کی نسبتِ قرب اور قربِ نسبت کا مجھے کماحقہٗ علم ہو گیا ۔

بیت:

غرض از کون تو بودی کہ ز پروردن نخل گرچہ از خار گذر نیست غرض ہم رطب است

(کون یعنی دنیا سے غرض و مقصود تُو تھا کیونکہ نخل کی پرورش کے لیے اگرچہ کانٹے سے مفر نہیں تاہم مقصود کھجور ہے ۔

اُس جگہ جہاں اب روضۂ مقدسہ ہے ، حضرت کی زندگی میں باغیچہ تھا جس میں عمدہ انگور کی بیلیں ، گلِ سُرخ اور سمن کثرت سے تھے ، جیساکہ آغاز میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ، اس کے گرداگرد کانٹوں والی چھوٹی دیوار تھی ۔ پھل کے موسم میں انگور کی بیلیں اس کثرت سے پھل دیتیں کہ اربابِ بصیرت کی آنکھوں کے لیے حیرانی کا باعث ہوتا اور اہل نظر کی زبانیں "فانظروا الیٰ آثار" ٦١ کے منظر کے مشاہدے میں باہم گر تکرار کرتیں (مِل کر اس آیت کو دُہراتیں)۔ ایک روز آسمان عرفان کا وہ آفتاب ، گرمی کے باعث ، پھل سے لدی انگور کی بیل کے سائے میں آرام فرما رہا اور لوگوں کے ہجوم اور مزاحمت سے بچنے کی خاطر اس باغ میں کچھ دیر کے لیے گوشہ نشینی اختیار کیے ہوئے تھا ۔ اسی اثنا میں باغ کی دیوار کے قریب سے کوئی شخص گذرا ۔ اس نے جب دیوار کے ساتھ انگوروں کے گچھے لٹکے ہوئے دیکھے تو کسی آدمی سے پوچھا: یہ کس کا باغ ہے ، اتنا پیارا دل کش ۔ اس نے جواب دیا کہ یہ حضرت شیخ داؤد کا باغ ہے۔ جب یہ الفاظ حضرت کے کانوں میں پڑے تو حضرت کی حالت دگرگوں ہو گئی ۔ خود پر عتاب کرتے ہوئے بولے : ہاں ! داؤدِ نابود ٦٢ تو ان لوگوں میں سے ہے جن کی باغ سے نسبت اور بُستان سے تعلق ظاہر کیا جاسکتا ہے ۔ یہ کہہ کر اٹھے اور حکم دیا کہ ان بیلوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکو ۔ خود بھی دست مبارک سے شاخیں توڑتے اور پھینکتے رہے ، ساتھ ساتھ خواجہ حافظ کا یہ شعر پڑھتے جاتے:

بسوز این خانقاہ و لنگر و این باغ بستانہ کسی کو قُربِ حق دارد مقام اوست ویرانہ ٦٣

(یہ خانقاہ ، لنگر اور یہ باغ و بُستان جلا ڈال ، کیونکہ جسے حق کا قرب حاصل ہو اس کا ٹھکانا ویرانہ ہے)

باغیچے کو اکھاڑ پھینکنے کے بعد صحرا کی طرف نکل گئے اور تین دن رات اس ویرانے میں تنہا رہے۔

بیت:

ازان رو ملکِ تنہائی و غیرت شد ہوس را　　　که روزی چند نشناسیم ما کس را و کس مارا

(تنہائی اور غیرت کے ملک کی ہوس اس لیے ہوئی کہ چند روز نہ تو ہم کسی کو پہچانیں اور نہ کوئی ہم کو پہچانے)

روایت ہے دیپالپور شہر کے چند مشہور علما نے باہم یہ صلاح مشورہ کیا کہ علوم کی اہم اور بڑی باتوں میں سے کسی ایک کے بارے میں حضرت سے دریافت کیا جائے اور یہ ایسی ہو کہ جس کا کشف ان پر دشوار ہو ۔ خاص طور پر شیخ احمد بن شیخ بایزید اپنے باپ کی شاگردی کے پیش نظر حضرت کو حقارت کی نظروں سے دیکھتا اور بہت ہی مُنافقانہ انداز میں قیل و قال کے سلسلے کا محرک بنتا ۔ ان دنوں حضرت اکثر اوقات نماز جمعہ کی خاطر دیپالپور شہر جایا کرتے اور شہر سے باہر واقع مسجد حسین بخاری (کہ پتھر کی بنی ہوئی تھی) میں حاضر ہوا کرتے تھے ۔ نیز کبھی کبھی مُرید نوازی کے لیے مِسگروں (تانبے کا کام کرنے والوں) کے گھر تشریف لے جاتے ۔ ایک رات ایک مسگر (ٹھٹھیرے) نے التماس کی کہ شہر کے علما خدمت میں حاضر ہونے کے خواہاں ہیں ۔ انہوں نے اکثر مجھ سے یہ اظہار کیا ہے کہ جب بھی کبھی حضرت شیخ تیرے گھر کو اپنے نورِ حضور (موجودگی) سے مشرف و منور فرمائیں تو ہمیں ہر صورت اطلاع دینا تاکہ ہم ان سے بالمشافہ چند مسئلے پوچھیں ۔ میں ناچیز حضرت کی اجازت کے بغیر اُنہیں اطلاع نہیں دے سکتا ، اب حضرت جو بھی حکم فرمائیں ۔ حضرت نے فرمایا : جا اور انہیں بتا دے تاکہ وہ تجھ سے سرگراں نہ ہوں ۔ اس نے جاکر خبر کردی ۔ چنانچہ شیخ احمد ، شیخ بایزید قریشی اور شیخ عبدالعزیز مفتی اور چند دیگر بڑے بڑے علما جو منقولات اور معقولات کے علوم میں ممتاز اور مستثنیٰ تھے ، باہم مل کر وہاں پہنچے ۔ ہر ایک سر میں علم و دانش کی نخوت اور دل میں حسد و تکبر کی گرمی لیے ہوئے تھا ۔ سب سے پہلے شیخ عبدالعزیز نے فقہ کا ایک متنازع فیہ مسئلہ پوچھا اور اس

کا جواب حضرت سے ہر مجتہد کا الگ الگ سُنا ۔ اعجاز کا اثر رکھنے والی اس تقریر (بیان) سے وہ شرم کے مارے پانی پانی ہوگیا۔

بیت:

زان عبارت باشارت چو رسد نوبتِ حرف سحر لب بندد و اعجاز زبان بکشاید

(جب اس عبارت سے اشارے کے ساتھ حرف کی نوبت آتی ہے تو جادو ہونٹ بند کر لیتا ہے اور اعجاز زبان کھولنے لگتا ہے)

اس کے بعد اس نے حسد کے صفرا میں ابال کھایا اور پوچھا کہ : ایجاب (مُثبت) اور سلب (منفی) کے اِن چار تقابل میں کون سا تقابل مقامی ہے ؛ جیسے (اول) : زید قایم و زید لیس بقایم ۔(دوم) تقابلِ تضاد، کالبیاض والسّواد (جیسے سفید اور سیاہ) ، (سوم) تقابل تضالیف (باہم نسبت کا تقابل) جیسے کالابِن و الاَب (بیٹا اور باپ) اور (چہارم) عدم و مُلکہ کا لعَمی وَالبَصرایا ، آسمان بزمین ۔(؟) حضرت متبسّم ہوئے اور فرمانے لگے : اس قسم کے سوال کرنے والا اس فن کے علم سے بالکل بے بہرہ ہے ، کیوں کہ تقابل سے آسمان زمین تک نہیں پہنچتا ، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے درمیان تقابل کی صورت ہی نہیں بنتی ، ہاں اگر اسے شبہ تقابل کہا جائے تو وہ الگ بات ہے ، بہرحال عین تقابل نہیں ۔ شیخ احمد یہ جواب سُن کر حیران اور اپنے سوال کے باعث نادم و پشیمان ہوا۔

روایت ہے کہ یر کرمانی ، میر حبیب اللہ اور میر شیروانی کا تعلق صحیح النسب سادات سے تھا ۔ یہ لوگ حضرت جنت آشیانی ٦٤ ، اللہ اس کے مرقد کو منوّر کرے ، کے عہدِ خلافت میں ولایت (ایران) سے برصغیر آئے تھے ۔ اپنے حسب نسب کے انتہائی غرور کے باعث ہندوستان کے کسی ولی اور سید کے وجود کے قطعاً معتقد نہ تھے ، بالخصوص میر شیروانی تو از حد بے ادب اور اپنی خدا داد دانش پر مغرور تھا ، نیز چرب زبانی میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا ۔ ایک روز اس نے عزیزوں کی محفل میں قسم کھا کر کہا کہ : جب سے میں واردِ ہند ہوا ہوں میں نے ایک بھی صاحبِ ولایت و سیادت نہیں دیکھا ۔ اتفاق سے شیخ مبارک بہی (کذا) ، ساکن اچھرہ بھی اس محفل میں موجود تھا ۔ اس (مبارک) نے حضرت کی صحبت سے وافر بہرہ حاصل کیا اور اپنی تمام تر سادہ لوحی کے باوصف عوام الناس میں خاصا مقبول اور خاص و عام میں محبوب تھا ۔ اس نے میر

شیروانی سے کہا کہ اگر تو ہمارے حضرت پیر کو دیکھ لے تو تجھے معلوم ہو گا کہ تو نے ساری عمر اس جیسی ذات اپنے ملک میں بھی نہ دیکھی ہوگی ۔ میر کو شیخ مبارک کی یہ بات گولی کی طرح جان پر کاری لگی ، اس نے اسی وقت پانی مانگا، پھر شیخ مبارک کو ساتھ لے کر شیر گڑھ شہر کی طرف روانہ ہو گیا ۔ راستے میں جب شیخ نے میر کی فطرت اور تند مزاجی و زود رنجی کی باتیں مشاہدہ کیں تو وہ اسے آستانۂ مبارک کی طرف لانے سے نادم اور ملول ہوا ۔ ایک روز جب جُھنی میں قیام ہوا تو سید شہاب الدین بخاری نے مہمانداری وضیافت کے لوازم پورے کیے ، لیکن ناخواندہ اور سادہ لوح ہونے کے باعث اس نے میر کی صحبت کی ہیبت و شدت سے متعلق حضرت سے کوئی بات نہ کی ۔ اس نے قسم قسم کے کھانے بڑے اہتمام سے تیار کیے اور چینی کی پلیٹوں میں ڈال کر میر کو بھجوا دیے ۔ میر نے پوچھا کہ یہ کھانے کس نے بھیجے ہیں ۔ عرض کیا گیا : سید شہاب الدین نے ۔ میر نے کہا : اس نے خود مجھ سے ملاقات کیوں نہ کی ۔ اسے بتایا گیا کہ وہ معذور ہے ۔ میر نے کھانے کے طباق لانے والوں کو بٹھا لیا اور کھانے کے تمام طبق ان کے سروں پر اُلٹا دیے اور چلا اٹھا کہ مجھے گدا گر سمجھا گیا ہے جو یوں روٹی بھیج رہا ہے اور مجھ سے ملاقات نہیں کر رہا ۔ شیخ مبارک ، میر کی یہ حالت اور طبیعت کی آشفتگی دیکھ کر بُہت ہی دل گرفتہ ہوا اور دل میں کہنے لگا کہ کاش میں کوئی ہامی نہ بھرتا اور اس ناگہانی بلا کو حضرت کی طرف لے کر نہ آتا ، خدا معلوم صحبت کس طور رہے اور کیا صورتِ حال بنے ۔ بہرحال صبح کے وقت جُھنی سے روانہ ہو کر آستانے کی طرف چل پڑے ۔ جُھنی سے باہر نکلتے اور بلندی پر سے گذرتے ہی میر نے گھوڑے کی باگ روک لی اور فضا میں کچھ سونگھنے لگا۔ پھر بولا: اے دوستو! اس مَرغزار سے شیر کی بو آ رہی ہے ۔ ان (حضرت) کی خانقاہ یہاں سے کتنے کوس کے فاصلے پر ہے ۔ اسے بتایا گیا کہ دو کوس ہے ۔ بہت متاثر ہوا اور چلنے میں تیز ہو گیا۔ شیخ مبارک نے کہا : اگر اجازت فرمائیں تو مَیں آگے جا کر آپ کی تشریف آوری سے آگاہ کردوں ۔ وہ بولا: میں نہیں چاہتا تو مجھ سے پہلے جائے اور انہیں ملے ۔ جب حسین گڑھ کے نزدیک پہنچے تو شیخ نے پھر کہا : اجازت فرمائیں تاکہ میں آپ سے تھوڑی دیر پہلے وہاں پہنچوں اور دعا پہنچاؤں ۔ اس نے یہ بھی روا نہ جانا۔ آخر کار دونوں اکٹھے حضرت کی خدمت میں پہنچے ۔ حضرت چار دری پر بیٹھے ہوئے اور ولایت مآب اصحاب گرد گھیرا باندھے بیٹھے تھے ، جبکہ بہت سی مخلوق صف

در صف آگے پیچھے کھڑی تھی ۔ جب حضرت نے میر اور شیخ مبارک کو دیکھا تو دور ہی سے تعظیم کی خاطر اٹھ کھڑے ہوئے اور ان سے معانقہ کیا ۔ کچھ دیر کے بعد حضرت اندر چلے گئے اور میر کے لیے اسی چاردری پر ٹھکانے کا انتظام کر دیا۔ ہر روز ایک وقت میں باہم مل بیٹھتے اور میر جو کچھ کہتا حضرت بیٹھے سُنتے رہتے اور کوئی بات نہ کرتے ۔ امیر شیروانی کی باتیں اور عبارات باوقعت ہوتیں ۔ علومِ منقولات و معقولات کے بارے میں جو کچھ بھی اس کی زبان پر آتا بیان کرتا اور حضرت ہرگز کچھ بھی نہ فرماتے ۔ شام کے وقت اندر چلے جاتے ۔ شیخ مبارک (ایک روز) حضرت کے پاس گیا اور بولا کہ : کل تیسرا دن ہے ، میر چلا جائے گا ، حضرت نے اس دوران میں کچھ بھی نہیں فرمایا ۔ وہ کیا کہے گا کہ: میں کہاں گیا تھا اور کس سے ملا تھا ؟ حضرت مسکرادیے اور فرمایا : میر کے کلام کے تیروں کا ترکش آج سارا خالی ہوگیا ہے جو چند ایک رہ گئے ہیں کل وہ بھی چلا دے گا ؛ اس کے بعد وہ کسی دوسرے سے کلام و سخن کا جویا ہوگا ۔ بھلا اِس صورت میں کیا ضرورت ہے کہ اس کی باتوں کے درمیان کوئی دوسرا بھی بولے ۔

بیت:

سخن را سر است ای خرد مند بُن ۶۵ میاور سخن درمیان سخن

(اے صاحبِ خرد بات کا ایک پہلو ہوتا ہے اِس لیے بات کے درمیان بات نہ کر)

تیسرے روز میر کا ذخیرۂ حافظہ بالکل ختم ہوگیا اور سینے کی تھیلی خالی کر کے اپنی تصنیفات میں سے ایک رسالہ لے کر بیٹھ گیا اور حضورِ نماز اور خشوع و نیاز کے آداب سے متعلق فصل شروع کر دی ۔ جب وہ فصل پڑھ چکا تو حضرت نے فرمایا : ہاں میرے میر! سچ سچ بتاؤ یہ جو تم نے رسالے میں حضور نماز کا ذکر کیا ہے کیا عمر بھر تمہاری کوئی نماز ایسی ہوئی جو "ویقولون بالسنتھم مالیسَ فی قلوبھم ۶۶" کے زمرے میں نہ آئی ہو؟ اِدھر حضرت نے یہ بات فرمائی اُدھر میر حیرت واضطراب کے گرداب میں پھنس کے رہ گیا اور حضرت کی سانس روک دینے والی کرامت کی حرارت نے میر کے پورے وجود کو جکڑ لیا۔

بیت:

دلی افسردہ کی گردد بگفت ہر کسی گرمی دم داؤد می باید کہ آہن را کند موی

(ہر کسی کے کہنے سے کوئی دِل افسردہ کب حرارت پا سکتا ہے ۔ داؤد کی پھونک چاہیے جو

لوہے کو موم کر دیتی ہے)

حضرت نے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی اور سارا دن اس کے معنی کے اندر پوشیدہ معنی کے بیان میں صرف کردیا ۔ جب اُٹھے تو اس آیت کی تفسیر کل پر اُٹھا دی۔ جب دوسرے دن صبح آئے تو پھر سے اسی آیت کے معانی بیان کرنا شروع کر دیے ، یہاں تک کہ میر شیروانی حیرت و حیرانی کے سمندر میں مستغرق ہوگیا ۔ چنانچہ اٹھا اور چادر گلے میں ڈال کر تلقین و ارادت کی التماس کرنے لگا ۔ حضرت نے اسے مرید کر لیا اور قینچی اور لباس اسے عنایت فرمایا۔ چند روز کے بعد جب وہ رخصت ہوا تو شیخ مبارک نے پوچھا: میر جیو! تو نے حضرت کو کیسا پایا؟ ۔ بولا: یارو! تم انہیں بشر تصوّر نہ کرو، وہ تو آدمی کی صورت میں فرشتۂ مقرب ہیں جو زمین پر اترا ہے ، وگرنہ اس حالت میں انسان اس زمانے میں کہاں ہے ۔

بیت:

بچشمِ دانش در ذات اوتامّل کن　　بسا ذخیرۂ حکمت کہ مذخر ٦٧ یابی

(اس کی ذات میں نگاہِ خرد سے غور کر ، تجھے حکمت کا بہت سا ذخیرہ اس ذات میں ملے گا)

ز سرِ نقطہ نبوّت دراندرون دلش　　کہ تاملک رادر صورت بشر یابی

دُرر ز بحر کہ یابی شگفت نیست بیا　　٦٨ بہ بین حدیثش تا بحر در دُرر یابی

(نقطے کے بھید سے نبوّت اس کے دل کے اندر ہے (؟) تاکہ تو فرشتے کو بشر کی صورت میں پائے

سمندر سے تجھے موتی ملتے ہیں تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں ۔ تو آ اور اس کی بات سُن تاکہ تو موتیوں میں سمندر پائے)

روایت ہے ایک روز کسی نے حضرت کی مجلس میں کسی کتاب کے حوالے سے کہا کہ کل قیامت کے دن خدا تعالیٰ و تقدس انبیاؑ اور اولیاؒ کو عتاب فرمائے گا کہ مجنوں نے تو محبت کے دعویٰ میں سب چیزوں کو فراموش کر دیا کیونکہ اس کے سوا اور کسی چیز کی طرف وہ متوجہ نہ ہوا جب کہ تم نے میری محبت کا دعویٰ کیا اور دنیا میں زن و فرزند وغیرہ سے تعلق رکھا ۔ حضرت نے فرمایا : حق تعالیٰ انہیں جواب کی توفیق بخشے گا اور وہ کہیں گے کہ کھیتی باڑی کا بنیادی مقصد دانہ (گندم) کا حصول ہے ، جسے انسان کی خوراک

کے لیے سنبھالا جاتا ہے اور گھاس پھوس اس کی فرح (شاخ) ہے جو گدھے اور
وغیرہ کو کھلائی جاتی ہے ۔ مختصر یہ کہ وجود میں ایک دانۂ دل تھا جسے ہم نے تیری ذات
کی محبت کے لیے مخصوص کر رکھا تھا اور جوارح (اعضا) گھاس پھوس کی مانند تھے جو ہم
نے عیال و اطفال اور دوسری ضرورتوں کے لیے وقف کر رکھے تھے ۔

روایت ہے جب غوثِ دو جہاں کے حکم پر حضرت نے اِس جگہ مسجد ،خانقاہ اور
مدرسے کی بنیاد رکھی اور طالبان حق کی ایک کثیر تعداد وہاں اکٹھی ہو چکی تھی ، تو حضرت
درویشوں کی رشد و ہدایت کی طرف متوجہ نہ ہوتے اور خلوت سرائے وحدت سے بارگاہِ
کثرت کی طرف نہ آتے ، تاآنکہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالمشافہ
اس امرِ شریف پر مامور فرمایا اور قسم قسم کے لطف و مہربانی سے حضرت کو نوازا اور
فرمایا کہ میری امت کے لوگوں کے گروہوں کے گروہ تیری نیابت کے وسیلے سے نجات
پائیں گے ، خبردار اس کام میں سہل انگاری نہ برت۔ اس کے بعد حضرت غوث الثقلین
نے عتاب کرتے ہوئے فرمایا: اٹھ اور مخلوق کو حق کی طرف بُلا ۔ پھر حضرت مسندِ ارشاد
پر آئے اور لوگوں کو مرید کرنا شروع کیا۔

منقول ہے جب مخدوم زادہ عالی جاہ حضرت عبداللہ کو بچپن میں تپِ محرقہ نے گھیر
لیا تو تمام تر علاج کے باوجود کوئی افاقہ نہ ہوا ۔ گھر کی عالی مرتبہ خواتین نے پریشان خاطری
اور زخمی دل کے ساتھ حضرت کی خدمت میں تکلیف کی شدت عرض کی اور حضرت سے
مدد چاہی اور علاج کے لیے کہا۔ حضرت نے فرمایا : کوئی شخص جائے اور دیکھے کہ غوثِ
دوجہاں کا کوئی مرید آج خانقاہ میں آرہا ہے ۔ چنانچہ خبر ملی کہ شیخ مالو جھندہ (کذا)
مریدوں کی جماعت کے ساتھ محمدّاوت (؟) کی طرف سے آرہے ہیں ۔ حضرت نے فرمایا :
اس جماعت کے پاؤں کے نیچے سے تھوڑی سی خاکِ پاک اٹھا کر لے آؤ ، اور عبداللہ کے
سارے بدن پر مَل دو ، انشاءاللہ العزیز اسے شفا ہو گی ۔ حسب الحکم ایک آدمی سرِ راہ
کھڑا ہوگیا اور مریدوں کی وہ جماعت جہاں قدم رکھتی وہ تھوڑی سے مٹی اٹھا لیتا ۔ وہ مٹی
لے کر وہ حضرت بی بی کی خدمت میں پہنچا اور وہ مٹی شیخ عبداللہ کے جسم پر مَل دی
اسی وقت اسے شفائے کامل حاصل ہوگئی ۔

روایت ہے کہ جب نجابت کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور نقابت (صفت) کی پیشانی کی
چمک شاہزادۂ عالی جاہ حضرت شیخ عبداللہ سے اس محفل کے حاضرین میں سے کسی نے

اس حکمت (خاک جسم پر ملنے سے متعلق) کا بھید پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ : غوث اعظم کا جو بھی مرید صدق ارادت کے ساتھ اس خانقاہ کی طرف قدم بڑھاتا ہے حق سبحانہٗ تعالیٰ اس کی خاکِ پا کو دوا کی خاصیت عطا کر دیتا ہے جس سے کئی قسم کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اب بھی اکثر لاعلاج اور عام مریض ، جو طبیبانِ عصر کے علاج سے مایوس و حرمان زدہ ہو جاتے ہیں ، روضۂ منورہ کی سیڑھیوں پر سے مریدوں کی خاکِ پامذکورہ دستور کے مطابق ، اٹھا کر استعمال کرتے ہیں اوراللہ سبحانہ کے کرم اور غوث صمدانی کی توجہ سے انہیں ہر طور شفا ہو جاتی ہے ۔

روایت ہے کہ حضرت (داؤد) علیہ الرحمہ والرضوان اپنے سامنے بادشاہ کی موجودگی اور عالی جاہ امرا کے روبرو آنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے ۔

بیت:

شمعِ شش طاق و شاہِ نُہ خرگاہ بادشاہِ زمانہ اکبر شاہ ....

(چھ طاقوں کی شمع اور نو شاہی خیموں کا بادشاہ ، زمانے کا بادشاہ اکبر شاہ)

نبویؐ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی راہ سے انحرافِ مزاج اور نجات یافتہ فرقہ (اولیا) کے اطوار وآثار سے انکار کے باوجود اسے (اکبر بادشاہ کو) عظیم مشائخ کی قبور کی زیارت اور کامل اولیا کی صحبت کے حصول سے رغبت تھی ۔ ایک موقع پر وہ حضرت شیخ فریدالدین مسعود کے مرقدِ منوّرہ کے طواف کے ارادے سے اور حضرت بندگی شیخ داؤد ، قدس اللہ سرہ العزیز ، کی زیارت کی خواہش لیے لاہور سے پاک پٹن روانہ ہوا۔ جب وہ شیر گڑھ سے دو منزل اِدھر پہنچا تو اس نے شہباز کنبو کو ، جس کی اقبال و کامرانی کی کھیتی اور امیدوں اور آرزوؤں کی کِشت میں خطابِ "شہباز خان" کا خوشہ اُگا تھا ، حضرت سے وقت مانگنے کے لیے دوڑادیا ۔ اس نے خدمت میں پہنچ کر بادشاہ کا سلام پہنچایا اور پیغامِ اشتیاق دیا۔ حضرت نے فرمایا : تم بادشاہ کی خدمت سے کہاں سے جدا ہوئے اور اسے کہاں چھوڑ آئے ہو۔ اس نے حقیقت حال عرض کی ۔ جب اس کی سُرعت و تیزی کا پتاچلا تو حضرت نے فرمایا: تو نے عجیب شاہبازی دکھائی ہے ۔ پھر تبرک کے طور پر اسے دستار عطا کی اور جانے کی اجازت دے دی اور کہا کہ بادشاہ کو ہماری طرف سے دعا دو اور کہو کہ ملک تمہارا ہے اور یہاں آنا ، جو بھی رضائے خدا ہوگی ، اسی کے مطابق ظہور پذیر ہوگا۔ اسے رخصت کرنے کے بعد حضرت خلوت میں جاکر حضرت

غوث اعظم کی طرف متوجہ ہوئے ۔ جب باہر آئے تو بڑی ہی مسرت و کشادہ روئی کے ساتھ شاہ ابوالمعالی کو بلا کر کچھ رقم ان کے سپرد کی کہ بال بچے دار ، مفلسوں اور راہ نشین کنگالوں میں تقسیم کر دے ۔ جب شاہ رقم تقسیم کر کے فارغ ہوئے تو پھر حضرت کی خدمت میں پہنچے اور اس کا سبب پوچھا ۔ حضرت نے فرمایا: میں نے حضرت غوث صمدانی کی منت مانی تھی کہ اکبر بادشاہ میرے یہاں نہ آئے ۔ انہوں نے عہد فرمایا کہ وہ یہاں نہیں آئے گا ، اسی لیے یہ نذر پوری کرنا لازم ٹھہرا ۔ شاہ ابوالمعالی فرماتے تھے کہ جب اکبر بادشاہ آستانۂ مبارک کے نزدیک پہنچا تو شمعیں اور روشنیاں نمودار ہوئیں ۔ میں متعجب ہوا کہ بادشاہ تو آگیا ، اور حضرت نے کیا فرمایا تھا (؟) ۔ میں اسی سوچ میں تھا، پھر کچھ دیر کے لیے مَیں خود میں کھو گیا ۔ جب میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ وہ شمعیں خانقاہ کے راستے سے آگے جا چکی ہیں ۔ یہ بات میرے لیے اور بھی حیرت کا باعث بنی ۔ میں نے ایک خادم کو صورت حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا تاکہ بادشاہ کے نہ آنے کا سبب معلوم ہو۔ اس نے بساطِ عزّت کے مقربوں سے پتا چلایا اور آکر بتایا کہ بادشاہ پوست کے استعمال کی عادت کے باوجود رات کے وقت کبھی اونگھا نہیں ۔ بخلافِ عادت آج رات مغرب اور عشا کے درمیان وہ ہاتھی کی عماری میں دراز ہو گیا اور اسے نیند آگئی یہاں تک کہ تین میل کی مسافت طے کرنے کے بعد بھی اُس نے آنکھ نہ کھولی ۔ جب وہ بیدار ہوا تو اس نے مقربین سے پوچھا کہ خانقاہ کتنی دور رہ گئی ہے ؟ انہوں نے عرض کیا کہ اگر آپ شیخ فریدالدین گنج شکر کی خانقاہ کا پوچھ رہے ہیں تو وہ دو منزل دور ہے اور اگر شیخ داؤد کی خانقاہ کا پوچھ رہے ہیں تو وہ تین میل پیچھے رہ گئی ہے ۔ اس نے ہاتھی کو رکوالیا اور عتاب کرنے لگا کہ میں ان کی خانقاہ کا پوچھ رہا ہوں جن کی زیارت کی میں نے نیت کی ہے ، تم نے مجھے آگاہ کیوں نہ کیا۔ عرض کیا گیا کہ حضرت بدولت آرام کر رہے تھے ، ہم آپ کی مبارک آنکھوں سے خواب راحت دور نہ کر سکے ۔ اب اگر حکم ہو تو لوٹ چلیں اور سامان وغیرہ بھی واپس لے چلیں ۔ بادشاہ دیر تک خاموش کھڑا رہا ۔ پھر بولا: خوب ، واپسی پر ان کی زیارت کروں گا۔ جب وہ پتن سے ہو کر دیپالپور پہنچا تو میر منزل نے بتایا کہ ستگھرا کے راستے سے رات کے وقت سفر کرتے ہوئے دریائے راوی پر پہنچا جائے تو لشکر کو پانی کی کمی کی تکلیف نہ اُٹھانا پڑے گی ۔ چنانچہ راتوں رات ستگھرا کے راستے جاکر نوارہ میں قیام کیا اور حضرت کی زیارت کو نہ پہنچا ۔

حضرت کے اصحاب میں سے کسی نے پوچھا کہ بادشاہ کی حاضری سے بچاؤ میں کیا حکمت تھی ۔ حضرت علیہ الرحمہ والغفران (بخشش) نے فرمایا کہ ہمارے اور بادشاہ کے آمنے سامنے ہونے میں دو باتوں کی توقع تھی ۔ یا تو یہ کہ جس میں وہ منعم ۶۹ ممسک (کنجوس) ہے اس سے پورے طور پر باہر نکل آئے ، یا پھر اسی وقت ہلاک ہو جائے ۔ میں نے دیکھا کہ اُس چیز سے باہر آنے میں اسے بہرہ میّسر نہیں جس میں وہ ڈوبا ہوا ہے اور اس کے ہلاک ہونے میں مصلحت نہیں کہ وہ ملک کا پاسبان ہے اور لوگوں کو اس کے عدل کے سائے میں آسایش حاصل ہے ۔ نیز ممالک اور اموال اس کے دبدبے کے تازیانے اور ایالت و ریاست ۰، کی تیغِ بے دریغ کی سیاست ۱، کی وجہ سے حمایت و حراست ۲، کے طریق پر ، ہر طرح کی خلل پذیری اور مستقبل کے بعض صدموں سے محفوظ و مامون ہیں ۔ فی الحال اس خاندان میں کوئی جہانبانی کے لائق نہیں ہے جو صحیح طور پر مخلوق کی محافظت کرے ۔ خدا نہ کرے خدا نہ کرے ، اگر دنیا کے سر سے بادشاہ کے عدل و انصاف کا سایہ اٹھ جائے تو دنیا اور دنیا والوں کے استقامتِ احوال کے انتظام میں اور انسانوں کے معاملات کی پائیداری کے لوازم میں ناقابل بیان خلل اور نقصان واقع ہو گا۔

نظم:

گر تیغ سلطنت (نہ) ۳، کند جلوہ دم بدم   کس را کجا ز تیرِ حوادث امان بود

دفعِ فساد و فتنہ ز ۴، رفع بلا و جور   وابستۂ سیاست شاہ زمان بود

(اگر سلطنت کی تلوار ہر لمحہ جلوہ نما نہ ہوتی رہے تو پھر کسی کو حادثات کے تیر سے کیونکر امان مل سکتی ہے

فتنہ و فساد کو مٹانا اور ظلم و ستم اور مصیبتوں سے نجات دلانا بادشاہِ عصر کی سیاست [تنبیہ و سزا] سے وابستہ ہے)

روایت ہے کہ انہی دنوں اکبر بادشاہ نے شیراللہ کنبو کے لیے چند خطاب انتخاب کیے ۔ جب قرعہ اندازی کی گئی تو خطاب "شہباز خان" نکلا اور اس کے بارے میں یہ خطاب حضرت کی زبان پر اِس سے پہلے گذر چکا تھا جب آپ نے فرمایا تھا کہ اس نے شہبازانہ حملہ کیا ہے ۔

روایت ہے کہ جب اکبر بادشاہ نے پتن میں مرقدِ مشورہ کا طواف کیا تو شہزادہ سلیم

کو چیچک نکل آئی جس سے وہ سخت مضطرب ہوا ۔ اس نے حکم صادر کیا کہ لاہور کے تمام علما اور ہر طرف کے صلحا جمع ہو کر اس کے حق میں دعا کریں ۔ اُس (اکبر) نے بڑی بد دماغی کے ساتھ قسم کھائی کہ اگر سلیم خاں کو صحت ہوگئی تو بہتر وگرنہ حضرت مخدوم گنج شکر کی تمام آل اولاد کو قتل کروادوں گا ۔ اس ڈر کی وجہ سے تمام عورتیں اور آدمی گریہ و زاری کرنے اور پوچھنے لگے کہ شہزادے کی زندگی کا کیا بنے گا ۔ حضرت نے فرمایا : شفا ہو جائے گی ۔ جب حکم کے مطابق لاہور کے سبھی دانشمند اور مدرّس راتوں رات پتن روانہ ہوگئے تو انہوں نے بادشاہ کو یہ خوش خبری سنائی اور جلد ہی شہزادہ صحتیاب ہوگیا ۔ اتفاق سے یہ اعزّہ (دانشمند وغیرہ) حضرت کی خدمت میں پہنچے ۔ اس وقت کوئی شخص سبق پڑھ رہا تھا ۔ ملاقات کے بعد سب اعزہ نے کہا کہ اس کا سبق ختم فرمائیں ۔ اِن باتوں کے دوران میں انہوں نے مکتب کے پایۂ معلومات اور وہبی مفہومات کے سرمایہ سے متعلق جاننا چاہا ۔ حضرت نے اُسی طرح حقایق کا بیان شروع کر دیا اور مخفی رموز کے خزانے کا منہ کھول دیا ۔ حضرت نے معارف کے حایق کی باریکیوں کو کچھ اس طرح عبارات و اشارات میں بیان کیا کہ نشاء دانش کے ان مغروروں اور بادۂ دانش کے ان مخموروں کے لیے باعث حیرت اور موجبِ عبرت بنا اور کسی کو بھی دخل دینے کی مجال نہ رہی اور نہ قیل و قال کی ہمت ۔ سبھی زبان کے خوش خرام گھوڑے کو سکوت کی لگام دیے بیٹھے رہے اور دیوار کی مانند صاحب دیدار کے نگراں اور فصاحت گفتار کے حیراں رہے اور دیوار کی مانند صاحب دیدار کے نگراں اور فصاحت گفتار کے حیراں رہے اور انہوں نے دم سادھے رکھا ۔

مشاطہ گان چوُن مالکو ـہ میکنند (کذا)　　　　درشہر بازیان نساتند گوش باش (؟)

جب سبق ختم ہوگیا تو علما میں سے ایک نے پوچھا کہ یہ کون سی کتاب ہے ۔ حضرت نے فرمایا: فصوص الحکم ۔ وہ بولے کے فقہا متفقہ طور پر اس کتاب کے منکر ہیں ، لیکن آپ کی "بدیع بیان" زبان سے جو کچھ بیان ہوا وہ تو اصولِ دین اور مایۂ حق و یقین تھا ۔ حضرت نے فرمایا کہ اِس عمدہ کتاب کو کسی نے اُس طرح سمجھا تو کسی نے اِس طرح جانا ہے ۔ حقیقت میں انکار اور اعتراف ہر کسی کے اپنے فہم و شعور کی بنا پر ہے ، وگرنہ یہ کتاب تمام معارف کی اصل (جڑ) اور حقائق کی بنیاد ہے ۔

بیت :

چو بشنوی سخنِ اہل دل مگو کہ خطاست   سخن شناس نہ ای دلبرا خطا اینجاست ۵،

(جب تو اہل دل کی بات سُنے تو مت کہہ کہ غلط ہے ۔ اے دل بر تو سخن شناس نہیں ہے بس یہی بات غلط ہے)

مُلا صدر ٦، ، جس کی حالتِ عیاری کی کیفیت اور بے قیدی و طراری ،،کی حقیقت شرح و بسط یعنی تفصیل کی متقاضی ہے ، ان علما کے ہمارہ تھا ، وہ حضرت کا بہت ہی معتقد و مشتاق ہوگیا ۔

روایت ہے کہ جیبب نام کا ایک نیک انجام درویش ، جو رنگریز مشہور تھا ، وجد آور اشعار اور عشق آمیز نغمے حضرت کی مدح میں اپنے بے لوث دل سے کہتا اور سرور و حضور کی عبیر (خوشبو) اناث و ذکور (عورتوں اور مردوں) کے دلوں کی جیبب و کنار (پہلو) میں گراتا ۔ اور یہ دُہڑا اس کے ان عاشقانہ نغموں میں سے ہے جو اس نے حضرت کے عشق میں کہے ہیں اور ان سے سامعین کو محبت کے سمندر کے بھنور میں پھنسایا ہے ۔

میہُن مولی نت نہ دہرنا مین کھہنہ سو مولے کرنا بل جانو مسین تو

ایک موقع پر پیرِ غیب کے اِسی جیبب (دوست) نے بعض حاجت مندوں کے لیے حضرت سے میر چاکر بلوچ کے نام اہتمام سے رقعہ لکھوایا کہ مستحق لوگوں کو جنگل کی کچھ زمین عطا کی جائے تاکہ وہ وہاں زراعت کرکے اپنی معیشت کا سامان کریں ۔ بادۂ غرور کے اُس مخمور نے خوشبختی کے اس تعویذ (رُقعے) کو اپنے ہاتھ سے پھاڑ ڈالا اور شفاعت کا یہ خط پہنچانے والے کے دل کو بُرائی سے آزردہ کیا اور بولا کہ نشیب کی ساری زمین پر تو تم قابض ہو چکے ہو ، اب جنگل کو بھی قبضے میں لینا چاہیے ہو ؟ جب جیبب واپس آیا تو اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا ۔ یہ حدیثِ پریشاں ۸، سُنتے ہی حضرتِ ایشاں کے غضب کی آگ شعلہ زن ہوگئی اور حضرت نے اس دُہڑے کے شعلے سے زندوں کے خاناں کو یکسر خاکستر کر ڈالا ۔

دُہڑا:

رند سبھو چور تھیا پلیا جوان   رندان بتگھرا کیون پان دان

فارسی میں اِس دُہڑے کے معنی یہ ہیں (اردو ترجمہ) : سب رند پیر و جوان چور ہو گئے ۔ سبھی رند ابتر و ویران ہوگئے ۔ خدا کی قدرت کہ چند ہی دنوں میں اس کا کاخ دولت اور قصرِ حشمت کچھ اِس طرح نیست و نابود ہوا جیسے کبھی اس کا وجود نہ تھا ۔

مصرع:

ای وای بر آن کس کہ مقہور توشد

(افسوس ہے اس پر جس پر تیرا عتاب ہوا)

اس (چاکر بلوچ) کے زوالِ دولت کی کیفیت کسی قدر اجمال سے لکھی جاتی ہے :

وہ حضرت جنت آشیانی ۷۹ کے امراے کرام میں سے تھا ۔ اس نے اپنے عزیز و اقارب پر مشتمل بارہ ہزار سواروں کا لشکر جمع کر رکھا تھا ۔ ۸۰ ملک کی قدر کیا کم ہوگی ، سُکان ۸۱ کی خواری سے ، جو اس آستانے کے پتھر کی حُرمت کے سوا کچھ نہیں رکھتا ۔ یہ بدبخت مغرور یہ سُن کر بہت زیادہ برہم و منفعل لوٹ گیا (کذا) ۔ حکما کا کہنا ہے کہ خلق کی محتاجی سے بڑھ کر کوئی سختی نہیں ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے خوب فرمایا ہے :

غزل:

ز جامِ دہر زہرِ قہر خُوردن.... بتلخی جانِ شیرین را سپردن

بَدستِ خویشتن خونِ دلِ خود بیزم دشمنان درشیشہ بُردن

زَمستان در بیابانہای مُہلک چو آب از شدتِ سرما فشردن

بتابستان ز گرمیہای مفرط میانِ بادیہ لب تشنہ مُردن

بچندین پایہ نزد اہلِ تحقیق بہ از حاجت بہ پیش خلق بُردن

(= زمانے کے جام سے زہر پینا ، تلخی کے ساتھ جانِ شیریں سپرد کر دینا،

= اپنے ہاتھوں سے اپنا خونِ دل دشمنوں کی محفل میں صراحی میں لے جانا،

= سردیوں میں مُہلک بیابانوں میں پانی کی طرح سردی کی شدت سے ٹھٹھر جانا،

= موسم گرما میں سخت گرمی کے ہاتھوں جنگل میں تشنہ لب مرجانا،

= اہل حقیقت کے نزدیک خلق کے آگے اپنی حاجت لے جانے سے کہیں بہتر ہے ۔)

اس علاقے کے اکثر نجیب و اشراف اس کے ملازم تھے ۔ لاہور اور ملتان کے پرگنوں میں اس کا حکم گویا قضا کا حکم ہوتا تھا ۔ اس دولت و حشمت کے باوجود لطائف آمیز طبع اور اشعار انگیز ذہن کا مالک تھا ۔ جس زمانے میں عین الکمال نے حضرت جنت آشیانی

کے شاہدِ بخت کے چہرے کا تِل اُڑا لیا تھا اس وقت چودہ برس تک ممالک محروسہ میں افغانیوں کا عمل رہا ۔ میر چاکر اُسی طرح حشمت و جلال کی مسند پر متمکن اور دستورِ سابق کے مطابق متعلقہ علاقوں پر حکمرانی کرتا رہا کیونکہ کسی میں بھی یہ ہمت و توفیق نہ تھی کہ اس کی جمعیت کی زنجیر کو توڑ اور اس کی عظمت کی افواج کو ہلا سکے ۔ جب جلال الدین محمد (اکبر) تختِ سلطنت پر بیٹھا اور بیرم خان (خانخاناں) اس کا اتالیق بنا تو آغاز میں میر چاکر بلوچ کو بادشاہ کے حضور طلب کرنے کا حکم صادر ہوا، اور وہ عارفانِ ربّانی کے پیشوا اور سالکانِ سبحانی کے سرگروہ حضرت مخدوم شیخ حامد گیلانی قدس سرہٗ کا مرید تھا ۔

جب حضرت آشیانی نے سعادتِ جاودانی کے باعث اور بزرگ شناسی اور قدردانی کے حقوق ادا کرنے کی خاطر حضرت شیخ حامد گیلانی کے ڈیرے پر تشریف ارزانی فرمائی تو پورا پرگنہ لکھی کھوکھراں ، انعام کی رقم کی صورت میں ، خادموں کے نام نیاز کے طور پر عطا کر دیا ۔

جب بیرم خان نے میر چاکر کا طلبِ حضور کا فرمان لکھا تو باطنی تعصب کی بنا پر ، جو عراقی جماعت کو سلسلۂ قادریہ سے ہے ، اس نے مختلف حیلوں بہانوں سے ، اسے لانے کے کام کا قرعہ حضرت مخدوم کے نام ڈالا اور سانپ کا سر دشمن کے ہاتھوں کچلوانے کا انوکھا منصوبہ تیار کیا ۔ یعنی اِن دو مقاصد میں سے ایک بہر حال وجود پذیر ہو سکتا تھا ۔ یا یہ کہ اُسے لے آتے اور ہلاکت کے سپرد کر دیتے یا پھر خود ملام (ملامت) و آلام کے سہام (تیر) کا نشانہ بنتے ۔ حضرت مخدوم بادشاہ کا ضرورتِ فرمان ۸۲ (کذا) اور پیمانِ امان اور نقشِ نتیجہ (کذا) لے کر ستگھرا کی طرف متوجہ ہوئے ۔ اُس زمانے میں بادشاہ کا ہاتھ بیرم کے ہاتھ کی آستین ۸۳ تھا ۔ بلوچ نے اکبر بادشاہِ عالمگیر (یعنی دینا کو فتح کرنے والے اکبر) کے حکم کی پروا نہ کی اور جواب دیا کہ میں فتح خان جٹ کے ۸۴ انداز میں تین گھر ویران کردوں گا کہ اُس نے گھربار اور جان و جہان بیکار برباد کر دیے اور ندامت کا داغ اپنے پیر کی پیشانی پر لگا دیا اور اعظم ہمایوں نیازی اور فتح جنگ خان قاضی کی تذلیل کی ۔ حضرت مخدوم بہت برہم ہوئے اور بولے : تو یاد نہیں کر سکتا (کذا) ۔ اس نے جواب دیا کہ مَیں بلوچ عورتوں کی شلوار مغلوں کے سامنے نہیں ڈال سکتا (یہاں کتابت غیر واضح ہے ۔ ترجمۂ قیاسی) میں تو گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھتا ہوں اور جوانمردی کا منہ بیجا غبار کے آئینے میں ایک مرتبہ دیکھتا ہوں ۔ پھر جو ہو سو ہو۔ حضرت مخدوم اس کی اس روش سے مغموم و مایوس ہو کر پھر لاہور کی طرف روانہ ہوئے ۔ اثنائے راہ میں ایک

سپاہی نے بیرم خان کا خط انہیں دیا جس میں تحریر تھا کہ اگر تم اسے نہیں لاتے تو خود بھی نہ آنا ۔ حضرت مخدوم حرارتِ جگر سے اخگر کی طرح بھڑک اٹھے اور فرمانے لگے کہ لکھی کھوکھراں کی تنخواہ کا فرمان لے آؤ ۔ اسے اپنے ہاتھوں سے پھاڑ کر سپاہی کے حوالے کر دیا کہ بیرم خان کا یہ سارا ناز و عتاب اسی ایک لاکھ بیگہ مردار نابکار زمین کے باعث ہے جو ہمایوں بادشاہ نے عطا کی تھی۔ یہ (فرمان) لے جا اور اس کے ہاتھ میں دے دے ، جسے چاہے دے دے ، کیونکہ مجھ میں بیرم خان کے عتاب کی تاب نہیں ہے ۔ (حضرت مخدوم) نے اُسی لمحے واپس مُڑ کر ملتان کی راہ لی ، اور بلوچ جنگ کا ساز و سامان کر کے لاہور کی طرف متوجہ ہوا۔ ستگھرا سے ایک منزل اِدھر وہ تین روز تک مقیم رہا ۔ جب اس نے سمجھ لیا کہ اس کے مقابلے کے لیے بیرم خاں کا لشکر نہیں آئے گا تو وہ ستگھرا پہنچا ۔ اپنی قوم اور قبیلے کو وطن سے نکال کر سندھ کی طرف لے گیا ۔ اس زمانے میں صوبۂ ملتان کا حاکم شاہ قلی نارنجی (کذا) تھا ۔ اس نے شیخ کبیر اور سجّادہ گردیز اور تمام اکابرِ ملتان کو چاکر کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ تو کس لیے دشتِ خواری میں آوارہ ہو رہا ہے ، اسی سرزمین میں بیٹھ جا ، میں بادشاہ کے حضور عرضداشت پیش کرتا ہوں اور تیری مہم سازی کچھ اس طرح تیار کرتا ہوں کہ تین سال تک حضورِ (بادشاہ) تجھے طلب کرنا موقوف رہے گا؛ جاگیر سابقہ دستور کے مطابق بحال اور مسلّم ہو جائے گی۔ صوبۂ ملتان کی خدمات کی تعینات کا بھی اسی طور اقرار کیا ۔ فرمانِ بادشاہ کا پُختہ قول بُلا کر دیا۔ عمدہ قسم کی حویلیاں رہنے کے لیے پیش کیں اور اچھے قسم کے طویلے گُذران دیے ؛ لیکن بدبختی کے کانٹے کی بنا پر اس کی آل اولاد نے غلط قسم کے کام شروع کر دیے اور اللہ داد اور اس کی اولاد کے بعض افراد نے بدفطرتی کو کمال تک پہنچا دیا۔ ان لوگوں نے عید رمضان کے دن شراب پی اور شاہ قلی خان کی خواتین پر دست درازی کی خاطر اسے عیدگاہ میں قتل کر ڈالا اور سارے شہر کو ویران کر کے مقتولِ مرحوم کے حرم میں خیانت سے کام لیا ۸۵ ۔ (گویا اِس طرح) اُس نے بدبختی اور ذلت و رُسوائی کی خاک اپنے زمانے کے سر پر ڈالی ، ہمیشہ ہمیشہ کی بدنصیبی خریدی اور قہر داوُدی کی آگ کے شعلوں میں جل کر وہ بکھر کے رہ گیا۔

بیت:

آمدہ از تفِ قہرش ہمہ را آن برسر　　　که کسی رانگذاشت از آنان برسر

(اس کے قہر کی گرمی سے سب کے سروں پر ایسی ہیبت گئی کہ ان میں سے کسی کو بھی سر پر نہ رہنے دیا)

کِہ کرد با تو ییک جَو مخالفت (کہ) نداد　　زمانہ خرمنِ عمرش چو خاکِ رہ بَرباد

(جِس کسی نے بھی تیری جَو کے برابر بھی مُخالفت کی زمانے نے اس کی زندگی کے خرمن کو راستے کی خاک کے مانند ہوا میں اڑا دیا)

اربابِ دانش کے باطن پر ظاہر اور اصحابِ بینش کے دلوں کو آگاہی ہو کہ حضرت ایشاں علیہ الرحمہ والرضوان (ان پر اللہ کی رحمت ہو اور اللہ ان سے راضی ہو۔) بحرِ شہود میں مستغرق ہونے کے باوجود ، کہ اِس میں ان کی نظرِ فیض اثر کو معبود کی ذاتِ خالص کے علاوہ اور کچھ ملحوظ و منظور نہ تھا ، ضروری امور کی انجام دہی ، وابستہ لوگوں کی معیشت کی تدبیر ، فراہمی لشکر (لنگر؟) اور مقررہ ضابطوں کی اُستواری کے لیے اکثر وسیع کوشش بروے کار لاتے اور پوری توجہ مبذول فرماتے اور فرمایا کرتے کہ جو کوئی دنیاوی امور میں سُست ہو گا وہ دینی امور اور مدارِ تعینی میں بھی چُست و مستحکم نہ ہو گا۔

بیت:

درمذہبِ طریقت سُستی نشانِ کفراست　　آری نشانِ دولت چاکیست و چُستی

(طریقت کے مذہب میں سُستی کفر کی علامت ہے ، ہاں خوش بختی کی علامت چُستی اور پُھرتی ہے)

واضح ہو کہ قُدسی سریرت (مقدس بھید والی) اولاد کے علاوہ بندگی سید رحمت اللہ کی اولاد ، خوند بی بی کے احفاد (پوتے پوتیاں ، نواسے نواسیاں) خدیجہ اور فرشتیہ ، نوکروں اور غلاموں کی جماعت اور فقرا اور مریدوں کے گروہوں کے گروہ نیز بیشمار زاہد اور عابد حضرت کی ذات سے وابستہ تھے ۔ ان سب کی معیشت کی ضرورتوں کا انتظام اِس ڈھب سے انجام پاتا کہ اِس سے بہتر کا تصور بلکہ فکرِ بشر کا مقدور بھی نہیں ہو سکتا ؛ کیونکہ حضرت نے نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیت المال کی طرز پر دولت خانہ مقرر کر رکھا تھا جس میں ہر ضرورت کی خوراک ، خرقہ ، دوائیں وغیرہ ہر تندرست اور بیمار کے لیے بقدر ضرورت ہوتیں ، نیز ماتم و سوز کے لوازم بھی کسی قسم کے احسان کے بغیر دستیاب ہوتے ؛ اور انسانوں کی اشد قسم کی ضروریات اور اہم قسم کی حاجات یہی روٹی

کپڑا اور مکان اور ماتم وسوز کی رسوم ہیں ۔ حضرت نے اس کی ضرورتوں وغیرہ کے لیے ایک دستور قائم کر دیا تھا جس کی بنا پر سردیوں اور گرمیوں کے موسم میں نیز موسم باد و باراں میں ہر کسی کے لیے بقدر کفایت ہر صبح و شام خانقاہ کے مطبخ سے دو وقت کا کھانا حسبِ خواہش پہنچتا تھا اور اس کے باوجود کہ عوام الناس (مراد وابستگان) کی صفات مختلف نوع کی تھیں ، کسی کو بھی انتظام کی زحمت اور سوال کی ذلت نہ اٹھانا پڑتی اور کبھی کسی نے اپنے متعلقین کو پکانے کے ہر قسم کے سازو سامان مثلاً دیگ ، توا ، مرچ مسالے اور ایندھن وغیرہ سے محروم نہ پایا ۔ اگر اِن وابستگان میں سے کسی کے یہاں مہمان آجاتے تو وہ لنگر کے متولی کو اطلاع دے دیتا اور متوّلی مہمانوں کی تعداد اور موسم کے مطابق صبح اور شام کا کھانا اور لباس اس کے گھر بجھوا دیتا ۔ ان وابستگان میں سے کسی کو بھی کپڑا خرید نے ، لباس سلوانے اور اسی قسم کے کاموں کے لیے بزاز ، درزی اور دھوبی کے پاس جانے کی زحمت اٹھانا نہ پڑتی تھی ، اِس لیے کہ مُلا ارغوانی نام کا ایک درزی اور چند بھائی اور بیٹے متعلقین کے کپڑے سینے کی خدمت انجام دیتے تھے ۔ وہ سال میں دو سوتی جوڑے (فی کس ؟) متولی سے لیتا اور سی کر ہر کسی کو پہنچا دیتا ۔ پھر لاہوری نام کے ایک دھوبی سے یہ طے تھا کہ وہ ہفتے میں ایک مرتبہ لوگوں کے کپڑے دھو کر لائے ۔ عبداللہ نامی ایک بڑھئی تعمیر کے کاموں پر مقرر فرما رکھا تھا ۔ جس کسی کو بھی گھر اور حجرے کی تعمیر اور دروازے اور پردے کی مرمت درکار ہوتی وہ اسے آگاہ کر دیتا اور پھر متوّلی کے صلاح مشورے سے وہ متعلقہ کام میں مصروف ہو جاتا ۔ جو بھی لڑکا بالغ ہوتا اور لڑکی سنِ بلوغت کو پہنچتی تو اس کی شادی کے سلسلے میں دونوں طرف سے ضروری سامان کا اہتمام کیا جاتا اور اس کی / ان کی شادی کر دی جاتی ۔ (غرض) تمام وابستگان اور خاندان سے متعلق لوگ لباس اور روٹی کے غم سے آزاد اور فارغ تھے اور علومِ دین کے حصول اور صدق و یقین کے مقاصد میں مصروفیت کے علاوہ انہیں اور کوئی کام نہ ہوتا ۔

بیت:

بآن جنابِ رفیعت کسی کہ بُرد پناہ   ز آفت دو جہان است فی امان اللہ

(جس کسی نے بھی تیرے بلند آستانے میں پناہ لے لی وہ دونوں جہانوں کی آفت سے

اللہ کی پناہ میں آگیا۔)

حضرت ہمیشہ اس بات کی قدغن (تاکید) فرمایا کرتے کہ فرائض و واجبات اور سُنتوں کی ادائیگی کے بعد ہر کوئی ذکر و تسبیح میں مصروف رہے اور کلمۂ طیبہ کے علاوہ کوئی اور لفظ زبان پر نہ لائے ۔ چنانچہ گلی کوچے میں کام کرنے والے اور کسان کھیتی میں بیٹوں ، بیویوں اور لڑکیوں کے ہمراہ کلمۂ طیبہ اور درود بلند آواز اور دلکش لحن کے ساتھ پڑھتے اور کام میں مصروف ہوجاتے ۔ شب و روز شہر کے در و دیوار سے نغمۂ درود اور زمزمۂ تسبیح و تہلیل گونجتے رہتے اور آنے جانے والے لوگ یہ فیض بخش نغمہ سُن کر اس حد تک محظوظ ومسرور ہوتے کہ وہاں سے کسی کا گذرنا اور آگے نکل جانا دشوار ہو جاتا۔

بیت:

مرغ فلکی مست شد از تسبیحش غیر داؤد۸۶ کہ داند دگراین نغمہ سرود

(آسمان کا پرندہ اس کی تسبیح سے مست ہوگیا ۔ داؤد کے علاوہ اور کون ایسا نغمہ الاپ سکتا ہے)

منقول ہے کہ تقویٰ و تورع ۸۷ پناہ جدّی (میرے نانا) میاں عبداللہ ابابکری حضرت کے اصحاب کبار میں سے تھے ۔ انہوں نے بڑی طویل عمر پائی اور ان کے بدنی حواس کے قُوا غیر معمولی طور پر تیز تھے ۔ اِس کمترین (مصنف مقامات داؤدی) کو ان کی دختر سے نسبتِ فرزندی کے شرف پر ناز ہے ۔ ایک روز فقیر نے حضرت پیر دستگیر کی دولتِ ملازمت (خدمت) کے حصول کی ابتدا کے بارے میں ان سے پوچھا ۸۸ ۔ فرمایا کہ جب میں سرحدِ جوانی کو پہنچا تو میں نے والدہ سے نسبتِ ارادت کے بارے میں استفسار کیاکہ میں کس سلسلے کے مشائخ سے وابستگی اختیار کروں ۔ انہوں نے حضرت مخدوم گنج شکر قدس سرہٗ سے متعلق مشورہ دیا ۔ لہذا میں پٹن کی طرف روانہ ہوگیا اور جب مرقدِ منور کی زیارت سے سعادت پذیر ہوا تو کچھ رقم نیاز کے طور پر روضہ پر پیش کی ، اور تھوڑی سی رقم جس سے رات کے کھانے اور گھوڑے کے چارے وغیرہ کا سامان ہوسکے ، بچا کر رکھ لی ، جو ڈھیٹ قسم کے بھک منگے بزور لے گئے ۔ چنانچہ گرہ میں پھوٹی کوڑی بھی نہ رہی جو روٹی اور چارے دانے کے لیے کافی ہوتی ۔ بہرحال دیر تک میں اِس بات کا منتظر رہاکہ شاید کوئی رزق اور تبرک گرم کیا جائے ، لیکن کچھ بھی نہ ملا ۔ چنانچہ اسی طرح بھوکا پیاسا روضہ کے قریب سوگیا۔ رات کے آخری حصے میں مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک

پیراہن پوش پری روضۂ مطہرہ کی طرف سے نمودار ہوئی اور بولی کہ اے جوان اگر تجھے کچھ نہیں ملا تو مغموم نہ ہو کیونکہ تیرا نصیبہ یہاں نہیں ہے ۔ میں غم کی حالت میں اٹھا ، صبح کی نماز ادا کی اور گھر کی راہ لی ۔ راستے میں گھوڑا نقاہت کی وجہ سے عاجز رہ گیا اور میں بھی بے بس ہوگیا تاآنکہ خاصی دیر کے بعد بہن کے گھر خادم بھیج کر کھانا اور چارا منگوایا اور تھکا ہارا پریشان گھر پہنچا ۔ والدہ نے صورت حال پوچھی ۔ جب انہوں نے یہ ماجرا سُنا تو حیران رہ گئیں ۔

انہی دنوں پرگنہ رحمت آباد اور لکھی کھوکھراں کے بعض زمیندار دشمنی مٹانے کی خاطر اور معالجے کے لیے حضرت (داؤد) کی خدمت میں حاضر ہوئے ، اور مجھے بھی ساتھ لے جانے کے لیے انہوں نے میرے بڑے بھائی سے درخواست کی ۔ جب میں حاضری کی سعادت سے مشرف ہوا تو میرے ساتھیوں سے پوچھا : یہ جوان کون ہے ؟ انہوں نے میرے حسب و نسب کے بارے میں بتایا ۔ (بس پھر کیا تھا) ادھر انہوں نے جان نواز نگاہ فرمائی اور اُدھر مجھے بیخود کر دیا ، جیسے میں سوسالہ عاشقِ فدوی تھا ۔

بیت:

عجب گیرندہ ۸۹ وای در عاشق رُبائیہا نگاہ آشنایِ یار پیش از آشنا ئیہا

(عاشق کو بیخود کرنے والی عجیب گرفت والی ... آشنائیوں سے پہلے دوست کی نگاہِ آشنا)

جب میرے ساتھی اپنا مقصد پاکر رخصت ہوئے تو مجھے ساتھ لے جانے کے لیے انہوں نے اصرار کیا ۔ میرا دل جانے پر قطعاً آمادہ نہ تھا ۔ چنانچہ میں تیرہ دن تک آستانۂ مبارک میں صحبتِ فیض اثر کا مدہوش و مشتاق رہا ۔ وہاں میں نے یوں سمجھا کہ یہ مبارک بقعۂ مقدس آسمان سے زمین پر آیا ہے اور اس کے تمام ساکنین فرشتے ہیں جنہیں ذکر و درود اور تسبیح و تہلیل کے علاوہ کوئی اور کام نہیں اور وہ تلاوت و عبادت کے سوا کسی دوسرے امر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ۔ اللہ کے ذکر میں حضرت کے فقرا کے گروہ کا زیادہ تر طریقہ جہر (اونچی آواز سے) کا تھا ۔ حضرت خانقاہ کے اکثر صوفیوں کو ذکرِ بلند (آواز) کا حکم فرماتے تھے کہ اس کا فیض عام اور فائدہ کامل و مکمل ہے ۔ اوایلِ اوقات میں خود بھی بلند آواز سے ذکر کیا کرتے تھے ، اس حد تک کہ بعض مرتبہ سینے سے حلق کے راستے خالص خون باہر گر جاتا ، اور حضرت بے ہوش ہوجاتے۔

منقول ہے کہ خواجہ محمود دیپالپوری ، جو حضرت کے اصحابِ کبار اور اصحاب نامدار

میں سے تھے ، ساری رات ذکرِ جہر کیا کرتے ، یہاں تک کہ ہمسایوں کی نیند اڑ جاتی ۔ (ایک موقع پر) اردگرد کے چند شریر لوگوں نے ان کی تذلیل کرنے اور انہیں تکلیف پہنچانے کی خاطر خانقاہ پر پتھر پھینکے ۔ دیپالپور کے علما نے ذکرِ جلی (بلند آواز سے ذکر کرنے) پر ذکرِ خفی (آہستہ) کی ترجیح سے متعلق تمام دلائل جمع کیے اور شیخ برخوردار ملتانی کو ، جو ہمیشہ حضرت کی نوازش و مہربانی کا مرکز رہا ، دکھائے ۔ اس نے ان میں سے چند ایک کا ذکر عریضے میں کیا ۔ چنانچہ حضرت نے خواجہ محمود کو منع فرما دیا کہ آئندہ شہر میں ذکر جہر نہ کریں تاکہ منکرین پر اس کا گناہ لازم نہ آئے ۔ پھر حضرت نے (ان دلائل کا) جواب اپنے ہاتھوں سے لکھ کر شیخ برخوردار کو دیا۔ اس کی نقل اسی خاص عبارت میں درج کی جاتی ہے ۹۰ ۔

"نامۂ آمال استفاضۂ نوال کرامت حضرت جلالیہ فیضیہ رضوان عینیہ عین الشمال الشین بالحاف اسلامیہ صفوت الاوصاف مسند و مضافیت بوجہ اعنی ف (کذا) کہ از ہمائم اختیارات استفشاد صرافت نقود اذکار بحک و معیار قانونیہ شواکل مختارہ افتخار فرمودہ بنیان امتنان و احسان از خطبۂ امکان میر روز (کذا) ہمیکرد کہ حرکت و سکون کہ عکس مضمون بخلل مشحون ملتِ بیضائیہ بکون ذو ترحض (کذا) و تجویزان درتجانی حقایق مدعیہ نا مرضیہ مرقوض حاسا الفاعلین "چون از احاطۂ کلیہ عکیم شرعیہ شریفہ عجزو قصارت مقرر است عین الغفور خدآء (کذا) مراہ القدرۃ مشرف دارند ۔ چون بعلم فقر (فقیر) رسید از کارِ سطوح (سطوع بمعنی بلند ہونا) منع نمود و رمز الکلام بتجلّی بمحلۂ آن دنت المشیت (کذا) و آنچہ از شوق ملاقی شفا فی فرمودہ آمد آمد باحسن الجری مستجاب باد ۔"

اور یہ (درج ذیل) خط بھی حضرت کے خاص مُنشآت میں سے ہے جو حضرت نے مذکورہ برخوردار کے جواب میں اپنے ہاتھوں سے اس وقت لکھا تھا جب مولوی میاں عبدالسلام کی نسبت شہراللہ عجمی کی لڑکی سے ٹھہرائی گئی تھی ۔

خط کا جواب:

"صحائف لطائف توسلّ وفاق وصول عرفانی و صفایح روایح مآلس (کذا) ریحانی کہ در اعناق تلطّف وفاق طیور محبّت وفور فضاے عشرت وحضور نشد و انصاف یافتہ بود از اوج مناظر اجلال جاہ و جلال کرامت منوال بفرق فقراء فنای باصفای فقر و فنا نزول فرمودہ بشرائط اخلاص بزانوے تعبّد اختصاص اجلاس نمودہ و شاخ تودد ایلاح بان سفیدار چند بدان کشودند چون

برقایم محبت نسائم آن طومار توحّد شعار آثار فوج نثار دیده اگر دیده جوازب اشواق و اتحاد را استمداد مجدد بحصول پیوست باری کہ مامور بودیم بہ دیده قبول نمودیم و بر وظیفۂ احتیاط و لطیفۂ ارتباط بساط نشاط سعادت خود دانستہ سعی بلیغ خواہد نمود ۔ "السعی مِنّی ولِاتمام علی اللہ" (کوشش میری طرف سے ہے اور اس کی تکمیل اللہ پر ہے)۔

ترجی کہ این مرام بر وجہ دلخواہ خدّام انجام خواہد یافت والدعا ۔ (امید ہے کہ یہ مقصد خادموں کی دلی خواہش کے مطابق انجام پائے گا ۔ والدعا)

۹۱ اوتاد کے اس پیشوا کی عادت تھی کہ آدھی رات کے وقت خانقاہ کی طرف تشریف لے جاتے اور اکثر صوفیا کے حجروں کے دروازے پر کان لگاتے تاکہ ان کا شغل معلوم فرمائیں ۔ جس کسی کو بھی اس وقت سویا ہوا پاتے اسے ڈانٹ ڈپٹ کر جگا دیتے ، بلکہ بعض پیش خدمتوں کو تو عصا اور کفِ پا سے سخت مارتے تاکہ وہ غفلت کی نیند نہ سوئیں؛ اور فرماتے کہ او مُردہ دلو ! تم اپنے اوپر لباس صوفیا کا اور نام طالبِ خدا کا رکھے ہوئے ہو اور اِس وقت خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہو ۔ زہے حرمان ، زہے حیران۔

بیت:

بغفلت می گذاری روزگاری مگر در گور خواہی کرد کاری

(تو غفلت میں وقت گذار رہا ہے ، شاید تو قبر میں کام کرے گا)

اس وقت جس کسی کے مہمان کو اور اسے بیدار پاتے اسے تحسین و آفرین سے مزید رغبت دلاتے ، اور جو کوئی مہمان نیند میں ہوتا اسے نرمی و محبت سے بیدار کرتے اور فرماتے : اے یارو ! اگر تمہاری یہ رات بھی گھر کی رات کی مانند خواب و غفلت میں گذرے تو پھر یہاں (آنے) سے کیا فائدہ حاصل ہوگا ۔ اگر تمہیں ہر شب بیداری اور ذکر کی توفیق میّسر نہیں آتی تو سال میں جو دو ایک راتیں یہاں آتے ہو وہی ذکر و تسبیح میں بسر کر لو کہ آخرت کا توشہ ہی بن جائے ۔ اس حّی لطیف کے لیے جو رات کو نہیں سوتا، موافقت کر اور دل اس کے سپرد کر ۔ ۹۲ محنت کی ہزار راتیں تُو اپنی مرضی کے مطابق سویا، دوست کے لیے محبت کی ہزار راتوں میں ایک رات سے کیا ہوگا۔ محبت کی شرط موافقت ہے ۔ایسے شخص پر تعجب ہے جو حق سبحانہ کی دوستی کا دعویٰ کرے اور

رات آئے تو آنکھوں میں نیند کا کاجل لگالے ۔

شعر:

عجبٌ للحب کیف نیام ۹۳ مشو غافل یک نفس از ذکر دوست

(تعجب ہے محب کے لیے نیند کیونکر (؟) دوست کے ذکر سے ایک لمحہ ھی غافل نہ ہو)

ان لوگوں (اہل خانقاہ) کو جگانے اور انتباہ کے بعد حضرت خود صحرا کی طرف نکل جاتے اور مشغول ہو جاتے۔

روایت ہے کہ دیپالپور کے مضافات کے ایک قریہ میں شیخ عمر نام کا ایک صالح اور نیک فطرت شیخ رہتا تھا۔ وہ رشد و ہدایت کے حصول کی خاطر ہر ہفتے دو تین مرتبہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا ۔ حضرت خود بھی کبھی کبھی اُس کے گھر تشریف لے جاتے ۔ اُس کا بیان ہے کہ تربیتِ سلوک کے آغاز میں چند حق پرست دوستوں کے ساتھ ہم اکثر راتیں خانقاہ میں عبادت میں بسر کرتے ۔ ایک رات میرے ساتھیوں کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ حضرت پیر دستگیر کے پیچھے پیچھے باہر آئیں اور ذرا دیکھیں کہ حضرت کہاں جاتے اور کس طرح شغل کرتے ہیں ۔ چنانچہ ہم اُس مظہرِ نور کے پیچھے دور تک گئے ۔ اچانک ہم دریاے بیاس کے کنارے پہنچے تو دیکھا کہ حضرت جوتوں سمیت پانی پر سے گذر گئے ۔ اِن لوگوں (میرے ساتھیوں) نے سمجھا کہ شاید پانی کم ہے ، لہذا بِلا سوچ سمجھے انہوں نے اس گہرے پانی میں پاؤں ڈال دیے اور نیچے چلے گئے (ڈوبنے لگے) ۔ حضرت نے جب پانی کے اندر ایک جماعت کا اضطراب ملاحظہ کیا تو آواز دی کہ اے عمر باہر نکل آؤ اور چلے جاؤ ۔ یہ دلنواز آواز سُنتے ہی دریا کا پانی مریدوں کے نیچے سراب کی صورت اختیار کر گیا اور یوں ہم سبھی لوگ اس طرح باہر آئے جیسے ہموار زمین پر چل رہے ہوں اور ہم نے کسی قسم کی رطوبت محسوس نہ کی ۔

یارِ مردانِ خدا باش کہ در کشتیِ نوحؑ هست خاکی کہ بآبی نخرد طوفان را ۹۴

(اللہ والوں کا ساتھی بن کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں ایسی خاک ہے جس کے آگے طوفان کی کوئی حیثیت نہیں)

حضرت علیہ الرحمہ والرضوان مشاہدے کے اس لمحے میں عالم بالا (مُراد ذات مطلق) تک رسائی کے عشق اور جذبۂ ذوق کے باعث یہ شعر بار بار پڑھتے :

حجابِ چہرۂ جان می شود غبارِ تنم خوشا دمی کہ ازین چہرہ پردہ بر فگنم ۹۵

(میرے جسم کا غبار میری روح کے چہرے کا پردہ بن جاتا ہے ۔ وہ لمحہ مبارک ہوگا جب میں اس چہرے سے حجاب اٹھا دوں گا)

حضرت تمام طالبوں کو اِن تسبیحوں کی باقاعدگی اور پابندی کی ترغیب و تحریض فرماتے ۔ یہ تسبیحیں خود حضرت کی اپنی تصنیف کردہ ہیں ۔ یہ کہ انہیں آدھی رات کے وقت بلند آواز سے پڑھو ، اس لیے کہ فرح بخشی اور زنگ دور کرنے میں یہ عجیب اثر اور انوکھے فیض کی حامل ہیں ۔ حضرت خود بھی لحنِ ارجمند میں پڑھتے ۔

تسبیحات :

جَلّ قدر اللہ حیّی لایزالی (اللہ کی ، جو حیّ و لایزال ہے ، قدر بلند ہے)

جلّ وقراللہ حیّ ذوالجلالی (اللہ ، صاحبِ جلال اور پائندہ کا وقار بلند ہے)

جَلّ کبیر اللہ حیّ لا وبالی (وبال (؟) سے پاک اور پائندہ خدا کی بڑائی عظمت والی ہے)

جَلّ امر اللہ حیّ ذوالکمالی (صاحبِ کمال پائندہ خدا کا حکم بلند ہے)

اِن کے علاوہ اَور بھی بہت سی عمدہ تسبیحیں حضرت کی تصنیف کردہ ہیں ۔ انشاءاللہ تعالیٰ تمام جمع کرکے اس کتاب کے آخر میں درج کر دی جائیں گی۔

مہمانوں اور مسکینوں کو کھانا کھلاتے وقت حضرت دستر خوان خود بچھاتے اور ہر کسی کو اس کی کفایت کے مطابق کھانا دیتے۔ چنانچہ ہر فرد کو دو "نیم آثاری" روٹیاں دیتے اور ایک قاب نانِ خورش (سالن) دو آدمیوں کے سامنے رکھتے ۔ ایک روز حضرت نے دستر خوان پر موجود لوگوں میں ایک شخص کو تنہا کھانا کھاتے دیکھا ۔ کوئی بھی اس کے ساتھ شامل نہ تھا ۔ حضرت نے پوچھا : یہ شخص کون ہے اور اس کا نام کیا ہے ؟ انہیں بتایا گیا کہ اس کا نام عبداللہ اور اس کا تعلق گویّوں کی جماعت سے ہے ۔ حضرت نے فرمایا: اے عبداللہ! یہ لوگ تیرے ساتھ مِل کر کھانے کو اچھا سمجھتے ہیں ، تو اپنی قاب اُٹھا اور میرے پاس لا تاکہ ہم مل کر کھائیں ۔ یا تو یہ (صورت حال) تھی کہ مجلس میں کبھی کوئی چیز دہن مبارک میں نہ ڈالی تھی (یا پھر) ایک لُقمہ اُس کے سامنے سے اٹھایا اور کھالیا ۹۶ اور اِس طرح اس کی قدر و منزلت میں اضافہ کیا ۔ اعیان و اشراف نے یہ منظر دیکھا تو اس کھانے کا ذرّہ ذرّہ تبرک کے طور پر عبداللہ کے آگے سے لے اُڑے اور پوری عقیدت کے ساتھ اس کے ہاتھ چومنے لگے ۔ حضرت کی اِس ہم طبقی (مل کر کھانے) کے باعث عبداللہ عبادت و تلاوت اور اچھی معیشت میں زمانے کے اکابر کا

محسود بن گیا ۔

اواخرِ ایام میں حضرت کے خاص کھانے کا یہ طریقہ تھا کہ ایک "آثارِ اکبری" کے وزن کے برابر ، گندم کی چار روٹیاں خمیر کرکے پکائی جاتیں ، پھر انہیں دیسی گھی لگا کر مٹی کی الگنی میں پیش کیا جاتا ۔ اِن میں سے ایک حاضرین کو عطا کر دیتے ، دو روٹیاں اصحاب کو بھجوا دیتے اور چوتھی کا ایک حصہ بلّی کے آگے ڈال دیتے ۔ تین حصّے خربوزے کے موسم میں دو تین میٹھی پھانکوں کے ساتھ کھا لیتے، وگرنہ گوشت کے شوربے میں ڈبو کر اور نرم کرکے تناول فرماتے ۔ روزوں کے دنوں میں نماز عشا کے بعد اور باقی ایام میں قیلولہ سے کچھ دیر پہلے کھانا کھاتے ۔ نقد و جنس وغیرہ جو کچھ بھی نذر نیاز کے طور پر آتا متولی کے سپرد کر دیا جاتا تاکہ وہ مطبخ اور یتیموں مسکینوں کی ضروریات پر خرچ کرے ۔ جمعہ کے دن خود دولتخانہ آتے اور وہاں جو کچھ بھی نقدی ، جنس اور کپڑا وغیرہ ہوتا اسے لوٹ لینے کا حکم دیتے اور کوئی چیز بھی پیچھے نہ رہنے دیتے ، حتیٰ کہ خراس (چکی) کا بیل بھی ذبح کرکے فقرا میں بانٹ دیتے ۔ ایک روز اصحاب میں سے کسی نے عرض کیا کہ جو کچھ بھی اس دولت خانے میں ہے سب خدا کے فقیروں کے خرچ کی خاطر ہے ، جمع جوڑ کرنے اور چھپانے کے لیے نہیں ہے ۔ خاص طور پر خراس کا بیل کہ اس کی بہت سی مشقت کے بعد آٹا پیسا جاتا اور فقرا کے کام آتا ہے ۔ اس طرح ہر ہفتے دولت لٹانے اور خراس کا بیل ذبح کرنے میں کوئی حکمت ہوگی جو ہم ناقصوں کی سمجھ سے باہر ہے ۔ حضرت نے فرمایا : اے عزیز! میرا مشرب صرف وحدت اور محض تجرّد ہے اور یہ چیزیں بناوٹ اور دکان داری کی غمّاز ہیں ۔ اگر انہیں ہر روز درہم برہم نہ کروں تو یقیناً ہفتے میں ایک مرتبہ تو ان تمام کو لُٹاؤں گا تاکہ اِس طرح دل کو آسودہ و فارغ کرلوں۔

اگر کبھی متولّی موجود نہ ہوتا اور دولتخانے کی چابی ہاتھ نہ لگتی تو قفل ساز کو بلا کر تڑوا دیتے اور تمام نقد و جنس حتیٰ کہ جڑی بوٹیاں اور دوائیں تک لٹا دیتے ۔ ایک قطعہ زمین خرید کر اس میں دو چرخیوں والا کنواں بنا دیا تھا جہاں سے مجاور اور مسافر پانی پیتے اور اس (کنوئیں) سے متعلق زمین کو پورے اہتمام سے کاشت کرتے ۔ کسانوں کو ہل چلانے اور بیج بونے کے طریقے خود سکھاتے اور کاشت کرنے ، فصل کاٹنے اور فصل اٹھانے کے مواقع پر حضرت ہر صورت خود موجود ہوتے اور وہاں جس قدر غلّہ پیدا ہوتا وہ سب کا سب مستحقین ، عزیزوں اور سفید پوش عیال داروں میں تقسیم کر دیتے ۔

اس میں سے کبھی ایک دانہ بھی خانقاہ ، گھر اور لنگر میں نہ بھیجتے۔ کارموتۂ ۹۷ (کذا) کے بونے کے موسم میں حضرت خود جنگل کی طرف تشریف لے جاتے اور لوگوں کو زراعت کے پیشے کی طرف رغبت دلاتے ۔ فرماتے کہ یہ کسبِ حلال ہے اور بہت ثواب اور شرف کا حامل ہے ۔ متولیوں میں سے حاجی فتاح نامی ایک سربان تھا جو دو چرخی والے کنوئیں سے بھی زراعت کرتا اور سیلابی اور بارانی فصلوں کی طرف بھی توجہ دیتا، اور مرمت کرتا ۔ ایک موقع پر اس کے پاس چونتیس عمدہ بیل جمع ہو گئے ۔ ایک دن ایک چرواہا انہیں لے کر صحرا کی طرف چرانے کے لیے لے جارہا تھا ۔ حضرت اس وقت چوبارے میں بیٹھے ہوئے تھے ۔ انہوں نے دیکھا کہ بڑے موٹے تازہ بیلوں کا گلہ ہے ۔ پوچھا کہ یہ بیل کس کے ہیں؟ ۔ چرواہے نے عرض کیا کہ اس "دو چرخۂ خاصہ" (دو چرخی کنوئیں سے متعلق خاص زمین) سے متعلق ہیں ۔ حضرت نے اسے فرمایا کہ انہیں روکو اور پھر حکم دیا کہ انہیں لُٹا دو۔ پلک جھپکتے ہی چونتیس کے چونتیس بیل لُوٹ لیے گئے حتیٰ کہ رہٹ کے لیے بھی ایک نہ بچا ۔ چرواہا فقیر تھا ، لیکن سادہ لوح ۔ ایک طرف کونے میں جاکر بیٹھ گیا اور دردِ دل کے ساتھ رونے لگا اور کہتا جاتا : یا رب میں کیا کروں گا اور کیا چَراؤں گا ۔ جب حضرت اندر تشریف لے گئے تو اس کے رونے کی آواز سُن کر پوچھنے لگے کہ یہ کون ہے؟ عرض کیا گیا کہ یہ وہی فقیر ہے جو بیلوں کو بڑی محبت سے چَراتا تھا ۔ تبسم کرتے ہوئے فرمایا : دل بستگی کا نتیجہ آخر رونا ہی ہے ۔ جب یہ خبر قرب و جوار کے مریدوں تک پہنچی تو سبھی بیل لے کر آستانے کی طرف دوڑے کہ زراعت متاثر نہ ہو ۔ سب سے پہلے عبدالغنی کھیلن اور جلال بصیر پوری آٹھ بڑے اور بہت قیمتی بیل لائے ؛ ان کے بعد دوسرے لوگ ، یہاں تک کہ دوسرے دن پہلے سے بھی (جتنی پہلی تعداد تھی) زیادہ بیل جمع ہو گئے ۔ حضرت نے فرمایا: یہ بیل اسی کم ہمت فقیر کے حوال کر دو کہ اس نے بے طاقتی کا مظاہرہ کیا ۔ اسے یہ علم نہیں کہ دنیا کی غلاظت جس قدر بھی دور کی جائے اتنی ہی جمع ہوتی ہے اور اِس جہان کی دولت کا بیج اور اُس عالمِ جاودانی کی سعادت کا سرمایہ یہی ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کیا جائے ۔

بیت:

خاک را تحملی دہی کہ باش   تا یکی ارادت دہد کہ پاداش (کذا)

گر بنزد تو خاکِ ما کرم است   آنکہ خاک آفرید ازو چہ کم است ۹۸
(خاک کو تحمل دے کہ ٹھہر، تاکہ ایک ارادت دے اورپاداش ؟ اگر تیرے نزدیک ہماری خاک کرم (گرم ؟) ہے تو جس نے خاک پیدا کی ہے اُس سے کیا کم ہے)

بندگی سیّد رحمت اللہ اگرچہ حضرت کے بڑے بھائی بلکہ باپ کی جگہ تھے، لیکن تمام امور میں حضرت کی مبارک مرضی پر چلتے اور حضرت کی اجازت و رخصت کے بغیر ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالتے ۔ ایک موقع پر وہ (رحمت اللہ) اُس عارف ذوالجلال کے ماموں زاد اور سالے محمد اسحاق سے، جس پر حضرت اکثر کرم و شفقت فرمایا کرتے تھے، کہنے لگے : حضرت کے کچھ اس طرح گوش گذار کر، اور اِس طرح کہہ کہ ہماری اور شیخ یوسف کی آل اولاد کا حلقہ روز بروز وسیع تر ہو رہا ہے ۔ بعض دہقان قطعاتِ زمین بیچ رہے ہیں اور ہم حضرت کی اجازت کے بغیر خرید نہیں سکتے ۔ اگر حکم ہو تو خرید لیں اور اسے چاہی (کنوئیں سے کھیتی کرنا) کر لیں کہ اِس طرح اپنی زمین سے ہمارے فرزندوں کے لیے سبزی ترکاری میّسر آنے لگے ۔ محمد اسحاق اکثر اس صاحب اخلاق کے "دولت وفاق" وثاق (گھر) میں آیا جایا کرتا اور ان کی تعظیم میں اشتیاق کا اظہار کرتا ۔ ایک روز اُس نے عرفان کے سرابُستان (گھر کا باغ) کے اُس سرو اور لطف و احسان کے چمنستان کے اُس عرعر (چیڑ کا درخت) کو کُھلے تبسم پر مایل اور گُل فشاں پایا ۔ چنانچہ (ان کے سامنے) اس رازِ نہاں کی ڈبیا کا منہ کھول دیا ۔ حضرت یہ سُنتے ہی اسی تبسم اور شگفتگی کے عالم میں چِیں بجبیں ہوئے اور نہایت مکدّر طبع ہو کر اعتراض کرتے رہے اور طیش میں آنے کی کوشش کی، کئی گل خنداں (کذا) ۹۹

مصرع:

کہ رسم خندہ رفت از یادِ لعلِ نوش خندش را

(کہ اس کے نوش خند یعنی شہد ایسی میٹھی ہنسی والے ہونٹوں کو ہنسنے کی رسم ہی بھول گئی)

فرمانے لگے کہ سچ سچ بتا، یہ بات تجھے کِس نے سکھائی ہے ۔ وہ بولا: میں خود ہی التماس کر رہا ہوں کسی دوسرے نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ فرمایا: نہیں تو ناخواندہ اور سادہ لوح ہے اور یہ باتیں ایک ایسا نوالہ ہیں جو تجھ سے دانا تر کسی شخص نے بڑا سجا بنا کر تیرے منہ میں ڈالا ہے ۔ تیرے سر پر اور اس پر خاک جو اس سلسلے کا محرکّ بنا ہے ۔

جس کسی نے ملک و زمین پر حرص کی نظریں جمائی اور دانت گاڑے ہیں وہ میرے روکنے اور ڈانٹ ڈپٹ پر بھی اس سے باز نہ آئے گا ۔ سو تم خرید لو اور جو جی میں آئے کرو ۔ کام تو یہ ہے کہ جو کچھ تمہاری ملکیت میں ہے اس سے یکسر ہاتھ اٹھا لو اور مجرّد ہو جاؤ ، نہ یہ کہ زمینداری اور خاک ۱۰۰ ساری میں ڈوب جاؤ ۔

قطعہ:

در ین رصد (کذا) خاکی چہ خاک می بیزی　　نہ کود کی نہ مقامر ز خاک جست ترا

بتلخ و ترش رضا دہ بخوان گیتی بر　　کہ بیشتر خوری ار بیشتر خوری حلوا

(اِس خاکی ۱۰۱ رصد (کذا) میں تو کیا خاک چھان رہا ہے ۔ نہ تو کسی بچے نے نہ جواری نے تجھے خاک سے ڈھونڈا ہے

زمانے کے دسترخوان پر تلخ و ترش پر راضی رہ کیونکہ اگر تو زیادہ حلوا کھائے گا تو زیادہ کھائے گا)

اور اگر کبھی حضرت اچانک کسی عُذر سے یا کسی ارادے سے اندر جاتے اور نذر نیاز آجاتی تو اسے مسواک کی لکڑی یا عصا سے الگ الگ کر کے ہر مستحق کو دے دیتے ، دست مبارک سے اُسے قطعاً نہ چھوتے ۔ اگر سو اشرفی یا ہزار روپیہ اور تنکہ نذر کے طور پر پہنچتا تو اس میں سے کبھی ایک تنکہ بھی اپنے بال بچوں کو نہ دیتے ۔ تمام کی تمام رقم مستحقینِ صلہ رحم اور رہ نشین مساکین میں بانٹ دیتے ، یا پھر لنگر کے متولّی کے پاس بھیج دیتے تاکہ وہ اسے باورچی خانے کے مصرف میں لے آئے ۔ مدت العمر میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یہ نقدی وغیرہ اپنے فرزندوں (اولاد) کے ہاتھ میں دی ہو، ہاں جب کوئی پھل یا تازہ میوہ (نئی چیز) وغیرہ آیا تو وہ اولاد کو بھی دیتے تھے ۔ تاہم جو صاحبانِ اخلاص اِس طریقے سے واقف ہو گئے تھے وہ حضرت کی اولاد کے لیے بھی کوئی نہ کوئی چیز پوشیدہ اور مخفی طور پر بھیج دیتے تاکہ تنگی و عُسرت سے دوچار نہ ہوں ۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ بیمار پڑ گئے اور باہر نکلنے کی ہمت نہ رہی ۔ قصبۂ بصیرپور اور چندور کے قریے سے چند مرید زیارت کے ارادے سے حاضر ہوئے ۔ انہوں نے کچھ رقم کی نذر خادمہ کے ہاتھ اندر بھجوا دی ۔ ان میں سے کچھ عورتیں تھیں جنہوں نے اندر جا کر حضرت کی زیارت کی ۔ انہوں نے چند مرادی تنکے (سکّے) نیاز کے طور پر عابدۂ عارفہ

یعنی حضرت بی بی رافعہ کے سامنے بھی رکھ دیے ۔ نذروں کی وہ رقوم جو حضرت کی خدمت میں پیش کی گئی تھیں وہ حضرت نے مُلا پنہان (؟) کے سپرد کر دیں کہ لنگر کے متولّی کو پہنچا دے تاکہ وہ کھانا پکا کر مستحقین کو دے دے۔ حضرت بی بی نے مُلا پہنان (پنھان) سے آہستہ سے کہا کہ لنگر سے چند روٹیاں اِن عورتوں کو بھی دلا دینا ۔ حضرت نے سُن لیا اور فرمایا : بی بی اِن عورتوں نے تجھے کیا دیا ہے ۔ انہوں نے عرض کیا کہ سات تنکے ۔ اس پر حضرت نے فرمایا: تعجب ہے کہ وہ تنکے تو تم اپنے پاس رکھ رہی ہو اور فرمایش لنگر کی کر رہی ہو، کیا اس لنگر کو باپ کی مِلک سمجھا اور اسے اپنا مال قیاس کیا ہے ۔ یہ لنگر تو غوث اعظم کا ہے جو انہوں نے اس شرط پر میرے حوالے فرمایا ہے کہ جو بھی نذر نیاز آئے وہ فقیروں اور مستحقین میں بانٹ دوں نہ یہ کہ تمہاری مرضی کے مطابق خرچ کروں ۔ مجھ پر اور تم پر صرف اسی قدر جائز اور حلال ہے کہ تن ڈھانپ سکیں اور زندہ رہنے کے لیے کچھ کھا کر طاعت و عبادت میں مشغول ہوں ۔ حضرت بی بی اِس عتاب سے بہت ڈر گئیں اور انہوں نے وہ رقم لنگر میں بھجوا دی ۔ بعد میں انہوں (بی بی) نے یہ طے کر لیا کہ جب بھی کوئی نقدی (بطور نذر) ملے گی اسے اسی وقت لنگر میں بھجوا دیں گی ۔

روایت ہے کہ ایک روز حضرت علیعلیہ الرحمہ والرضوان نے حضرت بی بی سے فرمایا کہ آج رات مَیں نے عبادت میں لذّت نہیں پائی اور کماحقہٗ حضوری اور جمعیت میّسر نہیں آئی ۔ نہیں معلوم اس کا سبب کیا ہے ، ممکن ہے اِس حُجرے میں دنیا کی کوئی متاع (دولت وغیرہ) پڑی ہو ۔ جب تحقیق کی گئی اور مصلّے کو جھاڑا گیا تو ایک تنکہ مُرادی ملا جو تقسیم کرتے وقت کہیں چُھپا رہ گیا تھا۔ حضرت کو وہ سکّہ دکھایا گیا ۔ فرمانے لگے کہ رات اِس کی شامت سے میں "صفاے وقت" سے محروم رہا ہوں ، یا یہ کہ اپنے علم اور ذہن میں یہ نہ تھا ، لیکن (پھر بھی) اس کی نحوست کی تاثیر اِس قدر سرایت کر گئی۔

روایت ہے کہ قُدسی صفات بیٹیوں کی شادی میں اہل دنیا کی رسموں کے خیال رکھنے اور سونے چاندی جواہر وغیرہ کو قطعاً جائز نہیں سمجھتے تھے ۔ حضرت نے اپنی تینوں بلند اختر بیٹیاں اپنے تینوں بھتیجوں سے بیاہیں ۔ جب حضرت بی بی عصمت خاتون کی شادی حضرت شاہ ابوالمعالی سے ہونے والی تھی تو بی بی رافعہ نے عرض کیا کہ اگر سونے کے بُندے کا حکم فرمائیں تو بہتر ہو گا کیونکہ آج کل قرب و جوار کے اکثر اشراف

بیٹیوں کو سونے کے بُندے دیتے ہیں ۔ فرمانے لگے "تم فرعون اور شدّاد کی پیروی کرتی ہو، تمہیں علم نہیں کہ حضرت بی بی زہرا رضی اللہ عنہا کو کیا جہیز اور زیور ملا تھا ۔" سید حسین خاں ولد میر سید علی بصیر کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت بی بی کے لیے بُندا جائز جانا۔

حضرت دین دار دوستوں اور قرب و جوار کے اشراف واعیان کے جنازے میں ضرور شریک ہوتے اور اکثر وضیع و شریف لوگوں کے فاتحہ ، تسلّی اور تعزیت کے لیے دور دراز کی مسافت طے کر کے پہنچتے ، جب کہ اس کے برعکس عرسوں وغیرہ کے معرکوں میں قطعاً حاضر نہ ہوتے کہ ان میں بدعتی لوگوں سے سابقہ پڑتا تھا اور غیر شرعی مراسم دیکھنے میں آتے تھے ۔

روایت ہے کہ جس روز میر سید علی بصیر کی وفات کی خبر سُنی تو حضرت کی آنکھوں میں آنسو آگئے ۔ حضرت نے آہ بھری اور بہت ہی متاثر ہوئے ۔ اصحاب میں سے کسی نے کہا کہ ایسے دشمن کا مرنا تو شُکر و سپاس کا مقام ہے نہ شکایت و افسوس کا ۔ حضرت نے فرمایا ، خدا تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے ، ہمیشہ غم کھاتا اور ہمیشہ غمخواری کے مراسم بجا لاتا تھا ۔ پھر حضرت نے یہ دوہڑا پڑھا :

دوہڑا:

اللہ درجن نامرن جن مھنجی نات (کذا)　　　اساں دہانیں سُکھ ساں انا دکھ وہانیں رات (کذا)

یہ دو شعر اس دوہڑے کے مضمون کے نزدیک ہیں:

جانِ حاسد ز رنج و غم فرسود　　　از غم آسود خاطرِ محسود

(حاسد کی جان رنج و غم سے پِس گئی لیکن محسود [جس سے حسد کیا گیا] کا دل غم سے محفوظ رہا)

دایما از طبیعتِ فاسِد　　　برخدا معترض بود حاسد

(اپنی فاسد طبیعت کی وجہ سے حاسد ہمیشہ خدا پر اعتراض کرتا رہتا ہے)

حضرت اسی وقت اٹھے اور میر سید علی کے جنازے میں شریک ہوئے ۔ اس کے دفن ہونے کے بعد حضرت دیر تک اس کی قبر کے سرہانے تنہا بیٹھے رہے اور استغفار اور دعا میں مشغول رہے ۔ جب حضرت اِس حالت سے فارغ ہوئے تو شیخ عبدالوہاب نے پوچھا

کہ یا حضرت کافی دیر تک بیٹھنے اور آہستہ آہستہ بات کرنے میں (کیا راز) تھا ۔ فرمایا کہ میر مجھے ایذا پہنچانے اور میری دشمنی کے نتیجے میں پکڑا گیا تھا ۔ فرشتوں نے اس سے سب سے پہلے جو سوال کیا یہ تھا کہ تو نے درویش داؤد کو کیوں تکلیف پہنچائی اور کیوں آزار پہنچاتا رہا۔ مَیں (حضرت) نے اسے چھوڑ اور اس وبال اور جنجال سے بری الذمہ کر دیا۔

بیت:

صد صفت کرم زان کین زیانہا یکی است (کذا) کز جوانمردی بدشمن مہربان می سازدم

(۰۰۰ کہ جوانمردی سے مجھے دشمن پر مہربان کر رہا تھا)

قطعہ:

ای دل اگر از غبارِ تن پاک شوی تو روح مجردی برافلاک شوی

عرش است نشیمنِ تو ، شرمت ناید کائی و مقیمِ خطِ خاک شوی

(اے دل اگر تو تن کے غبار سے پاک ہو جائے تو تُو مجرّد روح ہے ، افلاک پر پہنچ جائے گا

تیرا ٹھکانا عرش ہے ، تجھے شرم نہیں آتی کہ تو آتا ہے اور خاک کے خطے میں مقیم ہو جاتا ہے)

"خلقت العالم لاجلک و خلقتک لاجلی ۱۰۲" کی نسیمِ تکریم جو حریمِ تعظیم سے ابن آدم پر چلتی اور نکتہ دان سعادت مندوں کے مشامِ جان (روح کے دماغ) کو مرحمتوں اور نوازشوں کی خوشبوئیں پہنچاتی ہے ، ازاں جُملہ یہ کہ نفسِ انسان کی منزلت کا پایہ؛

بیت:

آنکہ نص کلامِ حق گویاست کہ جہانرا برا‌ے او آراست

وآنکہ تن جامۂ خلافتِ حق جُز بیالای او نیامد راست

(یہ کہ کلامِ حق کی روشن آیت بتاتی ہے کہ اس دنیا کو اُس یعنی ابنِ آدم کے لیے سجایا گیا ہے

اور یہ کہ خلافتِ حق کا لباس اس کے قد یعنی جسم کے سوا اور کسی پر ٹھیک نہیں آتا)

اِس سے کہیں بلند ہے کہ اس کے تصرّف و ترفّع (ناز ، بلندی ڈھونڈنا) کا مقام اور

آسایش و تمتع کی منزل یہی سرائے فانی اور عالمِ جسمانی کی تنگنا (تنگ جگہ) ہو اور بس۔

بیت:

بخاکدانِ جہان دل منہِ کہ جایِ دگر   برای مسکنِ تو برکشیده اند قُصور
(دنیا کے خاکدان سے دل نہ لگا کیونکہ کسی اَور جگہ تیرے مسکن کے لیے محل کھڑے کیے گئے ہیں)

اس لیے کہ اِس دنیا کی حیثیت ایک دشت زار کی سی ہے کہ دہقان اس میں تھوڑی ہی مدت میں شغلِ زراعت اپنائے اور اس کی فصل ذخیرہ ہو کر کافی مدت تک اُس کے کام آئے ۔ یہی وجہ ہے کہ حکیم علیم کی خلافت کی قدرتِ کاملہ کے مہندّس (ہندسہ دان ، انجینیر) اور "لَقَد خَلَقنا الِانسَان فی احسنِ تقویم ۱۰۳" کی صنعت کے معمار نے انسان کی ہیئت کو کچھ اس طرح بنایا سنوارا ہے کہ اُس مصرِ جامع ۱۰۴ سے صنایع بدایع کے ہر جانب وسیع و عریض راستوں کی اصل کھول دی ہے اور ان راستوں میں سے ہر ایک راستے سے اُس آفرید گار کے علم و قدرت کے اخبار و آثار کے قافلوں کے مخصوص گروہ اُس خطۂ بدیع آئین (انوکھے دستور والے خطّے) کی طرف آتے اور اس ولایت کے والی کے محلّ وقوف تک پہنچتے ہیں تاکہ اس حیرت و شعور سے عالم اور اہل عالم کے آفرید گار اور پروردگار کی ہستی اور یکانگی (توحید و وحدت) کے بارے میں آگاہی پائیں اور ان عجائب و غرائب سے متعلق ، جو مبدعات و مخلوقات ۱۰۵ کے ضمن میں مندرج ہیں ، تفکّر و تدبیر سے اس سُبحانہٗ تعالیٰ کے اسما و صفات کی آگاہی اور معرفتِ صنایع پر فائز ہو کر بندگی اور پرستش کے فرائض انجام دیں اور یوں اس کی بے اندازہ نعمتوں میں سے چند کا ، جو اُس (اُن ؟) پر کرامت ہوئی ہیں ، شکر و سپاس بجالائے ۱۰۶ (لائیں)

قطعہ:

سمع و بصر حیات و حس و ادراک   شد تعبیہ در نہاد مُشتی خاک
(زندگی کی سمع اور بصر نیز حِس اور ادراک اس مُٹھی بھر خاک یعنی انسان کی فطرت میں چھپا دی گئی)

تاکہ وہ اُپنے اندر جھانکے اور حضرت ایزدِ پاک کی صفات کے رازوں کو پالے ۔ پھر معرفت کی سعادت حاصل ہونے کے بعد ، کہ آلودہ خاکی پیکر کے ساتھ اُس صفا و پاکی سے جوہری

تعلق ۱۰۷ ہی اس (معرفت) کا مقصد ہے ، جسم و جسمانی نبات کی طرف متوجہ ہو اور اس کے آئندہ کو اعراض ۱۰۸ کے پس پشت ڈال کر "فَبَصُرکَ الیوم حَدِیْد" ۱۰۹ (سو آج تو تیری نگاہ بڑی تیز ہے) کی منظروں سے ایک دم عالمِ ملکوت کے نظارے اور اس حَیّ لایموت (وہ زندہ جسے موت نہیں ہے یعنی خدا) کے جمال و جلال کے مشاہدے میں محو ہو جائے اور "عند ملیک مقتدر" ۱۱۰ کی راستی کی بیٹھنے کی جگہ میں ہمیشہ کے لیے اُنس کی لذتوں اور وصال کی نعمتوں سے بہرہ ور اور بشارت یافتہ ہو۔

بیت:

عارفان را بجنّت و ملکوت　　نبود جُز جمالِ رحمان قُوت

(جنّت اورعالمِ ملکوت میں عارفوں کے لیے جمالِ رحمان کے سوا اور کوئی خوراک نہ ہوگی)

اِسی بنا پر حضرت (داؤد) کی روح اقدس کا پرندہ باغ ملکوت کی فضا کی ہوا (خواہش) میں اور عالمِ لاہوت کے رفیقِ اعلیٰ سے ملاپ کے شوق میں ہمیشہ زنجیر توڑنے اور قفس شکنی میں لگا رہتا تھا۔

بیت:

کی باشد ازین قفس پروازم　　درباغ الٰہی آشیان سازم

(اِس یعنی دنیا کے قفس سے میری پرواز کب ہوگی تاکہ میں باغ الٰہی میں آشیانہ بناؤں)

اور جیسا کہ کچھ پہلے اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے ، رات کے آخری نصف حصے میں حافظ کا یہ شعر بار بار پڑھ کر اپنے خاطرِ محبت آگیں (محبت بھرے دل) کی تسکین اور رب العالمین کے مشتاق دل کی تسلّی کا سامان کرتے۔

بیت:

حجابِ چہرۂ جان میشود غبار تنم　　خوشا دمی کہ ازین چہرہ پردہ بر فگنم ۱۱۱

(میرے جسم کا غبار روح کے چہرے کا حجاب ہے ۔ وہ لمحہ مبارک ہوگا جب میں اس چہرے سے یہ پردہ ہٹادوں گا)

دل اس گفتار کی راستی کے مطابق اور اس پُر ملال منزل سے رحلت کے کمال شوق میں لازوال وصال کے آبِ زلال (میٹھا اور شفاف پانی) کا پیاسا ہے ، اور بس ۔ جب فرخ فال (مبارک فال والی) عمر باسٹھ برس کو پہنچی تو مقامِ وصول میں نزول وحلول (اترنے)

اور حصولِ مامول (آرزو کے حصول) کا وقت قریب تر آگیا ۔ فطری شوق کی وہ آگ اور حقیقی اشتیاق کی تپش ہر ہر لحظہ بڑھتی ہی چلی گئی اور زبانِ حال اس مقال پر نغمہ ریز ہو گئی:

قطعہ:

خوش خبر باش ای نسیمِ شمال   کہ بما میرسد زمانِ وصال
ما بسلمٰی و مَن ذیِ سلمٰی   لین خبر اِتنا و کیف الحال ۱۱۲

(اے نسیم شمال ! اچھی خبر والی بَن کہ وصال کا زمانہ ہم تک پہنچ رہا ہے ۔ سلمٰی کو کیا ہے اور ذی سلم [سلمٰی ایک محبوبہ کا نام اور ذی سلم جگہ کا نام] میں کون ہے ۔ ہمارے پڑوسی کہاں ہیں اور ان کا کیا حال ہے)

اِس سال موسم خزاں میں جب حبیب کی طرف جیب کے وصل کے گلشن سے وصال کی نکہتِ شمال بدن کو چُھوئی اور "اَرجعی اِلیٰ رَبکَ راضیتہ مرضیہ" ۱۱۳ (اپنے پروردگار کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اُس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش) کی مقدس وحدت سرائے سے وصلِ جاوید کی نوید گوشِ ہوش تک پہنچی تو کھانے کی خواہش اور آرام کی آرزو اس قُدسی طبیعت سے اس طرح مُطلقاً محو و فراموش ہو گئی جس طرح عروسی کے عیش کے وقتِ قُرب اور دولہا بننے کی لذتِ عشرت کے تصور سے ہو جاتی ہے ۔ اسی طرح فطری محبت کی انتہائی حرارت میں بھی آہستہ آہستہ کمی کبھی کبھی ظاہر ہونے لگی ۔ اکثر کھانسی کا غلبہ ہو جاتا ۔ بعض اوقات چوبارے کی طرف خود چل کر آتے اور کبھی پالکی میں سوار ہو جاتے اور طالبین پالکی کندھوں پر اٹھا کر لے آتے تاکہ اہلِ جہان حضرت کی فیض نثار گفتار اور دیدار سے بہرہ ور ہوں ، کیونکہ لوگوں کی کثرت ہجوم شہر میں نہ سماتی تھی ۔ ایک سال تک صورت حال اسی طرح رہی ۔ جب عمر تریسٹھ برس کی ہوئی اور ضعف و بے طاقتی کا غلبہ ہوگیا تو چرخی کے ذریعے چوبارہ تک پہنچتے اور کچھ دیر تک دولت خانے کے دروازے کے باہر بیٹھتے اور لوگوں کو تلقین فرماتے۔ جب وصال کا وقت قریب پہنچا تو ایک روز پالکی میں بیٹھے اور اصحاب واحباب سے فرمانے لگے : آؤ چوبارے سے لَوٹ کر آئیں ۔ جب حضرت اس کے اوپر آئے تو پہلے چبوترے پر مشرقی جانب عصا کے سہارے کھڑے ہوئے اور لاہور کی جانب نظر کرکے ایک آہ بھری اور پھر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور یہ دُہڑا ان کی زبان پر جاری ہوگیا :

دوہڑا:

اکو بندی بہی و تھنیا ابتھو بندی بہی دتہ تے
تر بحلین جان کھنو کھنو دہرتہ پیتہ

پھر مغرب کی جانب آکر کھڑے ہو گئے اور ملتان کے راستے کی طرف نگاہ کرکے آہ بھری اور آنسو بہاتے ہوئے یہ دوہڑا پڑھا:

دوہڑا:

سی ترورے تہالیان سی ترنجن سی میل سہنس تھے کہانیاں بالین کھیل

جب اس دوہڑے کے مضمون سے اصحاب و احباب کے دماغ تک بُوے فراق پہنچی تو سبھی قلق و اضطراب کے گرداب میں ڈوب گئےاور دیدۂ حیرت سے آبِ حسرت بہانے لگے ۔ ان لوگوں نے جان اور زندگانیِ جہان سے یکدم دل اٹھا لیا اور اِس بہت بڑے گروہ کے بے طاقتانہ نوحوں اور بے دلانہ نالوں سے عظیم غوغا برپا ہوااور عجیب صورت حال رونما ہو گئی ۔

بیت:

آہ ازین منزل کہ درپیش است کہ گذر گاہِ شاہ و درویش است
(آہ ہے اس منزل سے ، جو درپیش ہے اور جو شاہ اور درویش کی گذر گاہ ہے)

روایت ہے کہ جب حضرت پر مرض کے غلبے اور ضعف و ناتوانی کی شدت کی خبر قرب و جوار کے لوگوں میں پھیلی تو ہر دیار سے بیشمار لوگ عیادت کے لیے آنے لگے ۔ ایک روز شرفا کی چند مستورات حضرت بی بی رافعہ کی خدمت میں جمع ہوئیں اور اس کعبۂ آمال (آرزوؤں کے کعبے) کے رنج و ملال کے بارے میں استفسار کرنے لگیں ۔ بیماری کی حالت بتاتے ہوئے اس عارفہ پر رقتِ قلب اور شکستگی طاری ہو گئی ۔ درد سے پُردل اور دیدۂ اشک آلود کے ساتھ فرمانے لگیں کہ اس علاقے میں ہمارا کوئی عزیز و اقارب نہیں۔ عبداللہ ابھی کمسن ہے اور ابوالمعالی اور حبیب محمد آزاد اور لاابالی قسم کے ہیں ۔ رہ سہ کے اِن پیرِ دستگیر اور نامُرادیوں کے غمخوار کی ایک ذات تھی ؛ سو تقدیر اُن کے اِس طرح گریبان گیر ہوئی ہے کہ زندگی کی امید قطع ہو چکی ہے ۔ ہم بیچاروں کی بدبختی کہ ہم اس قسم کی غربت (بے وطنی) اور مصیبت میں گرفتار ہو گئے ۔ حضرت

نے حجرے کے اندر ان کی یہ بات سُن لی ۔ بلند آواز میں فرمانے لگے : بی بی تم خدا کو یاد کرو اور بے ہمتی اور بزدلی نہ دکھاؤ کہ یہ پیِر (بوڑھا ، بزرگ) وفات کے بعد تمہاری غمخواری اور خبرداری زندگی کے زمانے سے بھی زیادہ کرے گا۔ پھر مُلتانی زبان میں فرمایا کہ : یہ پیِر زندگی میں لکھ (لاکھ) تھا تو مرنے کے بعد سوا لکھ (سوالکھ) ہوگا اور ہمیشہ تمہارے احوال کی نگہبانی کرتا رہے گا ، بلکہ اِسی بُجثے (جسم) میں ظاہر ہوگا ، اگر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت و اطاعت کے خلاف نہ ہو تو ۔ اِس پیر کی کرامت کا ظہور انشاء اللہ تم اس کے بعد دیکھوگی ۔ جب بھی کبھی تمہیں تنگ دستی اور کوئی سختی و دشواری پیش آئے ، میری روح کی طرف توجہ کرنا اور اسے حاضر سمجھنا ، اللہ سبحانہٗ کے کرم سے وہ (سختی وغیرہ) آسانی اور سرور میں بدل جائے گی ۔

نظم :

مرا زندہ پندار چون خویشتن — من آیم بجان گر تو آئی بتن

دعاے تو بر ہر چہ دارد شتاب — من آمین کنم تاشود مستجاب

(مجھے تُو اپنی طرح زندہ سمجھ ، میں جان میں آؤں گا اگر تو بدن میں آئے
جس بھی چیز کے لیے تیری دعا میں جلدی ہوگی میں آمین کہوں گا تاکہ وہ قبول ہو جائے)

جمعہ کی دوپہر کو عارفۂ کاملہ حضرت بی بی رافعہ کو وصیّت فرمائی کہ اگر تو یہ چاہتی ہے کہ میں تجھ سے راضی رہوں ، جیسا کہ ہمیشہ رہا ہوں ، تو تمام مستورات و نساء (عورتوں) اور وابستہ لوگوں (اقربا وغیرہ) کو تاکید کرنا کہ مجھ پر نوحہ و نالہ نہ کریں ، نیز سر ننگا رکھنے کے اُوپر سر اور گالوں بالوں کو ہاتھوں سے پیٹنے سے ، جو اکثر عورتوں کی عادات ہیں ، اجتناب برتیں ۔ زمانے کے اصحابِ رسم کی طرح تعزیت اختیار کیے نہ رکھنا ، اور جو کچھ بھی صوفیہ کے دستور کے خلاف اور عالی گروہ سے دور ہو ، قطعاً ظہور پذیر نہ ہو۔ خوند بی بی اور اس کی اولاد کی غمخواری کو سرمایۂ رضا مندی جانتا اور مساکین کے طعام و لنگر کے قوانین و ضوابط میں ہرگز تفاوت اور تجاوز راہ نہ پائے ۔

حضرت نے نماز جمعہ کے وقت جمادی الاوّل سنہ ۹۸۲ھ / ستمبر ۱۵۷۳ء میں اِس سرائے فانی سے سرائے جاودانی کو رحلت فرمائی ۔

بیت:

سلطانِ باگاہِ شرف رفت زین سرا — آتش بیارگاہِ سراپردہ برزنید

(بزرگی و عظمت کی بارگاہ کا سلطان اِس دنیا سے کوچ کر گیا۔ شاہی خیمہ کی بارگاہ کو آگ لگا دو)

بندگی شیخ کمال اور شیخ عبدالوہاب نے میّت کو غسل دیا اور کفن پہنایا اور بروز ہفتہ ظہر کے وقت نور محل میں دفن کر دیا۔ یہ شعر اور دو رباعیاں ۱۱۴ جو حضرت کی تاریخِ وصال کی حامل ہیں ، حضرت شاہ ابوالمعالی کے صائب فکر کا نتیجہ ہیں :

(۱) آن شاہ کہ از عشق بحق بودثباتش ۱۱۵ "یا عاشق مست" ۹۸۲ آمد تاریخ وفاتش

(اُس شاہ کی تاریخِ وفات "یا عاشق مست" کے الفاظ سے نکلی ، جو حق کے عشق میں ثابت قدم تھا)

تاریخ طلب کنند اگر اہلِ جہان برگوی معالی۱۱۶ بسر شوقِ روان

درنہصد و ہشتاد و دو این شاہِ جہان شد عند ملیکِ ملک خیمہ زنان

(اگر اہل جہاں تاریخ پوچھیں تو اے معالی تو شوقِ رواں کے ساتھ بتا کہ یہ شاہِ جہان [یعنی شیخ داؤد] ۹۸۲ھ میں اُس بادشاہ یعنی خدا کے پاس خیمہ زن ہو گیا ہے)

منقول ہے کہ وصال سے چند برس پیشتر صداقت کی نشانیوں کے حامل اصحاب سے فرمانے لگے کہ میرا مرقد یہی نور محل ہے ۔ یہ جگہ روضۂ منوّرہ کی تعمیر سے پہلےایک گھر تھا جو ایک دیوار کی کچی عمارت پر مشتمل تھا اور جس کے وسط میں باغیچہ تھا ۔ اس گفتگو کے دوران میں اصحاب میں سے کسی نے التماس کی کہ حکم ہو تاکہ حضرت کی موجودگی میں اس کو اچھے انداز میں تعمیر کیا جائے اور اس کا ادب و احترام ملحوظ رکھا جائے ۔ حضرت نے فرمایا: ہاں! اس مقبرے کا معمار ابھی بچوں میں کھیل کود میں مصروف ہے ؛ میری وفات کے بعد وہ آئے گا اور اس کی تعمیر کرے گا۔

روضئہ منوّرہ کی تعمیر کا ذکر

انوکھی بنیادوں کی صورتوں (نقشوں) کے اُس نقش بند ۱۱۷ ، مانی ۱۱۸ کی مشکلات کے اُس کاشِف (کھولنے یعنی دور کرنے والا) ، صُنعِ سبحانی (خدائی صنعت) کے کارخانے کے اُس مہندّس ، اس کعبۂ ثانی کے بانی کے خطاب سے مخاطب ، حکمتِ تعمیر کے فن میں اُس وحید (یکتا ۔ بے مثل) اور زُہد و عبادت میں اُس فرید (تنہا ، لاثانی) اُستا بازید۱۱۹ کا کہنا تھا کہ: میرا باپ ایک سادہ گل کار (مٹی گارے کا کام یعنی کچی تعمیر کرنے والا) تھا اور حساب شماری (مراد مہندسی ، انجینیرنگ) کے دائرے سے باہر تھا (یعنی ماہر تعمیرات نہ تھا) اور کچی تعمیر اور دست کاری کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا ۔ خُرد سالی میں وہ میرا ہاتھ پکڑ کر عالی شان عمارتیں اور اعلیٰ کارخانے دکھانے لے جایا کرتا ۔ چنانچہ اِس سے میرا شعور روز بروز غیر معمولی طور پر بڑھتا چلا گیا اور ادراک کا دریچہ معمول سے بڑھ کر کھُلنے لگا ۔ ابھی میں نو عمر لڑکا ہی تھا جب میری ڈیزائن سازی اور ہاتھ کا کام اس فن کے گُرگوں کے لیے بھی باعثِ درس بن گیا ۔ حضرت (داؤدؒ) کے وصال کو چند ماہ گذرے تھے کہ ازلی سعادت کی کشش میری خواہش کی گریباں گیر ہوئی ۔ اپنے چند ہم پیشہ ساتھیوں کی ہمراہی میں مَیں مرقدِ منورہ کی زیارت کے ارادے سے شیر گڑھ پہنچا ۔ وہاں میں نے اینٹوں اور چُونے کے ڈھیر پڑے دیکھے ۔ لنگر کے متولّی شیخ موسیٰ سے میں نے کہا کہ جو کچھ بھی تعمیر کرنا ہے اس کی اجازت دے دیں ۔ اُس نے کہا: کسی بڑی عمر کے (تجربہ کار) معمار کو یہ کام کرنا ہے جو پہلے عمارت کا نقشہ بنائے پھر تعمیر شروع کرے۔ یہ جواب سُن کر مَیں ملول خاطر ہوا اور پھر ہم لوگ لاہور لوٹ آئے ۔ میرے آنے کے بعد متولّی خواب میں حضرت کے جمال سے مشرّف ہوا ۔ حضرت نے اُس سے فرمایا کہ اِس کی تعمیر کا کام اُسی جوان کو سونپ جو یہاں سے لَوٹ گیا ہے ۔ اُس نے میرے پیچھے دو خادم دوڑائے ۔ حضرت کے حکم کے مطابق اس نے مجھے لاہور سے بُلوا لیا اور کام میرے سپرد کر دیا ۔ جب تعمیر شروع ہو گئی تو ہر طرف سے اُستاد جمع ہونے لگے ۔ میں ابھی تازہ کار تھا ۔ میں نے بہت غور کیا اور فکر میں ڈوبا رہا کہ کس قسم کا نقشہ تیار کیا جائے ۔ بہر حال میں نے کاغذ پر ڈیزائن بنایا اور تعمیر شروع کر

دی ۔ جو بھی اینٹ مَیں اُٹھاتا پہلے تکبیر پڑھتا پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر درود بھیجتا ، جب کہ صالح لوگ ، فقیر اور مرید اینٹیں اور گارا دیتے وقت درود اور سورۂ اخلاص پڑھتے اور پھر ہاتھ میں دیتے ۔ لوگوں کا اِس قدر ہجوم اور خلایق کی اس حد تک کثرت ہو گئی کہ اینٹ دینے کی باری میں دیر اور دشواری پیدا ہونے لگی ۔ اِس طرح ساڑھے چار سال کی مدت میں روضۂ منورّہ کی عجیب عمارت تکمیل پذیر ہوئی ۔ اس کی تاریخ تکمیل پر یہ قطعہ کہا گیا؛

قطعۂ تاریخ :

روضۂ پاکِ حضرت داؤد بسط اللہ ظِلّہ ابدا
از ضیای صفایِ صورتِ او دیدہ بِینا شدہ بنورِ خدا
ہر کہ چشمی بروفگندہ بفکر نتواند نظر نمود جُدا
نغمۂ لا الہ اِلّا ہُو اندریں گنبد ار دہند ندا
آیداز جوف (این) عدیم المثل وحدۂ لا شریک صوت و صدا
بہرِ تقسیمِ ۱۲۰ سالِ تتمیمش گفتہ شد مدّ ظلہ ابدا

(اللہ تعالیٰ حضرت داؤدؒ کے روضہ پاک کا سایہ ابد تک پھیلائے رکھے
اس کی صورت کی صفا کی روشنی سے آنکھ خدا کے نور سے بِینا ہو گئی
جو کوئی اس پر فکر کے ساتھ نگاہ ڈالے وہ پھر اس سے نظر کو الگ نہیں کر سکتا
اگر اس گنُبد میں لا الہ الاللہ ہُو [اُس کے سوا کوئی معبود نہیں] کا نغمہ بلند کیا جائے
تو اس بے مثال گنبد کے اندر سے وحدۂ لا شریک کی صوت و صدا آنے لگے
اس کے سالِ تکمیل کی تقسیم (؟) یعنی تاریخ کے لیے "مد ظلّہ ابدا" ۱۲۱ کہا گیا)

مقامات و احوال کے مالک بندگی شیخ کمال ، ولایت مآب اصحاب کے پیشوا شیخ عبدالوہاب ، آزاد منش شاہ ابواسحاق اور بندگی شیخ حامد قریشی سارا سارا دن تعمیر کے انتظام وانصرام میں کھڑے رہتے ۔ جب کہ جمالِ لایزالی کے مشتاق حضرت شاہ ابوالمعالی ،

شیخ عبداللہ اور مخصوصِ فیوضِ ۱۲۲ سرمد حضرت میاں جیب محمد ہر لمحہ خبر گیری کرتے رہتے ۔ صالحین ، عابدوں ، زاہدوں اور عام خلقت کا اتنا ہجوم اور اژدہام (صحیح "ازدحام" ہے) ہوتا کہ آمدورفت کا رستہ بڑی ہی مشکل سے ملتا چھ ماہ کے بعد بندگی شیخ بھی اِس دارِ وبال سے اِرتحال (کوچ ، رحلت) فرما گئے ۔ ان کے بعد شیخ عبدالوہاب وصال فرما گئے ۔ ان کی وصیّت کے مطابق انہیں روضۂ منورّہ کے صحن کے سامنے دفن کیا گیا۔

روایت ہے استاد بزید ۱۲۳ کہتا تھا کہ جب ہم روضۂ مقدسّہ کس تعمیر سے فارغ ہوئے تو ہم نے روضۂ منورّہ کے دامن کی کُرسی کی دیوار مشرق کی جانب سے شروع کی ۔ جس وقت یہ دیوار مغرب کی طرف بندگی شیخ کمال اور شیخ عبدالوہاب کے متبرّک مرقدوں کے برابر پہنچی تو ہم نے دیکھا کہ دونوں مبارک قبریں چبوترے کی دیوار کی نیچے آ رہی ہیں ۔ میں نے سُوتر سیدھا پکڑا اور اپنی غلط فکر پر بہت نفرین بھیجی۔ اب نہ تو اس بات کی طاقت کہ ساری دیوار گرادوں اور نئے سر سے تعمیر کروں اور نہ یہ مناسب کہ دیوار ٹیڑھی کرکے دونوں قبریں درمیان میں لے آؤں ۔ حیرانی و پریشانی کے عالم میں شاہ ابوالمعالی کی خدمت میں پہنچا ۔ وہ مجھ میں انتشارو پریشانی کے آثار پا گئے ۔ فرمانے لگے: بازید تو غمگین اور آزردہ سا کیوں ہے ؟ میں نے بڑی عاجزی و زاری کے ساتھ صورتِ حال بیان کی ۔ فرمانے لگے: غم مت کر ۔ آج رات کام بند کر دے ۔ کل دیکھیں کیا صورت بنتی ہے ۔ صبح جب مَیں (بازید) کام شروع کرنے لگا تو میں نے دیکھا کہ بندگی شیخ کمال اور شیخ عبدالوہاب دونوں کے مرقدِ منورّہ پروردگار کی قدرت سے احاطۂ دیوار کے اندر آکر چبوترے میں داخل ہو گئے ہیں ۔ ہم لوگ تو حیرت و عبرت کے بحر میں ڈوب گئے کہ نہ تو دونوں مرقد اپنی جگہ سے ہلے تھے اور نہ چبوترے کی دیوار ہی ٹیڑھی ہوئی تھی ۔ مَیں متحیّرومبہوت ہو کر حضرت شاہ ابوالمعالی کی خدمت میں پہنچا اور صورتِ حال بیان کی ۔ مُسکرا کر فرمانے لگے: اُستاد بازید! یہ امر حضرت کی قدرت و تصرف (کرامت) کے آگے کیا حیثیت رکھتا ہے (یعنی بہت معمولی ہے)۔

بیت:

ہرچہ خواہد دلِ این قوم ہماں میگردد   اللہ اللہ بتصرف چہ شہِ آفاقند

(اِس قوم کا دل جو کچھ چاہتا ہے وہی کچھ ہو جاتا ہے ۔ اللہ اللہ کرامت میں وہ کیا شاہِ عالَم ہیں)

پانچواں مقام

۱۔ "اِستغفار" ہونا چاہیے ۔

۲۔

متن میں شاہ الٰہ بخش مرقوم ہے جو غلط ہے ۔ یہاں شاہ ابوالمعالی مراد ہیں ۔

۳ ۔ اس سے پہلے کیلان آیا ہے ۔ کلاں ہی درست ہو گا ۔

۴۔ امور سے مراد "عزم امور" ہے جس کی طرف سورۂ آل عمران (۳) کی آیت ۱۸۶ میں اِس طرح اشارہ ہوا ہے : اور اگر تم صبر کرو گے اور تقوٰی اختیار کرو گے تو بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہیں ۔ دوسرے مصرع میں "برسنگ" کی بجائے "از سنگ" ہونا چاہیے ۔ اب ترجمہ یوں ہو گا: تم عدمِ تکبر کی ڈینگ مت مارو کیونکہ یہ یعنی متقی ہونا ہمت کے کاموں میں سے ہے اور جس طرح تاریک رات میں سیاہ پتھر چُھپا ہوا معلوم ہوتا ہے (بالکل نظر نہیں آتا) اسی طرح یہ (تکبر سے پاک ہونا) اور بھی پوشیدہ ہوتا ہے یعنی آدمی تکبر کرتے وقت محسوس نہیں کر پاتا کہ وہ تکبر کر رہا ہے ۔

۵۔ صحیح یوں ہے: التائب مِن الذنب کمن لا ذنب لہ ۔

۶ ۔ متن میں "ناپاک" لکھا ہے جس کا یہاں محل نہیں ۔ پاک صحیح ہے ۔

۷ ۔ متن میں "ملوک و سلوک" ہے ۔ ممکن ہے یہاں بھی مصنف نے شوق اور رغبت ہی مراد لی ہو ، یعنی یہ الفاظ کوئی مقامی ترکیب و محاورہ ہوں ۔

۸ ۔ خرابات: خرابہ کی جمع ، ویران جگہیں ۔ عرب میں دورِ جاہلیت میں بازاری عورتیں شہروں سے دور ویران جگہوں میں اپنا ٹھکانا اور دھندا کرتی تھیں ۔ علاوہ ازیں اپنے گھروں پر خاص قسم کے جھنڈے نصب کرتی تھیں جو اس بات کی علامت ہوتے تھے کہ اِس گھر میں "دعوت عام" ہے ۔ بعد میں صوفیانے ریاضت و عبادت کے لیے جو پُر سکون اور خاموش جگہیں منتخب کیں انہیں خرابات کا نام دیا گیا ۔ بہرحال یہاں خرابات بمعنی شراب خانہ اور قمار خانہ وغیرہ استعمال ہوا ہے ۔

۹ ۔ جدید تحقیق کے مطابق یہ قول صحت سے عاری ہے ۔ البتہ اس کا تعلق علما کے خاندان سے تھا ، جس کا ذکر خود اس نے گلستان میں ایک جگہ اِس طرح کیا ہے :

ہمہ قبیلۂ من عالمان دین بودند　　مرا معلّمِ عشقِ تو شاعری آموخت

کلیات شیخ سعدی ۔ طہران ۱۳۲۸ ش۔ص ۷۰۰ (دیوان بدایع)

۱۰۔ متن میں عبارت یوں ہے: "ملنگ لنگوتہ بند ہندستانی را با عین القضاۃ ہمدانی ۔۔۔۔ الخ" ۔ حقیقت میں یہاں ملنگ اور لنگوٹے کے الفاظ ہی سے صحیح عکاسی ہو سکتی تھی ۔ پھر قافیے نے اِس ٹکڑے میں دلکشی بھی پیدا کر دی ہے ۔

۱۱ ۔ عین القضاۃ ابوالمعالی عبداللہ بن محمد بن علی میانجی ہمدانی بہت بڑے عارف و مفکّر جن پر تنگ نظر علما نے

مختلف فتوے لگائے ۔ انہی متعصب لوگوں کے ہاتھوں قتل ہوئے (ولادت آغاز چھٹی صدی/بارہویں صدی عیسوی) ۔ بغداد میں کچھ عرصہ مقید رکھنے کے بعد انھیں دار پر لٹکا دیا گیا (جمادی الآخر ۵۲۵/مئی ۱۱۳۱) ۔ ملاحظہ ہو تاریخ ادبیات در ایران از دکتر صفا ۔ تہران جلد ص ۹۳۶ بعد سعدی کی بوستان باب ہفتم کا شعر ۔ ملاحظہ ہو: کلیات شیخ سعدی ۔ تہران ص ۲۷۰ ۔

۸۔ متن میں عبارت اِس طرح ہے: "بدیدن شیخ نظام الدین بتوجۂ تمام۔" "یہاں بؔ کا نشان لگا کر حاشیے میں "رسیدیم" لکھا ہے ۔ اس لحاظ سے فقرہ "بتوجۂ تمام "رسیدیم" پر ختم ہو جاتا ہے ۔ لیکن "بتوجۂ تمام" کا تعلق اگلے ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے یعنی جس کی طرف بھی شیخ پوری توجہ سے نظر کرتے ۔۔۔ ۔

۹۔ متن اور حاشیے میں "نمی غنود" ہے جس سے بات واضح نہیں ہوتی ۔ غالباً "ہمی غنود" ہے ۔ واللہ اعلم ۔

۹۔ غالباً "تا باتیر" ہے ۔ ردیف غلط ہے ۔ سازم کی بجائے یہاں بھی دارم ہی ہونا چاہیے ۔

۱۰۔ حاشیے میں پیر کی بجائے پیغمبر تحریر ہے ، جبکہ قانون حاشیے میں اور متن میں کانون (بمعنی چولھا ، انگیٹھی) ہے ۔

۱۰۔ سورہ النمل (۲۷) آیہ : ۶۲ ۔اور کون ہے جو بیقرار آدمی کے پکارنے پر جواب دیتا اور اس کی تکلیف دور کرتا ہے ۔ الخ

۱۱۔ حافظ کی پہلی غزل کا ایک مشہور شعر ۔ اس غزل کا مطلع ہے :

الایا ایھاالساقی اَدِرکاساً وناولہا \
کہ عشق آسان نمود اول ولی افتاد مشکلہا

دیوان حافظ ۔ تہران ص ۲

۱۱۔ یہ بھی حافظ کا مشہور شعر ہے ۔ یہ مطلع ہے ۔ مقطع اِس طرح ہے:

حافظ دوامِ وصل میّسر نمی شود \
شاہاں کم التفات بحالِ گدا کنند

(ایضا ص ۱۳۲ ، ۱۳۳) ۔

متن میں "روزہا" ہے ۔ اگر "زورہا" ہو تو قوت و طاقت کی بجائے شدت کے معنی لیے جا سکتے ہیں ۔

۲۔ انسان کو تفاوت سے یعنی مختلف مقام و مرتبہ کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے ۔

۲۲۔ دوسرا مصرع غائب ہے ۔

۲۳۔ یہ لفظ "کمین" (بمعنی گھات) ہونا چاہیے ۔ عرفی کا مشہور شعر ہے ۔ پوری غزل اس طرح ہے :

از یاد بردہ ام روش مہر و کینِ خویش \
نسیان نشاندہ ام بہ یسار و یمینِ خویش

رفتم بہ بت شکستن و ہنگام باز گشت \
با برہمن گذاشتم از ننگ ، دین خویش

دردا کہ رفت فرصت و دہقانِ طینتم \
ہر دم گلے دماندہ در آب و زمینِ خویش

نہ بزمِ آسمان و یکے ذرہ در سماع | وایم بکامِ دل نفشاند آستینِ خویش
خواہی کہ عیبہا بتو روشن شود ترا | یک دم منافقانہ نشیں در کمینِ خویش
"من بندۂ شمادتم" اینک نگاشتم | ہم بر مزارِ عرفی و ہم در نگینِ خویش

دیوان عرفی ۔ مطبوعہ نولکشور ۔ لکھنؤ ص ۱۲۹ ۔ ۱۳۰)

۲۴۔ دونوں شعر مثنوی مولانا روم، دفتر دوم سے لیے گئے ہیں ۔ اس حصے کا عنوان ہے: "ظاہر شدنِ فضل و بنہ لقمان پیش امتحان کنندگان" ۔ کتاب مثنوی ۔ تہران ص ۱۴۳ ۔

۲۵۔ متن میں "مجانین" کے ن کا نقطہ کاٹ کر ب بنا دیا گیا ہے یعنی "مجابین"، اِس لحاظ سے اس کا واحد "مجبون" ہو سکتا ہے، اور یہ لفظ اگر جُبن بمعنی بزدلی سے ہو تو عاقل کے ساتھ اس کا محل استعمال واضح نہیں ہو پاتا۔ اسی لیے ترجمے میں "مجانین" جمع مجنون سے استفادہ کیا گیا ہے ۔

۲۶۔ یہ قطعہ نہیں بلکہ حافظ کی ایک غزل کے دو شعر ہیں ۔ پہلے مصرعے میں "را" کی جگہ باز ہے، دوسرے میں طرف کی بجائے باد اور تیسرے مصرعے میں "را" زائد ہے ۔ پوری غزل یوں ہے:

مژدہ ای دل کہ دگر باد صبا باز آمد | ہدہد خوش خبر از طرف سبا باز آمد
برکش ای مرغ سحر نغمۂ داودی باز | کہ سلیمانِ گل از بادِ ہوا باز آمد
عارفی کو کہ کند فہمِ زبان سوسن | تا بپرسد کہ چرا رفت و چرا باز آمد
مردی کرد و کرم لطفِ خدا داد بمن | کان بتِ ماہ از راہِ وفا باز آمد
لالہ بوی مَی نوشین بشنید از دمِ صبح | داغ دل بود بامید دوا باز آمد
چشمِ من در رہِ این قافلۂ راہ بماند | تا بگوشِ دلم آوازِ درا باز آمد

گرچہ حافظ درِ رنجش زد و پیمان بشکست
لطفِ او بین کہ بلطف از درِ ما باز آمد

(دیوان حافظ ۔ مرتبہ قزوینی۔۔۔۔۔۔تہران ص ۱۱۸)

۲۷۔ غالباً مراد "بھوندو" ہے جس کے معنی سادہ لوح کے ہیں ۔

۲۸۔ عزت و مرتبہ کا پیارا۔

۲۹ ۔ حافظ کا مطلع اور مقطع ہے:

ساقی بیار بادہ کہ ماہ صیام رفت | در دہ قدح کہ موسم ناموس و نام رفت
دیگر مکن نصیحت حافظ کہ رہ نیافت | گم گشتۂ کہ بادہ نابش بکام رفت

(دیوان حافظ، تہران ص ۵۸)

۳۰ - سورۂ انبیا ، آیت ۳۰

۳۱ - سورۂ النبا - ۷۸ ، آیات ۱۵ ، ۱۶ - تاکہ ہم اس پانی کے ذریعے سے غلہ اور سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں -

۳۲ - متن کے پہلے مصرعے میں "می نوش" ہے - یہ شعر حافظ کی مطلع و مقطعِ ذیل والی غزل سے لیا گیا ہے :

بدورِ لالہ قدح گیر و بی ریا می باش بیوی گل نفسی ہمدم صباہی باش
مرید طاعتِ بیگانگان مشو حافظ ولی معاشر رندان پارسا می باش
(دیوان حافظ - قزوینی ص ۱۸۵ ، ۱۸۶)

۳۳ - پڑھنے والا ، بلانے والا ، گانے والا

۳۴ - یہاں
"اے شوخ ...... راضی ہو گئی/گیا" میں فاعل واضح نہیں ہے - یا تو کچھ عبارت چھوٹ گئی ہے یا پھر کوئی مؤکل کی بات ہے - بہر حال یہاں عبارت بہت مبہم ہے -

۳۵ - احترام کے طور پر منورہ یعنی روشن لکھا ہے

۳۶ - ملاحظہ ہو کتاب مثنوی (مثنوی رومی) تہران - دفتر دوم ص ۳۷ - یہ دونوں اشعار "امتحان کردن خواجہ لقمان را در زیرکی" میں آئے ہیں۔

۳۷- النساء (۴) آیہ ۴۳

۳۸- یہاں مصنف نے پوری بات نہیں لکھی - کسی عارف کی تھوڑی سی عبارت نقل کرکے آگے یہ جملہ لکھ دیا ہے ، یعنی فلاں نے جو کچھ لکھا ہے اُس کے آخری حصے تک ملاحظہ ہو۔

۳۹- یہ اشعار گلستان سعدی کے باب اول کی دسویں حکایت سے لیے گئے ہیں - اِس بند کا تیسرا شعر اِس طرح ہے :

تو کز محنتِ دیگران بی غمی نشاید کہ نامت نہند آدمی
(تو جو دوسروں کے دکھ درد سے بے پروا ہے تجھے انسان کہنا مناسب نہیں)
(کلیات شیخ سعدی - تہران ص ۸۸)

۴۰- قرآن کریم کی اصل عبارت یوں ہے : ...... وَالذّاکِرِینَ اللہَ کَثِیراً وَّالذّٰکِرٰاتِ اَعَدَّ اللہُ لَھُم مَّغفِرَۃً وَّاَجراً عَظِیماً۔
(اور بکثرت خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ، ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے) سورۂ الاحزاب آیہ : ۳۵

۴۱ - سورۂ التکاثر (۱۰۲) آیہ ۸، صحیح لَتُسئَلُنَّ ہے -

۴۲ - متن میں "تبہ" ہے جو غلط ہے -

۴۳ - خالصہ : ایسی زمین جو کسی کی جاگیر میں نہ ہو ، بادشاہ کی ملکیت ہو -

۴۴ - متن میں دونوں جگہ "ظراوف" ہے غالباً ظرف کی الجمع ہے -

۴۵ ۔ دونوں اشعار مثنوی رومی دفترِ اول سے ہیں تھوڑے سے فرق کے ساتھ (قصہ: رفتن گرگ و روباہ در خدمت شیر (کتاب مثنوی ص ۸۰) پہلے مصرعے میں "اسرار و امیر" اور دوسرے میں "او بداند" ہے تیسرے مصرعے میں "پس" کی بجائے "ہین" کلمۂ تنبیہ ہے اور چوتھے مصرعے میں "فکر تنہا بدہ" کی بجائے "اندیشۂ بدی" ہے ۔

۴۶ ۔ یہ شعر بھی مثنوی رومی ہی سے ہے ۔ دفتر دوم ۔ حکایت: کرامات ابراہیم ادہم برلب دریا (کتاب مثنوی ص ۱۴

۴۷ ۔ سورہ آل عمران (۳) آیہ ۱۳۴

۴۸ ۔ یعنی شاہ ابوالمعالیؒ کے ذکر میں۔

۴۹ ۔ یہاں دونوں حضرات میں فرق کی خاطر "ایشاں" (کہ یہاں احترام کی خاطر ہے ۔ ویسے بمعنی وہ بصیغۂ جمع ہے) رہنے دیا ہے ۔

۵۰ ۔ یہاں پھر سے شیخ داؤد کا ذکر ہے

۵۱ ۔ "افتاد بر افتاد" یہاں "افتاد برُو افتاد" کے معنی دیتا ہے ۔

۵۲ ۔ اس سے ملتی جلتی ایک حدیث رسول اکرمؐ ہے : اَلصِّدقُ یُنْجِی وَالکِذْبُ یُھلِک (سچ نجات دلاتا ہے جب کہ جھوٹ ہلاکت کا باعث ہے ۔

۵۳ ۔ پزاوہ: بھٹا

۵۴ ۔ یہ قطعہ نہیں رباعی ہے ۔

۵۵ ۔ بہار کی روشنیوں والا

۵۶۔ مضبوط گرفت ۔

۵۷۔ قافیہ نہیں ہے ۔ اصل میں "زور آزمائی" ہونا چاہیے کہ اسی سے وزن بھی ٹھیک ہے اور معنی بھی نکلتے ہیں۔

۵۸۔ چہرے کا ستارۂ سہیل

۵۹۔ ایسا آستانہ جو فرشتوں کا آشیانہ ہو ۔

۶۰۔ جس سے مسند وغیرہ کو آراستگی ملے

۶۱۔ صحیح: فانظر اِلیٰ آثار ۔۔۔۔۔۔۔ (اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیوں پر نظر ڈال کہ وہ زمین کو اس کی موت کے بعد کس طرح زندہ کر دیتا ہے) سورہ الروم (۳۰) ، آیہ

۵۰۔ ۶۲۔ جس کا وجود نہ ہو ۔

۶۳۔ مصنف کو سہو ہوا ہے ۔ ایک تو یہ حافظ کا رنگ اور انداز نہیں ہے پھر حافظ کے کسی بھی دیوان میں اس بحر کی (اس قافیے میں) غزل نہیں ہے ۔ ملاحظہ ہو دیوان حافظ مرتبہ قزوینی و دکتر قاسم غنی ، تہران ۔ دیوان حافظ مرتبہ حسین پژمان ، تہران ، دیوان حافظ شیرازی ، انجمن خوش نویسانِ ایران ، تہران اور دیوان حافظ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۔

۶۴۔ مغلیہ خاندان کے بادشاہوں کو مرنے کے بعد مختلف القاب سے یاد کیا جاتا تھا ۔ چند کی تفصیل اس طرح ہے :
فردوس مکانی: بابر ، جنت آشیانی: ہمایوں ، عرش آشیانی: اکبر ، جنت مکانی: جہانگیر ، فردوس آشیانی: شاہجہان ، خلد مکان: عالمگیر ، خلد منزل: بہادر شاہ اول ، خلد آرامگاہ: شاہ جہاندار شاہ ، فردوس آرامگاہ: محمد شاہ بادشاہ ۔

۶۵۔ بہار عجم از ٹیک چند بہار میں لفظ بُن کے تحت یہ شعر آیا ہے ۔ وہاں "خرد مند" کی بجائے "خداوند" ہے ۔

۶۶۔ وہ اپنی زبانوں سے وہ کچھ کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہوتا (قرآن کریم میں "بالسنتھم" کی بجائے "بافواھھم" بمعنی مونہوں سے ہے ۔ آل عمران آیت ۱۶۷ ۔

۶۷۔ متن میں مذخر ہے ، صحیح مذخورہ بمعنی ذخیرہ کیا گیا ۔ مصنف نے قافیے کی مجبوری کے تحت شاید ایسا کیا ہے ۔

۶۸۔ متن میں "ہمین" ہے جس کا یہاں محل نہیں ۔

۶۹۔ اگر "منعم و ممسک" ہو تو بمعنی نعمت دینے والا ، خرچ کرنے والا اور کنجوس

۷۰۔ حکمرانی و سرداری

۷۱۔ تنبیہ و سزا

۷۲۔ نگہبانی

۷۳۔ متن میں نہیں ہے ۔ اس کے بغیر معنی بنتے نہیں ۔

۷۴۔ یہاں "و" چاہیے

۷۵۔ حافظ کا مشہور شعر ہے ۔ قزوینی کے مرتبہ دیوان حافظ میں دوسرے مصرع میں "دلبرا" کی بجائے "جان من" ہے ۔ اس غزل کے دو تین اور شعر ملاحظہ ہوں:

درانددرونِ منِ خستہ دل ندانم کیست ۔۔۔ کہ من خموشم و او در فغان و درغوغاست
مرا بکارِ جَہاں ہرگز التفات نبود ۔۔۔ رُخ تو در نظر من چنین خوشش آراست
ندای عشق تو دیشب در اندرون دادند ۔۔۔ فضای سینۂ حافظ ہنوز پُر ز صداست

(دیوان حافظ مرتبہ قزوینی ۔۔۔۔۔ص ۱۷، ۱۸)

۷۶۔ ملا صدرا مراد ہے جو اکبری دور کا مشہور عالم تھا

۷۷۔ متن میں طرازی ہے جس کا یہاں محل نہیں

۷۸۔ لغو اور واہی تباہی بات

۷۹۔ ہمایوں

۸۰۔ یہ دو تین جملے حاشیے پر تحریر ہیں ۔ تحریر واضح نہیں ۔ بے ربطی کے باعث ترجمہ میں دشواری ہوئی ۔ نہ وہ نثر معلوم ہوتی ہے اور نہ نظم ۔

۸۱۔ ساکن کی جمع ، نیز بمعنی پتوار

۸۳۔ غالباً نقش پنجہ مراد فرمان ہے ، اسی طرح ضرورت شاید صورت ہو بیرم خاں کے اثر و نفوذ کی طرف اشارہ ہے ۔

۸۴۔ متن میں "در رنگ فتح خان جت" ہے جس کے بظاہر یہی معنی بنتے ہیں ۔ لفظ رنگ کسی گاؤں وغیرہ کے نام کا حصہ معلوم نہیں ہوتا ۔

۸۵۔ خواتین کی بے حرمتی کی

۸۶۔ اس میں صنعت ایہام ہے ۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی بھی موسیقی ، نغمۂ داؤدی ، مشہور ہے ۔

۸۷۔ پرہیزگاری

۸۸۔ یعنی آپ کس طرح شیخ داؤد سے وابستہ ہوئے ۔

۸۹۔ کوئی لفظ رہ گیا ہے

۹۰۔ شیخ داؤد کے نثر کے نمونے کے طور پر اصل عبارت نقل کی جا رہی ہے تاکہ ان کی دشوار پسندی کا پتا چل سکے ۔ کتابت کی بہت سی اغلاط کے سبب اس کا ترجمہ مشکل ہے ۔

۹۱۔ وتد کی جمع ، وہ چار سرتاج اولیا جو ہر زمانے میں موجود رہتے ہیں۔

۹۲۔ غالباً محبت ہے

۹۳۔ کچھ لفظ چھوٹ گئے ہیں ۔

۹۴۔ حافظ کا شعر ہے ۔ اس غزل کے دو ایک شعر اور ملاحظہ ہوں:

رونقِ عہدِ شبابست دگر بُستان را — می رسد مژدۂ گل بلبلِ خوش الحان را

ترسم این قوم کہ بر دُرد کشان می خندند — در سرِ کارِ خرابات کُنند ایمان را

برو از خانۂ گردون بدر و نان مطلب — کان سیہ کاسہ در آخر بکُشد مہمان را

حافظای خور و رندی کُن وخوش باش ولی — دامِ تزویر مکن چون دگران قرآن را

دیوان حافظ ، ص ۸،۷

۹۵۔ یہ بھی حافظ کی ایک غزل کا مطلع ہے ۔ دیوان میں "ازین" کی بجائے "ازآن" ہے ۔ چند شعر :

چنین قفس نہ سزای چومن خوش الحانیست — روم بگُلشنِ رضوان کہ مُرغ آن چمنم

عیان نشد کہ چرا آمدم کجا رفتم — دریغ و درد کہ غافل ز کارِ خویشتنم

اگر ز خونِ دلم بوی شوق می آید — عجب مدار کہ ہم درد نافۂ ختنم

بیا و ہستیِ حافظ زپیش او بردار — کہ با وجودِ تو کس نشنَود زِ من کہ منم

(ایضاً ۔۔۔۔ ص ۲۳۵)

۹۶۔ متن میں "نخوروند" (انہوں نے نہ کھایا) ہے ، جس سے بات بے معنی ہو جاتی ہے ۔ "بخوروند" ہونا چاہیے ۔

۹۷۔ یہ لفظ پڑھا نہیں گیا ۔ یا کوئی لفظ لکھ کر کاتب نے اس پر غلط نشانی لگا دی ہے ۔ اس صورت میں ترجمہ ہو گا: کھیتی باڑی کے موسم میں

۹۸۔ دونوں شعر واضح نہیں ہیں ۔ کتابت میں گڑ بڑ ہے ۔

۹۹۔ فقرہ نامکمل ہے ، مصرعے سے پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

۱۰۰۔ مُراد مٹی یعنی زمین سے متعلق کام

۱۰۱۔ خاکی کے دوسرے معنی ہیں: تو خاک ہے ۔

۱۰۲۔ میں نے دنیا کو تیری خاطر اور تجھے اپنی خاطر پیدا کیا ۔

۱۰۳۔ تحقیق ہم نے انسان کو بڑے خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے ۔ سورۃ التین ۔ آیت ۴ متن میں "تقویم" کے بعد "والخلافتہ" کا اضافہ بھی ہے ، لیکن مذکورہ آیت میں یہ لفظ نہیں ہے ۔ ترجمہ ہو گا ۔۔۔ سانچے اور خلافت ۔۔۔۔۔۔

۱۰۴۔ جامع شہر مراد جس میں سب کچھ جمع ہو ، انسان

۱۰۵۔ خلقت و پیدائش ، آفرینش

۱۰۶۔ متن میں کہیں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے تو کہیں صیغۂ واحد ۱۰۷۔ اصل و منبع سے یعنی اس ذاتِ حقیقی سے تعلق

۱۰۸۔ متن میں "کردہ آیندہ" ہے ، یہ کردہ آیند بھی ہو سکتا ہے ۔ اِسی طرح اعراض کی بجائے اَغراض بھی ممکن ہے ۔

۱۰۹۔ سورۃ قٓ آیت ۲۲ ۔ پوری آیت کا ترجمہ اس طرح ہے: اور ایک (اس کے اعمال کا) گواہ ہو گا ، تو اُس دن سے بے خبر تھا ۔ سو اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ (غفلت کا) ہٹا دیا ، سو آج تو تیری نگاہ بڑی تیز ہے ۔

۱۱۰۔ سورۃ القمر ۔ آیت ۵۴ ، ۵۵ ۔ تحقیق پرہیز گار لوگ باغوں میں اور نہروں میں ہونگے ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس ۔

۱۱۱۔ دیوان حافظ مرتبہ قزوینی۔۔۔ ص ۲۳۵ میں این کی بجائے آن ہے۔ اس غزل کے دو تین شعر اور ملاحظہ ہوں:

چنین قفس نہ سزای چومن خوش الحانیست — روم بگلشنِ رضوان کہ مرغ آن چمنم
عیان نشد کہ چرا آمدم کجا بودم — دریغ و درد کہ غافل زکارِ خویشتنم
چگونہ طوف کنم در فضایِ عالم قدس — کہ در سراچۂ ترکیب تختہ بندِ تنم
بیاو ہستیِ حافظ زپیش او بردار — کہ با وجودِ تو کس نشنود زمن کہ منم

۱۱۲۔ دیوان حافظ ۔۔۔ ۲۰۵ صحیح شعر یوں ہے: مَا لِسَلمٰی و مَن بذی سَلَمٍ اَینَ جیراننا و کیف الحال

حافظ کی اس غزل کے بعض دوسرے اشعار اور مصرعے بھی عربی میں ہیں ۔ اس غزل کے دو تین اشعار :

عرصۂ بزمگاہ خالی ماند — از حریفاں و جام مالا مال
سایہ افگند حالیا شبِ ہجر — تاچہ بازند شب رَوانِ خیال
حافظا عشق و صابری تا چند — نالۂ عاشقان خوشست بنال

(ص ۲۱۶) ۱۱۳۔ سورۃ الفجر ، آیت ۲۸

۱۱۴۔ متن میں صرف ایک رباعی اور ایک شعر ہے

۱۱۵۔ متن میں "نیلاپش" ہے، لیکن "احوال الشیخ داؤد جھنی وال" کے مصنف نے گنبد مزار کے حوالے سے جو تاریخ دی ہے اس میں "شباتش" ہے اور یہی موزوں ہے (ص ۸۷)

۱۱۶۔ متن میں "معانی" ہے۔ تصحیح از "احوال ۔۔۔۔" ص ۸۸۔

۱۱۷۔ یہ سب خطابات والقاب اس معمار کے لیے استعمال ہوئے ہیں جس نے شیخ داؤدؒ کا مزار تعمیر کیا۔

۱۱۸۔ قبل از اسلام کے ایران کا ایک مشہور نقاش

۱۱۹۔ اُستا مخفف ہے استاد کا اور بازید نام ہے

۱۲۰۔ "تقسیم" کی بجائے "ترقیم" ہونا چاہیے بمعنی تحریر

۱۲۱۔ اس کا سایہ ہمیشہ پھیلا رہے۔ حروفِ ابجد کے حساب سے ۹۸۷ھ بنتا ہے۔

۱۲۲۔ ابدی فیضوں سے خاص کیا گیا

۱۲۳۔ شروع میں بازید ہے۔

چھٹا مقام
شیخ کمال قدّس سرّہ العزیز کے احوال کا ذکر

آن شیخِ کمال پیرِ اکمل　　در سبقتِ رتبہ اوّل اوّل

برکردہ چراغ فیضِ مطلق　　بنمود بسالکان رہِ حق

گستردہ بساطِ حق پرستی　　بُرد از سرِ خلق خویِ ہستی

شیرازۂ دفترِ حقیقت　　اندازۂ منظرِ طریقت

جُز ذاتِ شریفِ او ندیدم　　در زمرۂ فقر عیسوی دم

در شکر چو مُردہ زندہ کردی　　در صحو دریغِ درد خوردی

آن نایبِ خاصِ شیخ داؤد　　کز پیرویش دمی نیاسود

ز اوّلِ حال تا باآخر　　در خدمت خاص گشتہ فاخر

منشورِ خلافتِ ہدایت　　از پیر چُو شُد بتو عنایت

شیخا بحقِ عنایتِ (پیر) ۱　　از باقیِ یار جُرم برگیر

(= وہ پیر کامل شیخ کمال جو رُتبہ کی دوڑ میں سب سے آگے ہیں

= انہوں نے فیضِ مطلق کا چراغ روشن کرکے سالکوں کو راہِ حق دکھایا

= وہ حقیقت کی کتاب کا شیرازہ اور طریقت کے منظر کا نشان ہیں

= ان کی ذاتِ شریف کے علاوہ ، فقرا کے گروہ میں مَیں نے کسی میں بھی دمِ مسیحائی نہیں دیکھا

= وہ شکر میں تو مُردہ کو زندہ کرتے اور صحو ۲ میں درد کی حسرت رکھتے

= وہ شیخ داؤد کے ایسے نائب خاص ہیں جنہوں نے اُن کی پیروی میں ایک لمحہ بھی غفلت نہیں برتی

= شروع حال سے لے کر پیر کے آخر دم تک وہ ان کی خاص خدمت سے صاحبِ فخر ٹھہرے

ہدایت کی خلافت کا منشور جب پیر سے ۳ آپ کو عنایت ہوگیا ہے تو اے شیخ پیر کی اس عنایت کے طفیل ، باقی دوست کی خطا سے درگذر کیجیے)

میدانِ طریقت کے سیاح ، بحرِ حقیقت کے غوطہ خور ، عظیم اور بڑے لوگوں کے شرف ، سرائر و خواطر پر مشرف ، نفوسِ انسانی کے کمالات کے جامع ، حق پرستی و خدادانی کے مقامات کا مجموعہ ، حرص و ہوا کی تاریکیوں کے دُور کرنے والے ، مسیحانفس صوفی ، نسیمِ وصال کے ہمدم اور حریم جلال کے محرم بندگی شیخ کمال قدس اللہ سرہ العزیز صحیح نسب سادات میں سے ہیں ۔ ان کا مولد و منشا خطۂ لاہور کے مضافات میں سے اور قصبۂ اچھرہ سے مشرقی جانب دو کوس کے فاصلے پر واقع ہے ۔ وہ آغاز سے آخر تک حضرت (داؤدؒ) علیہ الرحمہ والرضوان کے ملازمِ خاص اور ہمدمِ خاص الخاص رہے ۔ نکسیر پھوٹنے اور حرارت کی تکلیف کے باوجود کہ اکثر ناک سے خون بہنے لگتا تھا ، گرمی اور سردی میں سائے کی طرح اُس صاحب کمال (شیخ داؤدؒ) کے پیچھے پیچھے رہتے اور حضرت کی صحرانوردی اور بادیہ گردی کے دوران جو کانٹے حضرت کی مبارک پاؤں میں چُبھ جاتے انہیں فرصت کے وقت نکال کر جیب میں سنبھال رکھتے ۔

منقول ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ والرضوان اور شیخ کمال ابتداے حال میں ، برسات کی بارشوں کے ایک طغیانی موسم میں ، جب دریا کا پانی صحرا کے نشیب و فراز کو یکساں کیے ہوئے تھا ، گذرِ مہبطِ نورہ (نور کے نزول کی جگہ) کو عبور کرنے کی خاطر وہاں پہنچے ۔ کشتی کے انتظار میں لوگوں کا ایک ہجوم پریشان حال کھڑا تھا ۔ حضرت نے شیخ سے فرمایا کہ: کب تک کشتی کا انتظار کیا اور اِن بے بس لوگوں کو سواری میں مزاحم دیکھا جائے ۔ آ کہ ہم کشتی کے بغیر ہی دریا عبور کریں اور جسم کا بوجھ سفینے کے وسیلے کے بغیر ساحل پر اتارلیں ۔ تو میرے نام کو وسیلہ بنا اور مَیں غوثِ اعظم کے نام کی عروۃ الوثقی (مضبوط گرفت) کا سہارا لیتا ہوں ۔ پھر انہوں نے پانی پر قدم رکھا اور چل پڑے ۔ شیخ کمال "یا داؤد" یا "داؤد" کہتے جاتے اور حضرت ، "یا شیخ عبدالقادر" کا ورد کرتے جاتے ۔ جب دریا کے وسط میں پہنچے تو شیخ کمال کے دل میں آیا کہ مَیں بھی بھلا غوثِ اعظم کے نام کو وسیلہ کیوں نہ بناؤں ۔ چنانچہ انہوں نے بھی "یا شیخ عبدالقادر" کہنا شروع کیا ۔ (جس کے نتیجے میں) انہوں نے زور کے چند غوطے کھائے ۔ واقعی کسی نے خوب کہا ہے :

نظم:

کار بی استاد خواہی ساختن　　جاہلانہ جان بخواہی باختن

پس روی خاموش از روی انقیاد   زیرِ ظلِ شیخ و امری اوستاد
(تو استاد کے بغیر کام بنانا چاہتا ہے ، اس طرح تو تُو جاہلوں کی مانند جان دے ڈالے گا

لہٰذا اطاعت کرتے ہوئے خاموشی کے ساتھ شیخ کے سائے میں اور استاد کے حکم کے تحت چل)

حضرت اِیشاں علیہ الرحمتہ والرضوان نے رُوے مبارک پیچھے موڑ کر فرمایا: کمال پھر میرے نام کا ورد کر کیونکہ تیرا معاملہ میرے سپرد ہے اور میرا معاملہ حضرت غوث الثقلین کے سپرد ۔ تو سوائے میرے نام کے اور کچھ نہ کہہ اور کسی بھی صورت مجھ سے جدا نہ ہو ۔ چنانچہ شیخ نے پھر سے حضرت کے نام پر تبسّم ٦ (کذا) کیا اور اِس طرح خود کو ہلاکت کے گرداب سے باہر نکال لیا ۔

بیت:

مسافرانِ طریقت زمن جدا مشوید   کہ دور بینم و چشمم بمنزل افتادہ است ،
(طریقت کے مسافرو مجھ سے الگ نہ ہونا ، کیونکہ میں دُور بِیں ہوں اور میری نظر منزل پر پڑی ہے)

روایت ہے کہ حضرت ایشاں علیہ الرحمتہ و الرضوان فرماتے کہ ایک مرتبہ مجھے لے جا کر قطب الاقطاب کے مرقدِ مقدس کے آنگن میں حاضر کر دیا گیا ۔ جب مجھے خلعتِ قُطبت (قطب ہونا) مرحمت فرمائی گئی تو میں نے وہاں دیکھا کہ شیخ کمال بھی میرے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے اور اس وقت عطیّات اور درجات میں سے جو کچھ بھی مجھے عنایت ہوا ، میں نے اسے بھی اُسی وقت دلا دیا ۔

منقول ہے کہ گروہِ عالی کی راہ میں سلوک کی ابتدا سے طریقۂ متصوّفہ کے کسب کی انتہا تک بندگی شیخ کمال کی مصروفیت کا وظیفہ بس یہی تھا کہ وضو کر کے دست بستہ حضرت علیہ الرّحمتہ و الرّضوان کی طرف مُنہ کیے کھڑے ہو جاتے اور تمام رات مسکن اور مقامِ منوّرہ کی طرف توجہ کیے ، ایک ہی قیام میں بسر کرتے اور اگر طبیعت بشری کے تقاضے کے طور پر کچھ دیر کے لیے ان پر غفلت اور غشی سی طاری ہو جاتی تو ٹھیک ہونے پر اسی وقت نئے سر سے وضو وغیرہ کرتے اور اسی طرح دستِ ادب باندھ کر (حضرت کی طرف) متوجہ ہو جاتے ۔ زندگی بھر مبارک حجرۂ نشیمن کی طرف پیٹھ کر کے نہ

بیٹھے اور اِس حاضری کے دوام میں معمولی سی بھی کوتاہی اور فتور کو اپنے لیے روا نہ جانتے۔

بیت:

یک چشمِ زدن غافل زآن ماہ نباشم　　ترسم کہ نگاہے کند آگاہ نباشم (؟)

(میں اُس ماہ سے ایک پلک جھپکنے جتنا بھی غافل نہیں رہتا　　میں ڈرتا ہوں کہ وہ نگاہ کرے اور میں آگاہ نہ ہوں (؟))

منقول ہے کہ بندگی شیخ حاضر تھے ۸۔ وہ نفسانی لذت و عیش کی طرف کبھی مائل نہ ہوئے۔ یوم التمیز (عقل و ہوش کے دن) کی صبح کے انکشاف کے آغاز سے وہ آبِ حیات کی مانند تنگ و تاریک گوشوں میں معتکف رہے اور کبھی گناہِ کبیرہ بلکہ صغیرہ کے بھی مرتکب نہ ہوئے۔ ایک دن حضرت علیہ الرحمتہ والرضوان نے شیخ سے فرمایا کہ: حقیقتوں کے دقائق (گہری باتیں، نکتے) کا ذوق تیرے دل کے مذاق (ذائقہ) کے لیے کچھ اتنا لذّت بخش نہیں اور سخنِ محبت کا ساغر، جیسا کہ چاہیے، بیکلی کے بغیر نہیں ملتا (؟)۔ گویا تو عالمِ عشق سے آشنا نہیں ہے اور تو نے مجازی محبت بھی اختیار نہیں کی جو اِس حرص و ہوس کے راستے ہی سے سہی، اُس بار گاہِ مقدس میں پہنچتا۔ وہ بولے؛ ہاں! میں نے کبھی اہلِ حُسن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا بلکہ میں تو اِس طریقے کا سرے سے منکر رہا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ: چند روز کے علاج سے برودت (سردی، خشکی، مراد روکھا پن) کی تبدیلی روشن ہو جائے گی ۹ (؟) اور سخنِ عشقِ حقیقی کی پذیرائی (قبول کرنا) حُسن کے روشن چراغ کے پروانے کا مزاج بن جائے گی؛ تاکہ تیرے دل کی آنکھ اس کے نظارے کی طرف متوجہ ہو۔ شیخ کمال کے لیے (یہ بات) شدید صعوبت کا باعث بنی اور ایک عجیب معاملہ سے وہ دو چار ہوئے (اس لیے کہ) نہ تو اہل حُسن کی طرف دیکھنے کی آرزو اور نہ حکمِ عالی سے سرتابی کی ہمت۔ مجبوراً، دلگیری کے عالم میں، ایک رہگذر پر جا بیٹھے جہاں سے چند عورتیں دودھ اور دہی لسی بیچنے کی خاطر گاؤں سے شہر جایا کرتی تھیں۔ اذیت کے ساتھ انہوں نے ایک زہرہ جبیں نازنین کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں اور ان کے دل کا دانہ اُس نازک اندام ہرنی کے رخسار کے

تار سے اٹک گیا ۔

نظم:

زہی عابد فریبی دل ربائی چنین زاہد کُشی ، شوخی ، بلائی
نہالِ تو پُر از باغ جوانی بسی خوشتر زآبِ زندگانی
مَلاحت را زِ حُسنش ۱۰ رنگ برُوی حوالت را ز لعلش آب درجُوی

(تیرے کیا کہنے ہیں ، تو عابد فریب ہے ، دل ربا ہے ۔ اِس قسم کی زاہد کُش ہے ، شوخ ہے ، بلا ہے ،
تیرا پودا جوانی کی تازگی سے پُر ہے ۔ تو آبِ حیات سے کہیں زیادہ عمدہ ہے ۔
تیرے حُسن ہی سے ملاحت یعنی نمکینی کے چہرے پر رونق ہے اور تیرے لعل یعنی ہونٹوں ہی کی بدولت حوالت ۱۱ [کذا] کی ندی میں پانی ہے)۔

زمین و زمان کی اس پناہ (شیخ داؤدؒ) کی تاثیر سخن سے شیخ کا دل حُسن و ملاحت کے صحرا کے اس غزال رعنا کی الفت میں شدید گرفتار ہوگیا اور ان کا صبروسکون ایک دم جاتا رہا ۔

بیت:

در عالمِ عشق ہر کجا برنائیست عاشق بادا کہ عشق خوش سودائیست

(جہانِ عشق میں جہاں کوئی جوان [یا شباب] ہے خدا کرے وہ عاشق ہو کیونکہ عشق ایک اچھا جنون ہے)

یہاں تک کہ تھوڑی ہی مدت میں شرابِ عشق کی تیزی اور نشاے محبّت کا غلبہ اِس حد تک بڑھ گیا کہ حضرت کے باہر آنے اور مجلس کے وقت بھی وہ حاضر نہ ہوتے ۔

بیت:

آری بسوادِ خطِ خوبان چو رسد درمانَد نکتہ دانی کہ سبق می دہد افلاطون را

(ہاں ، وہ نکتہ دان جو افلاطون کو درس دیتا ہے ، جب حسینوں کے خط کے ۱۲ علاقے میں پہنچتا ہے تو عاجز رہ جاتا ہے)

وقت بے وقت اسی راستے پر ، ایک نگاہ ڈالنے کی خاطر بیٹھے اور مرغ وصل کی آرزو میں آنکھوں سے اشکوں کے دانے گراتے رہتے ۔ ایک روز حضرت ایشاں علیہ الرحمتہ و

الرضوان نے احباب سے پوچھا کہ شیخ کمال کے احوال کس ڈگر پر ہیں ۔ حضرت کو ان کی دل بستگی اور آشفتگی کی حقیقتِ حال بتائی گئی ۔ حضرت نے ایک خادم کے ہاتھ بھیجا کہ حُسن پرستی کی مدت چالیس دن تک پہنچی ہے یا نہیں؟ شیخ کمال کو اپنی اِس صورتِ حال میں کچھ بھی یاد نہ رہا تھا ، تاہم کچھ حساب کتاب اور اندازہ کر کے یہ پتا چلا کہ کچھ اوپر ایک ماہ ہو چلا ہے۔ جس روز چلۂ عشق مکمل ہوگیا اسی روز حضرت نے شیخ کمال کے سر پر خوش بختی کے سائے ڈال دیے ۔ اُنہیں حضرت نے سر بزانو اور بحر عشق میں مستغرق پایا ۔ حضرت نے ان سے پوچھا کہ: تیرا وہ مطلوب (محبوبہ) کِس طرف سے نمودار ہوتا ہے ۔ شیخ کمال نے اس طرف کا بتایا ۔ حضرت ، شیخ کا ہاتھ پکڑ کر اُسی طرف بڑھ گئے اور اسی راستے میں کھڑے ہو گئے ۔ اچانک عورتوں کی ایک جماعت قطار باندھے دُور سے نمودار ہوئی ۔ حضرت نے شیخ کمال سے پوچھا: تیری محبوبہ وہی ہے جو سب سے آگے آ رہی ہے ۔ شیخ نے نفی میں جواب دیا ۔ پھر فرمایا: تو وہ کون سی ہے ۔ شیخ نے عرض کیا: وہ تیسرے نمبر پر پیچھے خراماں چلی آ رہی ہے ۔ فرمایا کہ: دُور سے تو وہ سبھی ایک سی نظر آتی ہیں ، تو نے اسے کس بِنا پر پہچانا اور دوسروں سے الگ جانا؟ شیخ بولے: اثنائے خرام میں جب وہ ہاتھ جھٹکتی تھی تو اس کی ضرب سے میرا جگر لرز اٹھتا تھا ۔ حضرت نے شیخ کا دستِ مبارک اپنے مبارک ہاتھ میں تھاما اور حُجرے کو لوٹ گئے اور فرمایا کہ: تو ایک مدت بت پرست رہا۱۲ اور تیرا مسجود و معبود وہی عورت تھی جس سے تجھے محبت ہو گئی تھی اور جس کی حُب کا نقش تو دل کے صفحے پر لکھتا رہا ۔ (پھر حضرت نے) اسی لمحے محبت کی یہ تحریر اس کے دل کے دفتر سے صاف مٹا دی اور اس کی جگہ نقشِ صمدی بٹھا دیا اور اُن کے رُوئیں رُوئیں کو عشق و محبتِ حق میں محو کر دیا ع:
بُردند مرا و دیگری آوردند (مجھے لے گئے اور دوسرے کو لے آئے)۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

نظم:

عشق است نظامِ کارِ عالم	بر عشق بود مدارِ عالم
کونین چو جسم و عشق جان است	دُردانۂ بحرِ لا مکانست
عکسی ز جمالِ ذوالجلالست	طُغرای مثالِ بی مثالست

(دنیا کے کاروبار کا نظام عشق سے ہے ۔ کائنات
کونین جسم کی مانند اور عشق ، روح ہے ۔ وہ یعنی
موتی ہے
ذوالجلال کے جمال کا ایک عکس ہے ۔ اس بے مثال سے
مُہر وغیرہ پر بنا ہوا] ہے)۔

روایت ہے ایک روز حاجی معین الدین نے ، جو اربابِ [illegible]ین کے پیشوا اور اس قدوۃالعارفین (عارفوں کے امام) کے اصحاب کے سرگروہ تھے ، مقتداے احباب (احباب کے پیشوا) شیخ عبدالوہاب سے کہا کہ: میں تمھیں بندگی شیخ کمال سے نسبت و تعلق کے ضمن میں اعتقاد و انقیاد (اطاعت) کے مرتبے پر پاتا ہوں بلکہ اُن کی موجودگی اور حضور کے پرتو میں تو تمھیں مطلق محو اور مضمحل دیکھتا ہوں ، اس کا سبب کیا ہے؟ حالانکہ مَیں دقائق حقائق (حقیقتوں کی گہری باتیں) اور بیانِ معارف ، زبانِ فیض ترجمان سے سنتا اور اس کے ادراک کے انوار تم میں مشاہدہ کرتا ہوں ، اِس سے کمتر دیکھا اور سنا ہو تو مجھے اس لطیفۂ بدیع (نادر عمدہ چیز ، بات) سے متعلق اطلاع دو ۔ اس وقت شیخ عبدالوہاب ، نور محل کے بُستان سرا کی فرحت افزا فضا میں بیٹھا ہوا تھا ۔ اس جگہ پانی کی ایک بہت بڑی صراحی پڑی تھی اور اس کے سامنے دو شاخہ کی لکڑی کے ساتھ ایک چھوٹا سا برتن بندھا ہوا تھا جس سے صوفی اور درویش صراحی میں سے پانی نکال کر کوزے اور پیالے میں ڈالتے اور کام میں لاتے ۔ شیخ عبدالوہاب نے حاجی معین الدین کو جواب دیا کہ: میری دانش و ادراک کا حوصلہ بندگی شیخ کمال کی عظمتِ معرفت اور وسعتِ ادراک کے سامنے اِس ظرف کی مانند مختصر ہے اور صراحِی ملک (کمال ؟) کے پہلو میں اِس سے بھی کمتر ۔

حاجی معین نے کہا: تم نے جن باتوں کا اظہار کیا ہے وہ خمول (گمنامی) و انکسار کی حامل ہیں ۔ بہر حال اس کے لیے واضح الفاظ اور روشن نشان کی ضرورت ہے تاکہ ظاہری طور پر دلوں کی تسکین کا سامان ہو ۔ شیخ عبدالوہاب نے فرمایا کہ: پرسوں اِس بات کی ، جو میں نے تجھ سے کہی ہے ، دلیل تجھ پر روشن ہو جائے گی ، اُس وقت تو جان لے گا کہ جو کچھ میں کہتا ہُوں وہ صحیح اور حقیقت کے مطابق ہے اور کسی انکسار اور عاجزی و فروتنی کے باعث نہیں ہے ۔ اتفاق سے مذکورہ دن حضرتِ مودود (دوست رکھا گیا ،

الرضوان نے احباب سے پوچھا کہ شیخ کمال کے احوال کس ڈگر پر ہیں ۔ حضرت کو ان کی دل بستگی اور آشفتگی کی حقیقتِ حال بتائی گئی ۔ حضرت نے ایک خادم کے ہاتھ بھیجا کہ حُسن پرستی کی مدت چالیس دن تک پہنچی ہے یا نہیں؟ شیخ کمال دا بہی اِس صورتِ حال میں کچھ بھی یاد نہ رہا تھا ، تاہم کچھ حساب کتاب اور اندازہ کر کے یہ پتا چلا کہ کچھ اوپر ایک ماہ ہو چلا ہے۔ جس روز چلّۂ عشق مکمل ہوگیا اسی روز حضرت نے شیخ کمال کے سر پر خوش بختی کے سائے ڈال دیے ۔ اُنہیں حضرت نے سر بزانو اور بحر عشق میں مستغرق پایا ۔ حضرت نے ان سے پوچھا کہ: تیرا وہ مطلوب (محبوبہ) کِس طرف سے نمودار ہوتا ہے ۔ شیخ کمال نے اس طرف کا بتایا ۔ حضرت ، شیخ کا ہاتھ پکڑ کر اُسی طرف بڑھ گئے اور اسی راستے میں کھڑے ہو گئے ۔ اچانک عورتوں کی ایک جماعت قطار باندھے دُور سے نمودار ہوئی ۔ حضرت نے شیخ کمال سے پوچھا: تیری محبوبہ وہی ہے جو سب سے آگے آ رہی ہے ۔ شیخ نے نفی میں جواب دیا ۔ پھر فرمایا: تو وہ کون سی ہے ۔ شیخ نے عرض کیا: وہ تیسرے نمبر پر پیچھے خراماں چلی آ رہی ہے ۔ فرمایا کہ: دُور سے تو وہ سبھی ایک سی نظر آتی ہیں ، تو نے اسے کس بِنا پر پہچانا اور دوسروں سے الگ جانا؟ شیخ بولے: اثنائے خرام میں جب وہ ہاتھ جھٹکتی تھی تو اس کی ضرب سے میرا جگر لرز اٹھتا تھا ۔ حضرت نے شیخ کا دستِ مبارک اپنے مبارک ہاتھ میں تھاما اور حُجرے کو لوٹ گئے اور فرمایا کہ: تو ایک مدت بت پرست رہا۱۲ اور تیرا مسجود و معبود وہی عورت تھی جس سے تجھے محبت ہو گئی تھی اور جس کی حُب کا نقش تو دل کے صفحے پر لکھتا رہا ۔ (پھر حضرت نے) اُسی لمحے محبت کی یہ تحریر اس کے دل کے دفتر سے صاف مٹا دی اور اس کی جگہ نقشِ صمدی بٹھا دیا اور اُن کے رُوئیں رُوئیں کو عشق و محبتِ حق میں محو کر دیا ع: بُردند مرا و دیگری آوردند (مجھے لے گئے اور دوسرے کو لے آئے)۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

نظم:

عشق است نظامِ کارِ عالم — بر عشق بود مدارِ عالم

کونین چو جسم و عشق جان است — دُردانۂ بحرِ لا مکانست

عکسی ز جمالِ ذوالجلالست — طُغرای مثالِ بی مثالست

(دنیا کے کاروبار کا نظام عشق سے ہے ۔ کائنات کا مدار عشق پر ہے
کونین جسم کی مانند اور عشق ، روح ہے ۔ وہ یعنی عشق لامکان کے سمندر کا [قیمتی]
موتی ہے
ذوالجلال کے جمال کا ایک عکس ہے ۔ اس بے مثال کے فرمان کا طُغرا [خاص نشان ،
مُہر وغیرہ پر بنا ہوا] ہے)۔

روایت ہے ایک روز حاجی معین الدین نے ، جو اربابِ یقین کے پیشوا اور اس قدوۃالعارفین (عارفوں کے امام) کے اصحاب کے سرگروہ تھے ، مقتداے احباب (احباب کے پیشوا) شیخ عبدالوہاب سے کہا کہ: میں تمہیں بندگی شیخ کمال سے نسبت و تعلق کے ضمن میں اعتقاد و انقیاد (اطاعت) کے مرتبے پر پاتا ہوں بلکہ اُن کی موجودگی اور حضور کے پرتو میں تو تمہیں مطلق محو اور مضمحل دیکھتا ہوں ، اس کا سبب کیا ہے؟ حالانکہ مَیں دقائق حقائق (حقیقتوں کی گہری باتیں) اور بیانِ معارف ، زبانِ فیض ترجمان سے سنتا اور اس کے ادراک کے انوار تم میں مشاہدہ کرتا ہوں ، اِس سے کمتر دیکھا اور سنا ہو تو مجھے اس لطیفۂ بدیع (نادر عمدہ چیز ، بات) سے متعلق اطلاع دو ۔ اس وقت شیخ عبدالوہاب ، نور محل کے بُستان سرا کی فرحت افزا فضا میں بیٹھا ہوا تھا ۔ اس جگہ پانی کی ایک بہت بڑی صراحی پڑی تھی اور اس کے سامنے دو شاخہ کی لکڑی کے ساتھ ایک چھوٹا سا برتن بندھا ہوا تھا جس سے صوفی اور درویش صراحی میں سے پانی نکال کر کوزے اور پیالے میں ڈالتے اور کام میں لاتے ۔ شیخ عبدالوہاب نے حاجی معین الدین کو جواب دیا کہ: میری دانش و ادراک کا حوصلہ بندگی شیخ کمال کی عظمتِ معرفت اور وسعتِ ادراک کے سامنے اِس ظرف کی مانند مختصر ہے اور صراحِی ملک (کمال ؟) کے پہلو میں اِس سے بھی کمتر ۔

حاجی معین نے کہا: تم نے جن باتوں کا اظہار کیا ہے وہ خمول (گمنامی) و انکسار کی حامل ہیں ۔ بہر حال اس کے لیے واضح الفاظ اور روشن نشان کی ضرورت ہے تاکہ ظاہری طور پر دلوں کی تسکین کا سامان ہو ۔ شیخ عبدالوہاب نے فرمایا کہ: پرسوں اِس بات کی ، جو میں نے تجھ سے کہی ہے ، دلیل تجھ پر روشن ہو جائے گی ، اُس وقت تو جان لے گا کہ جو کچھ میں کہتا ہُوں وہ صحیح اور حقیقت کے مطابق ہے اور کسی انکسار اور عاجزی و فروتنی کے باعث نہیں ہے ۔ اتفاق سے مذکورہ دن حضرتِ مودود (دوست رکھا گیا ،

مراد شیخ داؤد) قادریہ شہود یعنی (قادری صورت) جب باہر آئے تو چاردری پر جانب مغرب کمری کے سائے میں بیٹھ گئے اور احباب کے ساتھ باتوں اور مواعظ میں مشغول ہو گئے ۔ بندگی شیخ کمال شمال کی طرف کسی کام میں مصروف تھے ۔ حضرت کی نشست اور شیخ کمال کی مجلس (بیٹھنے کی جگہ) کے درمیان فاصلہ اِس حد تک تھا کہ ایک دوسرے کی آوازِ سخن اور بات سُننا قطعاً ممکن نہ تھا ، پھر لوگوں کے ہجوم نے بھی راستہ مسدود کر رکھا تھا ۔ جب حضرت علیہ الرحمتہ والرضوان مجلس سے اٹھ کر اندر چلے گئے تو تمام اصحاب و احباب شیخ عبدالوہاب کی معیت میں بندگی شیخ کمال کی خدمت میں آ بیٹھے ۔ کچھ دیر کے بعد بندگی شیخ کمال نے یاروں سے پوچھا کہ آج حضرت نے کس کلمہ و کلام سے احباب کے دلوں کے سکون کا سامان کیا ۔ وہ باتیں آغاز سے آخر تک دُہرا دیں تاکہ ہم بھی ان سے بہرہ مند ہوں ۔ مجبوراً شیخ عبدالوہاب نے تقریرِ دلپذیر دہرانا شروع کی اور جو کچھ اس دن حضرت ایشاں سے سُنا تھا ایک ایک کر کے بندگی شیخ کمال کی خدمت میں سنا دیا ۔ جب آغاز سے آخر تک کی سب باتیں اس نے سنا دیں تو شیخ کمال نے فرمایا کہ آج حضرت کے کلام میں جو دو جامع الفاظ بنیادی صورت کے حامل ۱۴ تھے انہیں کسی نے نہیں سمجھا اور نہ یاد رکھا ، اس لیے کہ اس قسم کے بے بہا جواہر کو سمیٹنا ہر کسی کے سامعہ کے بس کی بات نہیں ۔

دُر در گوش ہر کس جان ندارد (موتی ہر کسی کے کان میں جان [کذا] نہیں رکھتا)

شیخ عبدالوہاب نے ان دو باتوں کے بارے میں پوچھا تو بندگی شیخ کمال نے فرمایا کہ : ایک فلاں اور دوسری فلاں ، تعجب ہے کہ تجھے یاد ہی نہیں ۔ سب احباب جو اِن دونوں صحبتوں میں موجود تھے ، بہت حیران و متعجب ہوئے کہ شیخ عبدالوہاب جیسے بلند فطرت اور صاحبِ ادراک عارف نے بھی قرب و حضور کے باوجود مذکورہ کلمات ضبط و محفوظ نہ کیے اور وہ (شیخ کمال) حجابِ دُوری کے پیچھے اور ظاہری غیبت کے ہوتے ہوئے اِس حد تک ماہر اور حاضر ہیں ۔ جب صحبت برخاست ہوئی تو شیخ عبدالوہاب نے حاجی معین الدین سے کہا کہ تو نے دیگر احباب پر شیخ کمال کے مرتبے اور مقام و منزلت کا تفاوت دیکھا اور تجربے سے دیکھ لیا کہ ان (شیخ) کی دوری و حجاب ہمارے قرب و حضوری کے برابر ہے ، پایۂ مقامات و کمالات کا تو ذکر ہی کیا ۔

بیت:

بی تامّل او سخن گوید چنان   کزپس پانصد (؟) تامّل دیگران

(وہ تامّل کیے بغیر اِس طرح بات کرتا ہے جس طرح دوسرے پانچ سو [کذا] مرتبہ تامّل کرنے کے بعد بات کرتے ہیں)

روایت ہے کہ حضرت ایشاں علیہ الرحمتہ والرضوان فرمایا کرتے کہ حق سبحانہ' تعالی و تقدس نے مجھے ارشاد و تلقین کی مَسند پر بٹھایا اور ہر قسم کے لوگوں کو توبہ تِلّا کے ارادے اور ارادت کی نیت سے میری طرف بھیجا ہے اور ہزاروں لوگ خدا تک رسائی کے نام پر آئے ، لیکن جب میں نے ان کا بغور جائزہ لیا اور طریقت کا جواب پایا تو میں نے دیکھا کہ بعض لوگ تو بہشت کے طالب اور دوزخ سے خائف نکلے ، بعض درویشی اور شیخوخت کی جاہ و منزلت کے جویا ، کچھ ناموس و دولت کے عاشق اور بعض اسم و رسم کے خواہاں نکلے ۔ تاہم جن لوگوں کو ذاتِ پاکِ حق کے طالب اور معبودِ مطلق کے خواہاں کہا جا سکتا ہے اور جن کی ہمت (قصد و ارادہ ، حوصلہ ، دُعا) کا باعث کوئی غرض نہیں ہے ، ایسے صرف دو آدمی میرے پاس آئے ، ایک تو شیخ کمال اور دوسرا عبدالوہاب ۔

بیت :

نمی خواہد کمال از یار جُز یار   بیاموزید درویشان گدائی

(کمال ، یار سے سوائے یار کے اور کچھ نہیں چاہتا ۔ درویشو! گدائی [کا انداز] سیکھ لو)

منقول ہے کہ کسی بیوہ عورت کا ایک پیارا سا بیٹا تھا جس کی روح کا پرندہ ، اس کے سنِ بلوغ تک پہنچنے سے پہلے ہی قفسِ عُنصری سے پرواز کر گیا ۔ وہ بُڑھیا حالتِ دیوانگی میں ، مصیبت کا چہرہ بے صبری کے ناخنوں سے چھیلے اور مردہ بیٹے کا لاشہ اٹھائے حضرت ایشاں علیہ الرحمتہ والرضوان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس کے زندہ کرنے کی استدعا کرنے لگی ۔ حضرت نے امرِ ضروری کے آگے صبر و تسلیم کی رغبت دلانے کے بعد فرمایا کہ اسے اٹھا اور دفن کر دے ۔ اس دیوانی نے درد آلود چہرے کے ساتھ ، اس لاشہ کو وہاں سے اٹھایا اور بندگی شیخ کمال کے حجرے کا رخ کیا ۔ وہ اس وقت بحرِ شکر میں غرق تھے ۔ اُس بوڑھی عورت نے خونین اشکوں اور درد بھرے نالوں سے شیخ کا دل ہلا کے رکھ دیا ۔ چنانچہ شیخ نے بے تامّل بچے کا ہاتھ پکڑا اور کہا "قُم باذن اللہ تعالیٰ" (اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ کھڑا ہو)۔ شیخ کمال کے اشارہ کرتے ہی وہ لڑکا اسی وقت زندہ ہو گیا

اور کھیلتے کودتے ماں کے ساتھ اسی راہ سے گیا جو حضرتِ ایشاں کی نشستگاہ تھی ۔ جب حضرت اِس واقعے سے آگاہ ہوئے اور اس عورت اور بچّے کو انہوں نے پہچان لیا تو انہیں بڑا غصّہ آیا ۔ بولے: کمال دیوانہ ہوگیا ہے ، اُسے مقیّد رکھنا چاہیے ۔ غصّے کی حالت میں اُٹھے اور شیخ کے حجرے میں پہنچ کر انہیں اپنے دونوں ہاتھوں سے اٹھا باہر لے آئے اور خانقاہ کے کنوئیں میں الٹا لٹکا دیا اور اس کنوئیں کا منہ لکڑی اور گھاس پھونس سے ڈھانپ دیا ۔ آخر دو ماہ کے بعد انہیں کنوئیں کے اس حبس سے نکالا اور ڈانٹ ڈپٹ پلائی کہ آج کے بعد سے پھر ایسا کام کبھی نہ کرنا ۔

روایت ہے کہ سُلطان التارکین (دنیا ترک کرنے یعنی دنیا سے بے نیاز حضرات کے بادشاہ) اور قدوۃالعارفین (عارفوں کے پیشوا) حضرت میاں حبیب محمد قدس سرّہ فرماتے تھے کہ حضرت اِیشاں علیہ الرحمتہ والرضوان ، شیخ کمال پر فورًا مہربان ہو گئے اور انہوں نے جلد ہی اس کی تقصیر سے درگذر کی وگرنہ وہ اس فعل پر اس سزا کے مستحق ہو چکے تھے کہ ساری عمر ہرگز اس قید خانے سے نجات نہ پاتے ، اس لیے کہ وہ انتہائی سُکر کے باعث اس فعل کے مرتکب ہوئے تھے اور اہلِ سُکر قیدِ دوام کے مستحق ہیں ۔

اس دارِ ملال سے بندگی شیخ کمال کی رحلت حضرت ایشاں علیہ الرحمتہ والرضوان کے سال وصال ہی میں ، چھ ماہ کے وقفے سے ، ہوئی ۔

نظم:

در چترِ این سپہر نا پیدا آغوز ۱۵   جامی است کہ جُملہ را چشانید بروز
نوبت چو رسد عربدہ نتوان کردن   باساقی این جور کہ دوراست بہ حوز

(اس نا پیدا کنار آسمان کے چتر میں ایک جام ہے جو اس نے سب کو آشکارا چکھایا ہے (؟) جب باری آجائے تو پھر لڑائی جھگڑا نہیں کیا جا سکتا ، اس جور (؟) کے ساقی سے جو دشمنی (؟) سے دور ہے)

شیخ عبدالوہاب کے احوال کا ذکر

تجرّد کی بلندی کا ہُما ، تفرّد (یگانہ ، تنہا) کی فضا ، عنقا ، بحرِ وحدت کا مگرمچھ ، لاہوت کے بیابان کا چِیتا ، تحقیق (حقیقت) کا جامِ جہاں نما ، وادیِ توفیق کے سالکوں کا ہادی ، اسرارِ معارفِ الٰہی کا مخزن ، نامتناہی عوارف کے انوار کی درخشانیوں کا گلشن ، جواہر معانی (حقیقت کے موتیوں) کا خزانہ ، فیوض کے نزول کا مرکز ، فانی مطلق باقی بحق ۱۶ ، قدوۃ الاصحاب شیخ عبدالوہاب قدس سرّہ العزیز ، یگانۂ روزگار اور صوفیِ صاحب اسرار تھے ۔ وہ بلند فطرت اور ارجمند معرفت کے مالک تھے ۔ بلوغت کی بہار کی درخشانی کے آغاز اور شعور کے شجر کے پھوٹنے کی ابتدا ہی سے حضرتِ ایشاں علیہ الرحمتہ والرضوان کے حضور تربیت کے شرف سے مشرف ہوئے ۔ قریش کے قبیلۂ جمیلہ (خوبصورت قبیلے) سے تعلق تھا ۔ بچے ہی تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔ میر چاکر کے اقتدار کے زمانے کے ظہور میں ، جو اشرافِ رواں کے مجمع اور اعیانِ زماں (زمانے کے بڑے لوگ) کے مرجع کے مرکز کا دائرہ تھا ، ان کے والد سنگھرا کے علاقے میں سکونت پذیر تھے ۔ ابھی حدِ بلوغت کو نہ پہنچے تھے کہ باپ اور ماں دونوں فوت ہو گئے ۔ اِس مصرع کے مصداق کہ: دُرِ یتیم را ہمہ کس مُشتری بود (قیمتی موتی کا ہر کوئی خریدار ہوتا ہے) ان کے ایک صاحبِ حال ۱۷ و منال ماموں نے انہیں اپنی فرزندی میں لے لیا اور ان کی تربیت و پرورش کی طرف توجہ کی ۔

منقول ہے کہ شیخ کی طبیعت بچپن ہی سے کمال فہم و ذکا سے آراستہ تھی اور ان کی فطرت کا جوہر بلوغت سے قبل ہی پرتوِ دانش وادراک سے پیراستہ تھا ، اور صغر سنی ہی میں وہ اکثر ایسی باتیں کر جاتے جو حاضرین کی سامعہ و باصرہ پر تعجب و تحیر کا عکس ڈال دیتیں ۔ ایک مرتبہ عید کے موقع پر ان کے ماموں نے بیٹوں کے لیے دستار اور لنگ خریدیں ۔ جب شیخ کے لیے بھی پگڑی خریدنے کی باری آئی تو بزاز نے اس کی قیمت بڑھا چڑھا کر بتائی ۔ مجبوراً انہیں وہ دکان چھوڑ کر دوسری دکان کی طرف بڑھنا پڑا ۔ اسی اثنا میں اُس بزاز نے پھر پیچھے سے آواز دی کہ میں نے ایک اور پگڑی نکالی ہے ۔ ماموں نے سوچا کہ آخر یہ بزاز تو وہی ہے جس نے وہ قیمت بتائی تھی ۔ اس عالمِ

طفولیت میں اس انوکھی لطیف بات کی وقوع پذیری اُن کے ماموں کے لیے باعثِ تعجب ہوئی ۔ وہ بہت مسرور و محفوظ ہوئے اور شیخ کے حق میں حسنِ ظن بڑھنے کے باعث وہ ان کی پرورش و تربیت کی طرف زیادہ متوجہ ہو گئے ۔

روایت ہے کہ شیخ عبدالوہاب دقیقہ فہمی اور موسیقی کے دقایق کی ہنردانی میں ، جو ہر اعلیٰ و ادنیٰ کے فہم و ادراک کے جوہر کو غبار آلود کر دیتے ہیں ، بے نظیر تھے ۔ اور اِس فن کے دانشوروں کے سردار بھی ان کی سمجھ بوجھ کے مقابلے میں اپنی ناواقفیت و نادانی کا اعتراف کرتے ۔ اِس فنِ ارجمند سے واقفیت کے آغاز کے بارے میں کچھ اِس طرح فرماتے تھے کہ : جب شیر خان افغان (سُوری) کا بیٹا اسلام خان اِس جہان سے کوچ کر گیا تو ممریز خاں ، جو اس کا سالا تھا ، اُس کا سر آغوش میں لے کر تختِ سلطنت پر بیٹھا ۔ آخر کار ممریز خان نے چند روزہ دنیوی دولت کے لالچ میں اور عارضی عشرت و طرب کی خاطر ایک بھانجے کو تخت پر مار ڈالا اور دوسرے کو بہن کے زانو سے اٹھا کر زمین پر دے پٹخا اور اس بے رحمی و سنگ دلی کے باوصف اس نے خود کو "عدلی" کے لقب سے ملقّب کیا ۔ اس (ممریز) نے چند کاملِ فن کلاوتنوں (گانے بجانے والوں) کو مسلمان کیا اور نماز کے احکام و ارکان کی تعلیم کی خاطر ان کے سپرد کر دیا ، کیونکہ وہ اِنھیں سبق دیتے تھے ، اور اس کے حفظ و ضبط کاانحصار شیخ پر رکھا ۔ تعلیم سے فراغ خاطر کے بعد شیخ انھیں گانے بجانے کو فرماتے ۔ کلاونت جو کچھ گاتے ، شیخ اپنی عظمتِ فطرت اور علوِ ادراک کی بنا پر ، سُنتے ہی سب کچھ یاد کر لیتے اور اس فن کے مضامین کی گہرائیاں اور اسلوبِ قوانین سبھی ازبر کر لیتے ۔ یہاں تک کہ تھوڑی ہی مدت میں اس ضمن میں اِس قدر غور کیا کہ دوسروں کا فہم و اِدراک سالوں میں بھی ایسا نہ کر سکے ۔

تو جب ان (شیخ عبدالوہاب) کے پسندیدہ افعال ماموں اور ان کی بیوی اس دارِ وبال سے رحلت کر گئے تو تنہائی اور بیکسی کے ملال سے ان کا دل بیحد آزردہ ہوا ۔ دل بہلانے کی خاطر انھوں نے پردیس کی راہ لی اور پھرتے پھراتے سنگھرا کی طرف متوجہ ہوئے اور ملک سہنسو کھیل (کذا) کے قبیلے میں پہنچ گئے جو دریاے بیاس کے کنارے آستانۂ مبارک سے دو ۱۸ کوس کے فاصلے پر مقیم تھا ۔ یہاں اس کی مسجد کے کونے میں بچوں کے درس کی تکرار (دُہرانا) میں اُنھیں آرام ملا ۔ اسی دوران میں (ایک موقع پر) فضل و افضال کے پروں والے اس ہُما نے نماز ادا کرنے کی خاطر اسی مسجد کو مہبطِ نورِ

حضور (موجودگی کے نور کے اترنے کی جگہ) اور رشکِ بیت المعمور۱۹ بنایا ۔ جب فیض اثر نظر کے ساغر کا دَور ، جو ہر چھوٹے بڑے پر یکساں چلتا تھا ، شیخ عبدالوہاب تک پہنچا تو آفرینش کے اُس خُلاصہ کی بصیرت کے صراف نے ان (شیخ) کے کمالات کو پرکھ لیا (جان لیا) اور ان کی سرداری کے جوہر اور چہرے پر نجابت کے آثار کی روشنیوں کی نہایت و غایت کو تاڑ لیا ۔ ملک سہنسو سے پوچھنے لگے کہ یہ دُرِ یتیم یہاں کب پہنچا ۔ اس نے عرض کیا کہ دو تین ہفتے ہوئے اِس مکتب میں وارد ہوا تھا اور اب بچوں کے سبق کی تکرار میں آرام و قرار پاتا ہے ۔ حضرت اِیشاں اس عظیم الشان لڑکے کو اُس ویرانے سے اپنے ساتھ آستانے کی طرف لے آئے اور شہر سے باہر اُس جگہ اُسے سکونت کی اجازت دے دی جہاں اب باغ تُرشاوہ (مالٹوں سنگتروں کا باغ) ہے ۔ اُس زمانے میں یہ جگہ نشیب کی صورت میں تھی جہاں شدید بارشوں کے موسم میں بہت زیادہ پانی جمع ہو جاتا اور سردیوں میں خوید (جو وغیرہ کا ہرا پودا) اور میتھی کا سبزہ عجب بہار دکھاتا ۔ چمنستانِ اسرار کے اِس نورس (تازہ پھل) کو سب سے پہلے اِس سبزہ زار کی محافظت و نگہبانی کی خدمت سونپی گئی ۔ وہ مظہرِ فیضِ اکبر (یعنی شیخ داؤدؒ) اُس مَرغزار میں ہر صبح ایک مرتبہ تو طلوعِ آفتاب کے وقت فرید الدین عطّار کی (مثنوی) منطق الطیر ۲۰ کا سبق عنایت فرماتے اور جب اسے ختم کر لیتے تو عبدالرحمان جامی کی لوائح ۲۱ اس (شیخ وہاب) کے ہاتھ میں دے دیتے اور یُوں اس کے حفظ سے اس کی فطرت کے چہرے پر معرفت کا دریچہ کھول دیتے ۔ ایک برس تک یہ سلسلہ یونہی جاری رہا ۔ جب اُس کے ڈاڑھی آ گئی تو حکم ہُوا کہ (شیخ داؤدؒ) کے باہر آنے اور چار دری پر مجلس برپا کرتے وقت بھی شرفِ حاضری سے مشرّف ہو اور اصحابِ ولایت کی لڑی میں پرویا جائے ۔ اس صحبت میں اُن (شیخ وہاب) پر معرفت کے اتنے دروازے کُھلے اور ہدایت کے اتنے اسباب میّسر آئے کہ دوسرں کو تعیّنات اور گوناگوں ریاضتوں کے بعد بھی میسّر نہ آ سکیں:

بیت:

آنکہ بہ تیر بُردند نظر از دشمنِ دین   طعنہ زند بروز ہم سخرہ کُند بہ ۔۔۔۔۔ (؟)

فیوضاتِ غیبیہ اور فتوحاتِ لاارسیبہ (جن میں کوئی شک نہ ہو ، یقینی) اُن میں کچھ اِس طرح اور اتنی ظاہر ہوئیں کہ حدّ و شمار سے باہر ہیں ۔ جو کوئی بھی اُن (وہابؒ) سے فنون و علوم کے بارے میں کچھ پوچھتا تو جواب میں ایسی باتیں سُنتا کہ متحیّر و مبہوت ہو کے رہ جاتا ۔

روایت ہے کہ شیخ عبدالوہاب "حضور" تھے (؟) اور نفس کی لذت کا قطعاً خیال نہ رکھتے ۔ ان کی ریاضت اور مجاہدے کا طریقہ بڑا ہی مشکل اور سخت تھا ، کیونکہ وہ "روزۂ طے" تین سے چالیس ۲۲ تک پہنچا دیتے (رکھتے) ، اور ہرگز یہ بھید کسی پر بھی ظاہر نہ ہونے دیتے اور نہ بتاتے ۔ ان کے وجود کا سراپا ، روح بن چکا تھا ۔ نفس کو ہر روز دن کی محنت ۲۳ سے گداز کرتے اور رات کے وقت اُسے (نفس کو) بیلچہ چلانے کی مشقت میں مشغول رکھتے ۔ وہ اِس طرح کہ عشاء کی نماز اور دعا و نیاز کے وظیفوں سے فارغ ہو کر ایک بیلچہ (کُدال) بغل میں رکھے سو جاتے اور جب لوگ نیند کے جُھولے میں آرام سے سو رہے ہوتے ، وہ چوری چوری اُٹھتے اور باہر جا کر ٹیلوں کی رہگذر کو ہموار اور صاف کرتے تاکہ آستانۂ مبارک میں آنے جانے والے آسانی سے گذر سکیں ۔ اور یہ جو راستے اور گذر گاہیں ہیں ، جن پر سے لوگ نشیب کی طرف آتے جاتے ہیں ، سبھی ان کے ساختہ و پرداختہ (بنائے ہوئے) ہیں ۔ لباس میں ایک اَزار (پاجامہ) ایک پیرہن (قمیض) اور چھوٹی سی پگڑی کے سوا اور کچھ نہ رکھتے ۔ سونے اور آرام کرنے کی خاطر انہوں نے ساری عمر میں کبھی حجرے اور چار پائی سے کام نہ لیا ۔ قیلولہ کے وقت اگر کوئی شخص چار پائی لا کر ان کے لیے بچھا دیتا تو کچھ دیر کے لیے اُسے سرِ راہ ڈال کر لیٹ جاتے اور ذرا آرام کر لیتے ، وگرنہ اُسی طرح زمین پر کروٹ رکھے کچھ دیر سو جاتے اور کسی سے بھی بستر اور اوپر لینے کے لیے کپڑا وغیرہ ہرگز نہ مانگتے ۔ رات کے وقت ایندھن کے ڈھیر پر ، جو نور محل کے درختوں والے صحن میں تودے کے صورت جمع ہوتا ، چڑھ بیٹھتے اور مشغول ہو جاتے ۔ جب وہ حقایق کی گہری باتیں بیان کرتے اور علوم سے متعلق زبان کھولتے تو تمام علما اور عرفا حیران رہ جاتے اور زبانِ حال سے گویا یہ مضمون ادا کر رہے ہوتے ۔

بیت:

من نمی دانم کہ ایں جنسِ سخن را نام چیست　　نی نبوت می توانم گفتنش نے ساحری

(مجھے نہیں معلوم اِس جنسِ سخن کا کیا نام ہے اسے نہ تو نبوت ہی کہا جا سکتا ہے اور نہ ساحری ہی)

حضرت ایشاں علیہ الرحمتہ والرضوان نے صاحبِ مقامات عالی حضرت شاہ ابوالمعالی

کو صوفیہ کے نادر طریقے کی مشق اور اس عالی گروہ کے آداب کی تعلیم کی خاطر ان کے سپرد کر رکھا تھا اور ان کی صحبت میں باقاعدگی کے ساتھ حاضر رہنے کی پابندی لگا رکھی تھی ۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابرار کے سردار اور اہلِ دانش و فرہنگ کے پیشوا شاہ ابواسحاق ۲۴ مزنگ نے ابتدائے سلوک و معرفت میں لاہور سے حضرت ایشاں علیہ الرحمتہ والرضوان کے لیے آم کے نہایت ہی نفیس اور معطر مربّے کا ایک ڈبا تحفے کے طور پر لیا اور زُبدۃالاصحاب شیخ عبدالوہاب کو آں حضرت (شیخ داوٗدؒ) کا مخاطبِ صحیح اور مصاحبِ فصیح جانتے ہوئے ان کے لیے بھی اسی مربّے سے بھرا ہوا ایک چھوٹا ڈبا الگ سے لیا ۔ جب وہ (اسحاق) حسین گڑھ کے قریب پہنچے تو انہیں پتا چلا کہ شیخ کسی کام کی خاطر یہاں تشریف رکھتے ہیں ۔ انہوں نے مربّے کا وہ برتن نکالا اور انہیں پیش کیا ۔ شیخ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اور کس کے لیے ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ: یہ کوزہ آپ کے لیے اور وہ بڑا کوزہ (برتن) حضرتِ ایشاں (شیخ داوٗدؒ) کے لیے ہے ۔ یہ سُنتے ہی شیخ عبدالوہاب پیچ و تاب کھا گئے ۔ انہوں نے اپنے والا کوزہ ان سے لیا اور اس زور سے دیوار پر مارا کہ ریزہ ریزہ ہوگیا اور غُصے اور عتاب میں فرمایا کہ: گویا اہل حقیقت کے جسم میں لعنت ملامت کا رکن ہے جو اُس سے یہ دُوئی اور نفاق کی جُنبش و حرکت ابواسحاق میں پیدا ہوئی ہے اور اُس تجویز و تمییز کے مادے سے اُس نے جُدائی اور دوجائی (دو جگہ ہونا) پیدا کی ۔ اسے علم نہیں کہ حقیقی مرید اپنے پیر کی ذات میں محو و مُبتلا ہوتا ہے ۔ وہی ایک کوزہ جو وہ حضرت پیر کی خاطر لایا ہے ہم سب کے لیے کافی و وافی ہے ۔ اس نے عجیب باطل سوچ کو اپنے دل میں راہ دی اور فکرِ باطل کا دریچہ اپنے اوپر کھولا ۔

مثنوی: (یہ رباعی ہے)

من از تو جدا نبودہ ام تا بودم   اینست دلیلِ طالعِ مسعودم
در ذاتِ تو نا پدیدم معدومم   و از نورِ تو ظاہرم اگر مجودم

(میں جب تک تھا تجھ سے جدا نہیں رہا ہوں ۔ یہ میرے مبارک نصیبے کی دلیل ہے اگر مَیں معدوم ہوں تو تیری ذات میں گُم ہوں اور اگر موجود ہوں تو تیرے نور سے ظاہر ہوں)

ابواسحاق وہاں سے حیرت زدہ اور پیشانی پر خجالت کا پسینہ لیے اس قطبِ آفاق کی خدمت میں پہنچے ۔ ڈرتے لرزتے پائے مبارک کو بوسہ دیا ۔ حضرت ایشاں نے باطن کے بلند نور

سے ماجرا جان لیا۔ تبسم کرتے ہوئے فرمایا: اسحاق تو نے راستے میں میرے بابو کو دیکھا (میرے بھائی سے ملاقات کی) اور محبت کی طریقت کو سمجھ لیا؟ تجھے چاہیے کہ میرے یاروں کو مجھ سے جدا ۲۵ نہ سمجھے، اور آج کے بعد سے اس قسم کی سوچ دل میں نہ آنے دے۔

این جوش عشق در دو سینہ یک می بود و دو آبگینہ

(دو دلوں میں عشق کا یہ جوش ایسے ہی ہے جیسے شراب ایک ہو اور آبگینے دو ہوں)

نظام کانجو نام کا ایک شخص کہ غریب و مفلس، مفلوک الحال اور کثیرالعیال تھا، شیر گڑھ میں سکونت پذیر تھا۔ وہ کبھی کبھی باربردار کرائے کے اونٹوں کے ساتھ، سامان لے کر ہندوستان کا بھی سفر کرتا۔ ایک دن کچھ نہ پانے اور عدمِ استطاعت کی حسرت لیے شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے بتایا کہ: میں نے ہند کے فلاں سفر میں عجیب قسم کا حلوا اور جلیبیاں کھائیں۔ جلیبی کا ایک حلقہ بڑا ہونے کے سبب حلق میں اٹکتا تھا۔ شیخ مسکرائے اور فرمانے لگے: جلیبی کی قسم کی لطافت ایسی نہیں ہے جیسی کہ تو نے بتائی ہے، یہ کوئی اور ہی چیز ہوگی جو تو نے کھائی۔ جب انہوں (شیخ) نے اس کے نفس کو غذا کے سلسلے میں بڑا ہی حریص اور بھوکا پایا تو جلدی سے اٹھے اور قصبہ مصطفیٰ آباد چلے گئے۔ سید حسین ولد میر سید علی بصیر، ارجمند طبع کا مالک تھا اور اس کے کئی عالی قسم کے کارخانے وغیرہ تھے۔ وہ شیخ کا بڑا ہی معتقد تھا۔ جیسے ہی اسے ان کی تشریف آوری کا پتا چلا اسی لمحے ان کی خدمت میں دوڑا۔ اس سے انہوں نے فرمایا کہ: جلدی سے تازہ اور نفیس جلیبی کے حلوے ۲۷ کے دو خوان تیار کرا۔ اس نے اپنے باورچی خانے کے حلواگروں (حلوا بنانے والے) کو جلدی سے تیار کرنے کا حکم دیا۔ وہ دو ایک گھنٹوں میں بڑا ہی پُر لطافت اور عمدہ حلوا تیار کر کے لے آئے۔ شیخ نے فرمایا کہ: میرے ساتھ اسے شیر گڑھ پہنچا دو۔ ہر چند سید حسین نے اصرار کیا کہ آپ رات یہیں رُک جائیں اور اسے ختم کر لیں، کل اس سے بہتر اور زیادہ تیار کروا کے پہنچا دوں گا، لیکن انہوں نے اس کی باتوں پر کان نہ دھرا اور اسی لمحے اٹھ کر روانہ ہو گئے۔ سید حسین نے دونوں خوان اپنے غلاموں کے سر پر رکھ کر شیخ کے ہمراہ بھجوا دیے۔ نمازِ عشا کے وقت وہ شیر گڑھ پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک بڑا خوان نظام کانجو کے گھر دے دیا اور دوسرا حضرت ایشاں علیہ الرحمتہ والرضوان کے لیے لے گئے۔ اندر سے کوئی بھی نہ

آیا جو جلیبیوں کا خوان خدمت میں لے جاتا اور نہ شیخ عبدالوہاب ہی نے درواز۔
کنڈی کھٹکھٹائی اور کسی کو آگاہ کیا ۔ تمام رات وہ خوان سر پر اٹھائے صبح تک انتظار
دروازے پر کھڑے رہے ۔ سحر کے وقت جب بی بی سوتان (کذا) نے دروازہ کھولا تو
تاریکی میں شیخ نے وہ خوان اس کے آگے رکھا اور چلے گئے ۔ ایک واقفِ حال نے
نے کہا کہ تم نے اُسی وقت حلقۂ در کیوں نہ کھٹکھٹایا اور خوان اندر کیوں نہ بھجوا دیا ۔ انہ
نے جواب دیا ؛ دروازے پر مُنتظر کھڑے رہنا اور آواز نکالنے کے لیے لب وانہ ۲۸ کرنا
ہے بہ نسبت اِس کے کہ آواز لگائی جائے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ یہ فلاں چیز ہے اور ف
لایا ہے؛ اس لیے کہ یہ شیوہ (منتظر خاموش کھڑے رہنا) کمالِ ادب اور فروتنی کا حامل.
جب کہ وہ (آواز لگانا) خود نمائی اور ڈھیٹ پن کی علامت ہے ۔

روایت ہے کہ محمد شریف قریشی العوفی حسین کہری (کھری؟) ایک پیارا اور بڑا
صاحبِ دانش و تمیز شخص تھا ۔ اُس نے ایک موقع پر بتایا کہ میں بھائیوں کے ساتھ
گرے میں ملازم تھا ۔ اتفاق سے شیخ عبدالوہاب جنوب کے سفر سے خطۂ کالپی کی طرف
وارد ہوئے اور ہمارے گھر کو انہوں نے اپنے قدموں کے نور سے منّور کیا ۔ ایک روزہ
سیر کو نکلے اور ہم سب دوست بھی رفاقت کی سعادت کی خاطر ساتھ گئے ۔ نصف دن تک
ہم اِدھر اُدھر گھومتے رہے ۔ جب ہم سَیر سے سیر ہو چکے تو شیخ ہمیں شہر سے باہر ایک
ایسی جگہ لے گئے جو ہم نے کبھی نہیں دیکھی تھی ۔ وہ عجیب قسم کا خوبصورت باز
تھا جس میں قِسم قِسم کے کھانے اور غذائیں مہیا تھیں اور ہر طرف دل کش اور متقبوا
مسکن اور نشیمن تھے ۔ ہر جانب لوگ عیش و تماشا میں مشغول ۔ ہم لوگ ایک گذر گا
کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے ۔ شیخ نے فرمایا: اگر یاروں کو کچھ کھانے کی خواہش
رغبت ہو تو مانگ لیں ۔ میں نے کہا کہ رغبت تو ہے لیکن اس کے لیے پیسے نہیں
ہیں ؛ ہاں ایسا ہے کہ ہم کوئی چیز گرو رکھ دیں ۔ انہوں نے فرمایا: یہاں نفیس مٹھائی
بیچتے ہیں ۔ تم اُس حلوہ فروش کی دکان سے جتنی درکار ہو اور جس قدر چاہو لے لو کل
اس کا قرض ادا کر دیا جائے گا ۔ میں ایک آدمی کو ساتھ لے کر اس دکان پر گیا جس کا
انہوں نے بتایا تھا ۔ اِس سے پہلے کہ میں اس سے کچھ طلب کروں ، اُس دکاندار نے
کہا: چادر پھیلا ۔ پھر اُس نے ہر قسم کی مٹھائی چُنی ، اسے تولا اور مجھے دے دی اور ہر
گز یہ نہ پوچھا کہ تو کون ہے کہاں لے جا رہا ہے ، کس قدر چاہتا ہے اور پیسے کب دے

؟ ہم سب دوستوں نے سیر ہو کر وہ مٹھائی کھائی اور کچھ مسکینوں میں بانٹ دی اور
سی قدر گھر میں رہ جانے والوں کے لیے بھی سنبھال لی ۔ جب دن چڑھا (یعنی اگلے
ن) تو کوئی شخص شیخ کی نذر کے لیے چند روپے لایا۔ میں نے انہیں یاد دلایا کہ حلوائی
قرض چکا دینا چاہیے ۔ انہوں نے وہ پیسے مجھے دے دیے کہ جا اور حساب کرکے اسے
ا کر دے ۔ میں سوار ہو کر اُس طرف گیا ۔ وہاں میں نے دیکھا کہ نہ تو کوئی بازار ہے
کوئی دکان اور نہ مساکن (ٹھکانوں) ہی کا کوئی نشان ہے اور نہ سُکان (ساکنوں) کا ۔
یں بہت متیحرو متفکر ہوا ۔ آخر کار میں نے بعض لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کبھی کوئی
بادی رہی ہے؟ انہوں نے میرا مذاق اُڑایا اور مجھے پاگل جانا ۔ حیرانی کے عالم میں مَیں
وٹ آیا اور شیخ کی خدمت میں صورتِ حال بیان کی ۔ فرمایا: میں پھر تمھارے ساتھ چلتا
ہوں اور وہ جگہ تمہیں دکھاتا ہوں ۔ صبح کے وقت ہم نے اصرار کیا اور شیخ کو لے کر اسی
جگہ پہنچے ۔ وہی بازار اور عمارات اُسی حالت و صورت میں موجود پائیں ۔ مَیں نے اُس
حلوائی سے حساب کرکے ، پیسے گِنے اور اس کو دے دیے ۔ مَیں بہت حیران ہوا ۔ جب
ہم گھر پہنچے تو رات کے وقت شیخ کی خدمت میں ہم نے اصرار کرکے اس کے بارے
میں پوچھا کہ کیا بھید ہے جو ہم نے دو مرتبہ مشاہدہ کیا ہے ۔ متبسّم ہو کر فرمانے لگے
کہ خداوند سُبحانہ تعالیٰ و تقدس کے بہت عالَم ہیں جن سے تم آشنا اور شناسا نہیں ہو ۔

بیت :

کیمیا وسیمیا و لیمیا ۲۹ نیست ہرگز جُز درونِ اولیا

(کیمیا ، سیمیا [وہمی اور خیالی شکلیں] اور لیمیا صرف اولیا کے باطن ہی میں موجود ہوتی
ہیں)

شیخ وہاب کے خطۂ کالپی کے سفر کا باعث دین و دانش پناہ بندگی سیّد رحمت اللہ
کے کمر درد کے عارضے کے علاج کا حصول تھا ۔ اِس مرض کا سبب یہ ہوا کہ سید شہاب
الدین ولد جلال الدین بن سید فتح اللہ ، سید رحمت اللہ کا بھتیجا اور داماد تھا جسے داؤد
کے بعد ... طلب ۳۰ کرکے حضرت فاطمہ کی اس سے شادی کر دی تھی ۔ ابھی وہ حجلۂ
عروسی میں حسبِ خواہش و آرزو نہ بیٹھا تھا کہ اِس دنیا سے کوچ کر گیا ۔ ۳۱ سید رحمت
اللہ نے جو اچانک سید شہاب الدین کی موت کا نوحہ سُنا تو آگ پر پڑے ہرمل کے
دانے کی مانند تڑپ اٹھے اور گرم بستر سے ایک دم باہر نکلے ۔ مخالف ہوا ان کی کمر کو

لگی ، جس سے انہیں دردِ کمر شروع ہو گیا ؛ اور ایسا شروع ہوا کہ ان کے لیے اٹھنا بیٹھنا دشوار ہو گیا ۔ جس قدر بھی علاج کیا گیا کوئی فائدہ نہ ہوا ۔ جب یہ مرض ، فرض ادا کرنے میں مانع ہوا تو انہوں نے حضرت ایشاں علیہ الرحمتہ والرضوان سے مدد معاش قبول نہ فرمائی (کذا) ۔ سید فیض اللہ اور سید رحمت اللہ نے چند سال کھیتی باڑی کا کام کیا تھا ۔ جب سُلطان میر علی خان یہاں سے چلا گیا اور صوبہ پٹنہ اس کی تحویل میں دے دیا گیا تو ایک مدت تک اُس کی طرف سے کوئی عریضہ اور قاصد نہ آیا ۔ اور جب شیخ عبدالوہاب نے اس علاقے سے آنے والوں سے معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مشاغل میں گِھرا ہوا ہے اور یہ کہ اس کے صدق کے آئینے کو زنگ لگ گیا ہے اور اس کی عقیدت کے جوہر میں وہ صفا و روشنی نہیں رہی جو یہاں تھی ۔ لہٰذا (شیخ وہاب نے) حضرتِ ایشاں سے سیر کی اجازت لی اور پٹنہ کی طرف متوجہ ہوئے ۔ جس روز وہ آستانۂ مبارک سے باہر نکلے ، تالاب مچھالہ پر بیٹھ کر انہوں نے صوفیا کی گدڑی اور لباس وغیرہ اتار دیا اور سپاہیوں کی قبا و دستار پہن لی ۔ پھر سپاہیوں کے سے انداز میں سفر کرتے ہوئے پٹنہ پہنچے ، جہاں خفیہ طور پر مہر علی خان کے ملازموں کی جماعت میں شامل ہو گئے ، لیکن : آفتابی پسِ دیوار نہاں کی مانَد (سورج دیوار کے پیچھے کب چُھپا رہتا ہے) ۔ عوام الناس کے لباس میں بھی انہوں نے حدِ قیاس سے زیادہ کرامات کا مظاہرہ کیا ۔ اُس دیار کے لوگ بالخصوص نامور درویش اور صالحین ، کیا چھوٹے کیا بڑے ، سبھی پروانہ وار اس شمعِ اَسرارِ کردگار کے گرد طواف کرنے لگے ، اور سالکانِ عزیز اور طالبانِ ہر چیز ان کے گرد حلقہ بنانے لگے ۔ ہاں!

بیت

ہر کجا چشمۂ بود شیریں مردم و مرغ و مور گرد آیند ۳۲

(جہاں کہیں بھی میٹھے پانی کا چشمہ ہوتا ہے وہاں لوگ ، پرندے اور کیڑے مکوڑے جمع ہوتے رہتے ہیں)

اُس دوران میں کسی نے سُلطان مہر علی خان کو خبر دی کہ سرکار کے سپاہیوں کے جرگے میں ایک انسانِ کامل شامل ہوا ہے ، جس نے زمانے کے عزیزوں کے دلوں کو محبت و ارادت کی زنجیر سے مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا ہے ۔ خان یہ خبر سُن کر دل و جان سے ان کی صحبت کا خواہاں ہوا ۔ اس نے میر بخشی ۳۳ کو طلب کیا اور اُس سے ان کے بارے

میں پوچھا کہ یہ شخص پرانا نوکر ہے یا نیا ؟ اس نے عرض کیا کہ چند ماہ ہوئے یہ شخص سپاہیوں کی جماعت میں شامل ہوا ہے ۔ قباپوش ہے اور تمام اہلِ معرفت و سلوک اس کے حلقہ بگوش ہیں ۔ خان نے حکم دیا کہ اس شخص کو خلوت میں لایا جائے ۔ جب میر بخشی نے انہیں حاضر کیا تو کچھ دیر غور سے دیکھنے کے بعد خان انہیں پہچان گیا اور بولا : میں نے تمہیں صوفیوں کے لباس و کسوت میں حضرت اِیشاں کی صحبت میں دیکھا ہے ۔ یہ جو تم نے لباس میں تغیرو تبدُل کیا اور صحبت ترک کی تو آخر اس کا سبب کیا ہے ؟ شیخ نے مسکراتے ہوئے کہا : محض تمہاری دوستداری اور غمخواری نے مجھے ایسا کرنے پر آمادہ کیا ، اِس لیے کہ "المرءمع من احب"۳۴ کے مصداق غنی دوست فقرا اور جاہ طلب درویش کل قیامت کے دن اہلِ دنیا کے ساتھ اٹھائے جائیں گے اور مبعوث ہونگے اور فقر و درویشی کی دولتِ خلعت سے عُریاں اور دُور کر دیے جائیں گے ۔ میں تمہاری محبت میں آج ہی سے صوفیہ کے لباس کی سعادت سے بے نیاز ہو گیا ہوں ۔ خان نے کہا: تمہید کے مضمون کو واضح تر کریں اور بیان فرمائیں تاکہ خاطر نشین ہو ۔ شیخ نے فرمایا؛ میں نے وہاں سنا تھا کہ حضرت اِیشاں:

مصرع :

کانرا خراجِ مُلکِ دو عالم بود بہا

(کہ اس کے قیمت دو عَالموں کی سلطنت کا خراج ہے)

کی محبت و عقیدت کا بے بہا جوہر تم سے گم ہو گیا اور صداقت و ارادت کا آئینہ ، غفلت و فترت (ضعف) کے غبار کا شکار ہو گیا ہے ۔ ان حقوقِ صحبت کی بنا پر جو فریقین میں ثابت و محقق ہیں ، مجھے افسوس ہوا کہ تمہیں اس قسم کی بے بہا دولت میسّر آئی ہو اور وہ یونہی ہاتھ سے نکل جائے ۔

بیت:

دامنِ دولتِ جاوید و گریبانِ امید حیف باشد کہ بگیرند و دگر بگذارند

(دولتِ جاوید کا دامن اور امید کا گریبان ، افسوس کی بات ہو گی کہ پکڑ کر چھوڑ دیا جائے)

اِس بنا پر مجھے مروّت و مردمی سے بعید معلوم ہوا کہ مَیں اپنے لیے تو سہولت و تن آسانی اختیار کروں اور تمہیں بلا وجہ کے زیان و خُسران میں چھوڑ دوں ۔ بلا شبہ اس حالت پر

میں نے یہ زحمت اختیار کی اور چونکہ مجھے اس بات پر شرم آئی کہ میں دوستانِ خدا (اللہ والوں) کے لباس میں اہلِ دنیا کے دَر پر جاؤں ، اس لیے گدڑی وغیرہ وہیں چھوڑ دی اور اہلِ تعلق (مراد دُنیا دار) کی صورت میں تمھاری طرف دوڑا ۔ مہر علی خان بیحد متاثر ہوا ، اور اس نے سابقہ غفلت و بے توجہی سے توبہ کی ۔ شیخ نے اسی لمحے رخصت چاہی اور اٹھ کھڑے ہوئے ۔ خان نے ان کا دامن تھام لیا اور اشکِ حسرت بہائے ۔ آخر جب دیکھا کہ شیخ رُک نہیں رہے ہیں تو چند سوغاتیں اور اشرفیوں کی تھیلی شکرانے کے طور پر پیش کیں ، لیکن انہوں نے قبول نہ کیں اور کہا کہ اگر مَیں اِن میں سے کچھ اٹھا لوں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ میں نے دور دراز کا یہ سارا سفر اِسی خاطر کیا تھا ۔ چنانچہ انہوں نے قطعاً کوئی چیز نہ لی ۔ مہر علی کو روتے پیٹتے چھوڑ کر اسی وقت آستانہ مبارک کی طرف روانہ ہوگئے ۔ بعد میں مہر علی خان نے بہت بڑی رقم اور قیمتی تحفے حضرتِ ایشاں کی خدمت میں بھجوائے ۔ شیخ عبدالوہاب پٹنہ سے واپسی پر جب دہلی پہنچے تو شیخ احمد قادری کے مطابق — اور اِس احمد قادری نے ابتدائی سالوں میں راہِ تجرید میں قدم رکھا اور کاملوں کی طلب میں ایک عُمر پاؤں رگھسائے ، اس کے ساتھ ساتھ وہ صدارتؔ کے منصب و شغلِ ظاہری کی دولت سے بھی مالا مال تھا ، بہت آراستہ باطن اَور صاحبِ عرفان تھا —— شیخ عبدالوہاب کو ایک رات جب مَیں نے دہلی کے نواح میں دریا کے کنارے دیکھا ، تو تمام رات میں نے پتھر کے ایک تھڑے پر بیٹھ کر ان کی خدمت میں بسر کی ۔ انہوں نے امتحان کے طور پر مجھ سے صوفیوں کے مقامات سے متعلق کچھ باتیں پوچھیں ۔ جب انہوں نے مجھے اُس مقام کے علم سے بہرہ مند پایا تو خوش ہوئے اور تحسین فرمائی ۔ میں ان کی صحبت و لذت کی برکت آج بھی اپنے دل میں پاتا ہوں اور میں نے انہیں دنیا میں رہ جانے والے اور آخرت کے جانے والے مختاروں میں سے پایا ۔ اسی شیخ قادری کا کہنا ہے کہ قصور میں شیخ عبدالوہاب کے مرتبے کے اِدراک اور صحبت پانے سے نیز بندگی حضرت داؤد قدس اللہ سرّہ العزیز کے مقامات و مراتب پر غور کرنے سے میں تو متحیّر رہ گیا کہ جب ان کی خانقاہ کے صوفیوں کا یہ عالم ہے تو آنحضرتِ باعظمت کس قدر بلند مرتبہ کے مالک ہونگے ۔

یہ بھی میں نے شیخ احمد قادری ہی سے کئی مرتبہ سُنا کہ حضرت شیخ داؤد کی بُرہانِ قوت اَور صولتِ کرامت کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ فریدالدین

مسعود شکر گنج اور حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ان چند سالوں میں تمام ملکِ ہندوستان مضبوطی کے ساتھ اپنے قبضہ و تصرف میں لے آئے اور ان ممالکِ مقبوضہ میں انہوں نے کسی بھی ولی اللہ کو قطعاً جگہ نہ دی تھی ، ۳۵ اگر (انہوں نے) اپنی ولایت و کرامت کا علم برباد کر لیا ہے ۔ اور اِن دو بزرگوار کی ولایت میں ان (داؤد) کا آنا اور تھوڑی ہی مدت میں گوے تصرف لے جانا (داؤد) کے کمالِ قدرت اور غلبۂ ولایت کی دلیل ہے ؛ اس کے علاوہ کوئی اور دلیل اور نشان تلاش کرنا چہ معنی ۔

بیت:

پیش ازین داشت بہر گوشہ یکی دعویِ حُسن   روی بنودی و ہنگامۂ خوبان بشکست

(اِس سے پہلے ہر گوشے میں کوئی نہ کوئی اپنے حُسن کا دعویٰ کر رہا تھا ، تو نے چہرہ دکھایا اور حسینوں کا ہنگامہ ختم کر کے رکھ دیا)

القصہ جب شیخ عبدالوہاب پٹنہ سے روانہ ہوکر آستانے کے نزدیک پہنچے تو تالاب مچھالہ کے کنارے بیٹھ گئے ۔ قبا و دستار ایک طرف رکھی اور وہی صوفیانہ گدڑی پہن کر حضرت ایشاں علیہ الرحمتہ والرضوان کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔

روایت ہے کہ ایک روز میر قباد اور ملا بہاءالدین پیشکار کے درمیان کسی بات پر اختلاف پیدا ہوگیا۔ وحشت و دشمنی کی آگ کچھ اس حد تک شعلہ زن ہوئی کہ میر قباد نے دیکھے بوجھے بغیر مُلا کے منہ پر مُکا کھینچ مارا ، جس سے اُس کے اوپر کے دو اگلے دانت ٹوٹ گئے ۔ اُس نے دونوں دانت ہاتھ میں لیے اور خون چکاں اور اشک فشاں حضرت ایشاں کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کی ۔ میر اپنے اس قصور اور پیر دستگیر کے خیال سے خانقاہ سے بھاگ کھڑا ہوا اور اُس نے دستِ امید صحرا کے دامن پر رکھ دیا (صحرا کی طرف بھاگ گیا) ۔ لوگوں نے اسے بہت تلاش کیا لیکن نہ مِلا ۔ چند دنوں کے بعد جب اس کے دل کا دانہ حضوری کی آتشِ حرماں پر ہرمل ۳۶ بن گیا تو ایک رات آکر مسندِ مبارک کے سامنے ٹیلے پر اُس نے ایک گڑھا کھودا اور سوراخ میں سے اس خورشیدِ انور کو دیکھنے اور نفس کے تانبے کو حرفت کی کٹھالی اور محنت و ریاضت کے کوزے ۳۷ میں پگھلانے لگا ۔ جب کچھ مُدت کے بعد اس نے سزا کے ہتھیار میں کوئی حدّت نہ دیکھی اور انتقام کی تلوار کو گردشِ ایام کی نیام میں بند پایا تو الہام کے حامل کلام کو سُننے کی خاطر پُر اضطراب دل اور بے قرار قلب کے ساتھ اس سوراخ غار سے باہر نکلا اور چاردری کے

نیچے ، جس پر نشیمن خاص اور محلِ نشست تھا ، گھس گیا ، اس لیے کہ کسی کا کہنا ہے ۔

بیت:

در صحنِ گلشن اگر قفسم رانمی نہی جایی بنہ کہ بوی گلشن را گذر بود

(اگر تُو باغ کے صحن میں میرا پنجرہ نہیں رکھتا تو پھر ایسی جگہ رکھ جہاں سے گلشن کی خوشبو کا گذر ہو)

اتفاق سے ایک روز اوتاد کے وہ پیشوا (داؤدؒ) خلافِ معمول اس راہ سے گذرے جہاں میر قباد بیٹھا تھا ۔ وہ بے قرار ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور دائیں بائیں سے ہٹ کر سیدھا اسی راہ پر ہو لیا جس میں حضرت اِیشاں کا خانۂ دولتخانہ تھا ۔ وہ تیز تیز چلنے لگا ۔ حضرت ایشاں بھی اس کے پیچھے تیزی سے چل پڑے ۔ میر قباد ، حضرت کے دولتخانے کے دروازے سے ، جو شارع عام پر ہے ، آگے نکل گیا ۔ اس نے یہ خیال کیا کہ حضرت اندر تشریف رکھتے ہونگے ۔ اُدھر حضرت اندر چلے گئے اور پھر تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے میر کے پیچھے پیچھے ہو لیے ۔ اس نے سمجھا کہ حضرت اس کا پیچھا کرنے اور اسے سزا دینے کے ارادے سے آرہے ہیں وہ رُک گیا اور ہیبت زدہ کھڑا ہو گیا اور اس نے سر دیوار سے لگا دیا ۔ حضرت ایشان جب اس کے نزدیک پہنچے تو اُسے ندامت و خجالت کے بحر میں ڈوبا پایا ۔ تھوڑی دیر رُکے پھر فرمایا کہ آدمی اس وقت تک نہیں سمجھتا جب تک اُس کا سر ندامت کی دیوار تک نہیں پہنچ جاتا ۔ میر قباد نے پاؤں پر سر رکھ دیا ۔ حضرت ایشاں نے اس وقت اُس کا سر اٹھایا اور مشتاقانہ اسے آغوش میں لے لیا اور اس کی گردن اور ڈاڑھی کو چوما اور اس قدر اُس پر لطف و نوازش فرمائی کی زندگی بھر کبھی اس کے ساتھ ایسی مہربانی کا اظہار نہ فرمایا تھا ۔

بیت:

بایں گمان کہ شوم قابلِ ترحّمِ او خوشم کہ تیغِ جہانی بخونِ من تیز است

(اِس خیال سے کہ میں اُس کے رحم و کرم کے قابل ہو جاؤں ، مَیں خوش ہوں کہ ایک دنیا کی تلوار میرے خون میں تیز ہے)

یہ نوازش و مراحم دیکھ کر شیخ عبدالوہاب نے اصحاب سے زیرِ لب کہا: اے کاش! سید بہاءالدین کے دانت مَیں توڑتا تاکہ اس تمام التفلت و کرم کا مستحق ٹھہرتا ۔

بیت:

رحمِ تو بر آلودۂ عصیان چو بعین کرم (؟) گردِ سر ہر گونہ گُنہ گردم بکرم
تاکہ مراہنگامۂ عصیان نظر افتاد ای طاعتِ افسردہ ز دیدارِ تو سردم

(عصیان سے آلودہ یعنی گنہگار پر تیرا رحم عین کرم ہے ۔ کرم ہی کی وجہ سے میں نے ہر قسم کے گناہ کا ارتکاب کیا

جب سے ہنگامۂ عصیان پر میری نظر پڑی ہے ، اے افسردہ عبادت میں تیرے دیدار سے سرد ہُوں ، یعنی میں ایسی عبادت نہیں کرنا چاہتا)

ایک روز شیخ عبدالوہاب اور شیخ حضرت شاہ الوامعالی نور محل کے درخت کے دیوار (باڑ ؟) سے متصل انگور کی بیل کے سائے۳۸ میں بیٹھے تھے۔ ایک کیمیا گر درویش وارد ہوا ۔ پہلی ہی ملاقات میں وہ معتقد و منقاد ۳۹ ہو گیا ۔ شیخ سے کہنے لگا : صنعتِ اکسیر سے مجھے بہرۂ وافر میسر ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے بناؤں ۔ پھر اس نے کسی کو بازار بھیج کر مسالہ منگوایا اور ان کی موجودگی میں سونا تیار کیا اور بولا کہ حکم ہو تو یہ عمل کسی خادم کو سِکھا دوں ۔ اس پر شیخ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک اس صنعت۴۰ کی کوئی قدروقیمت نہیں ۔ طالبانِ حق کو اِس مُردار سے کیا کام ۔ جو کچھ تُو نے بنایا ہے وہ تُو خود ہی اُٹھا لے ۔ وہ شرمندہ ہو کر باہر نکل گیا ۔ شاہ جیو (ابوالمعالی) فرمایا کرتے کہ شیخ کی وفات کے ایک مُدت بعد میں نے اس کیمیا گر کو دیکھا ، وہ بہت بڑا دولتمند بن چکا تھا۔ اسے اس کام پر بڑا غلبہ تھا۔ میں نے اسے مصطفیٰ آباد کے قریب دیکھا (اِس حالت میں کہ) بہت بڑا خیمہ لگایا ہوا ، اردگرد لشکر و حشم کا حلقہ اور غلام اور خادم گروہ در گروہ ۔ مجھے اُس نے راستے میں دیکھا تو ملاقات کے لیے اشتیاق کے عالم میں دَوڑا۔ مجھے وہ ڈیرے میں لے گیا اور خلوت اختیار کی ۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ اُس وحدت سے تُو اِس کثرت میں کیونکر پڑا ؟ کہنے لگا : مجھے اس صنعت ۴۱ سے ، جو آپ نے ملاحظہ کی تھی ، افسوس ہوا۔۴۲ (لہذا) میں تاجروں کی طرح اسے اپنے مفاد کے لیے کام میں لایا ۔ (پھر) اُس نے بہت سا نقد و جنس پورے نشاط کے ساتھ میرے سامنے رکھا ۔ مَیں نے کوئی چیز بھی قبول نہ کی ۔ آخر اُس نے تھوڑا سا پارہ مار کر اصرار کے ساتھ پیش کیا ۔ مَیں نے اس کا دل رکھنے کی خاطر لے لیا اور حسین کہری (کھری ؟) کے ایک دوست کو دے دیا ۔ وہ چاول کے دانے جتنا کُشتہ کھاتا اور کھانے اور عورتوں کے

ساتھ صحبت سے قطعاً سیر نہ ہوتا ۔

روایت ہے کہ چاندنی راتوں میں قطبوں کے پیشوا (داؤدؒ) کے قائم مقام نائب شیخ عبدالوہاب کے اکثر اصحاب ان کی رفاقت میں ، آستانۂ مبارک کے نواح کے صحرا میں ذکر و عبادت میں مشغول رہتے ۔ اس موقع پر ایک عجیب اجتماع اور ایک انوکھی مجالست ۴۳ (محفل) برپا ہوتی ۔ ایک شب عید گاہ میں عبادت سے فراغت کے بعد دوستوں میں مناسب غذا اور چاندنی کی فضا سے متعلق بات چھڑی ۔ ایک بولا : مجھے تو پسی ہوئی مصری کے ساتھ خوش بو والے سفید دودھ چاول پسند ہیں ۔ اصحاب کے اِس حلقے میں شیخ عبدالوہاب کا ایک معتقد درویش بیٹھا تھا ، وہ بولا کہ سفید میدے کے موٹی روٹی (؟) اور معطّر تَر حلوا سب سے آسان ہے ۔ حاجی معین الدین نے کہا : تو مذاق کر رہا ہے ، اس لیے کہ اُس کا میسّر آنا ممکن نہیں ۔ اُس نے شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں عرض کیا کہ کچھ ارزیرہ (رانگ) اور لوہے کا برتن منگوائیں ۔ جب لایا گیا تو وہ اٹھا اور ایک کونے کی طرف چلا گیا ۔ چاندی کی ایک مقدار ۴۴ صاف کر کے لایا (؟) اور بولا کہ جس قدر درکار ہو طعام اور حلوا تیار کر لو اور جب بیچنے کا وقت ہو ـ ـ ـ اور دکان پر رکھ کر حلوا خرید لیا جائے ۔ کچھ حلوہ خرید لیا گیا ۴۵ ۔ اُسی وقت دستر خوان بچھایا گیا اور سب اصحاب نے سیر ہو کر کھایا ۔ حاجی معین اِس صفت (صنعت ؟) کا والہ و شیدا ہو کر اس کے سیکھنے کی خاطر مضطرب ہوا ۔ اس درویش نے کہا کہ شیخ عبدالوہاب اگر شاہ ابوالمعالی کو سکھا دیں تو دریغ نہیں ، اور کسی دوسرے کو میں نہیں سکھاؤں گا ، ہاں اس صورت میں کہ حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ والرضوان اِس کی اجازت فرمائیں ۔ شیخ اور شاہ اِس صفت (صنعت) کے لیے راضی نہ ہوئے ۔ جب اس (درویش) نے حضرت ایشاں سے التماس کی کہ میں صفتِ (صنعتِ) اکسیر کی ستائیس قِسمیں جانتا ہوں ، آپ جس بھی خادم اور فرزند کو کہیں اسے سکھا دوں گا ، تو حضرت ایشاں نے منع فرمایا کہ خبردار ایسا نہ کرنا ، اور اگر تُو نے کیا تو اچھا نہ ہوگا ۴۶ ، یا یہ کہ تو اُسی وقت مر جائے گا ۔ پھر اُسے توبہ کی تلقین فرمائی اور قصبۂ میروسبال (کذا) میں جانے کی اجازت فرمائی جو سرِ راہ واقع ہے ۔ وہ ایک مدت تک وہاں مشغول بیٹھا رہا ۔ بظاہر ایک مدت بعد کسی ضرورت کے تحت اس نے اس صفت (صنعت ؟) سے کام لیا اور بیمار پڑ گیا ۔ جب حضرت ایشاں اُس راستے سے ، جو اب آباد ہے ، کسی کام کی غرض سے روانہ ہوئے تو انھوں نے شیخ عبدالوہاب

سے فرمایا کہ اس درویش نے پھر وہ عمل شروع کر دیا ہے اور قریبِ مرگ ہے ۔ جا اور اُسے پھر سے توبہ کی تلقین کر ۔ شیخ گئے اور اُسے نزع کے عالم میں پایا ۔ اُسے انہوں نے تائب کیا ۔ وہ بہت خوش ہوا اور اب کے اُس نے پھر شیخ کی خدمت میں اکسیر سکھانے کی التماس کی ۔ انہوں نے فرمایا : خبردار اِس گندے عمل کا نام بھی زبان پر نہ لا ، کیونکہ تجھے اِس عمل سے توبہ کرانے کے لیے مجھے تیرے پاس بھیجا گیا تھا ۔

منقول ہے کہ حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ والرضوان فرمایا کرتے کہ بندگی شیخ کمال اور شیخ عبدالوہاب کو قدرتِ تصرّف و کرامت کا مرتبۂ اکمل حاصل ہوا ہے ، لیکن انہوں نے مجھ سے الگ رہ کر اپنی کرامت ظاہر نہیں کی ؛ اگرچہ میں نے انہیں بار ہا اس امر کی اجازت دی لیکن وہ میری رفاقت سے دوری پر راضی نہ ہوئے ۔

نظم :

که یک لحظه ازو دوری نشاید   که از دوری خرابیها برآید

بهر حالی که باشی پیش او باش   که از نزدیک بودن مهر زاید

(کہ اُس سے ایک لمحے کی بھی دوری مناسب نہیں ، کیونکہ دوری سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں

تو جِس حال میں بھی ہے اس کے پاس رہ کیونکہ نزدیک رہنے سے محبت پیدا ہوتی ہے) اور ان کا تصرف میری موجودگی میں نورِ ماہتاب اور سورج کی کرنوں کی صورت پوشیدہ و پنہاں رہتا ہے ۔ ہاں ع : پیش خورشید تجلّی نبود مشعله را (سورج کے سامنے شمع کی روشنی نہیں رہتی)

روایت ہے کہ ایک روز شیخ عبدالوہاب نے مُلّا پنہاں کو ، جو حضرتِ ایشاں کا غلام خاص اور رفیع الشان خواتین کا محرم تھا ، اپنے پاس بُلایا اور اُس سے کہا کہ حضرتِ عارفہ یعنی بی بی رافعہ ، والدۂ حضرت شیخ عبداللہ کی خدمت میں جا ، میری طرف سے دعا سلام عرض کر اور یہ چند تنکے (سکّے) ان کے پائے مبارک کے سامنے رکھ کر کہہ کہ آج رات میں نے حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی طرف سے اشارہ دیکھا ہے کہ وہ مجھے اپنے پاس بلا رہے ہیں ۔ آپ ذرا متوجہ رہیں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ حضرتِ ایشاں کی مرضی کیا ہے ؛ چند روز اِس دارِ ابتلا (مصیبتوں کے گھر یعنی دنیا) میں رہوں یا ان کی خدمت میں پہنچوں ۔ مُلّا پنہاں نے جا کر یہ التماس گوش گذار کر دی ۔ حضرت بی بی

نے فرمایا کہ آج رات مرضی جان کر اور تحقیق کر کے تمہیں جواب دوں گی ۔ جب صبح ہوئی تو شیخ عبدالوہاب نے اپنے سوال کا جواب چاہا ۔ حضرت بی بی نے فرمایا کہ رات میں حضرت کے جمال (؟) میں گئی اور یہ بات عرض کی ۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں عصا تھا ۔ انہوں نے اوپر کی طرف اشارہ فرمایا ۔ مُلّا پنہان نے فوراً یہ خبر شیخ عبدالوہاب کو پہنچائی ۔ وہ بہت ہی مسرور و شادماں ہوئے ۔ مصرع

از دوست یک اشارت و از ما بسر دویدن

(دوست کی طرف سے ایک اشارہ اور ہمارا اس کی طرف سر کے بل دَوڑنا)

لونگونام کا ایک جولاہا ایک صالح اور نیک بخت آدمی تھا جو ہر وقت شیخ کی خدمت میں رہتا ۔ شیخ نے اسے بلایا اور پوچھا کہ میرا کوئی لباس تیرے پاس ہے ؟ اس نے عرض کیا کہ جو کچھ بھی ہے لے آتا ہوں ۔ دو تین پرانی قمیصیں ، ایک دو پھٹی پرانی شلواریں اور ۔۔۔ ایک چُھری لا کر سامنے رکھ دیں ۔ یہ اشیا انہوں نے مُلا پنہان اور لونگو میں تقسیم کر دیں ۔ معافی چاہی ، دوستوں کو الوِداع کہی اور فرمایا کہ میری قبر بندگی شیخ کمال کی قبر کے مابین (ساتھ ؟) تیار کرنا ۔ پھر وہ حجرے کے اندر چلے گئے اور لونگو سے فرمایا کہ دروازہ باہر سے بند کر دے ۔ نمازِ ظہر کے بعد آکر معلوم کر لینا ۔ جب لونگو مذکورہ وقت پر اندر گیا تو دیکھا کہ شیخ رحلت فرما چکے ہیں ۔ چیخ اٹھا کہ شیخ نہیں رہے ۔ یہ بات ثابت ہوگئی اور طے پاگئی کہ وہ رہنے اور جانے میں اہل اختیار میں سے تھے ۔ حضرت ایشاں کے وصال میں ان کی بھی وفات شیخ کمال کی رحلت کے چند ماہ بعد واقع ہوئی ۔

نظم :

قالبِ خاکی سویِ خاک فگند (؟)	جان و خرد سُویِ سموات بُرد
جانِ گرامی بہ پدر باز داد	کالبدِ خاک بمادر سُپرد

(اس نے اپنا خاکی ڈھانچا خاک کی طرف ڈالا (؟) جان و خرد آسمانوں کی طرف لے گیا عزیز جان باپ کو لوٹا دی اور مٹی کا جسم ماں کے حوالے کر دیا)

آن ہُمایِ ہوای اوجِ شہود	اَختر بُرجِ آسمانِ سعود
تاجدارِ ممالکِ تسلیم	چار ترکی کلہ بسر دیہیم
چند صوفی بصورتِ اوشان	کہ بود خاک و (؟) مگسان

مثلِ او شیرِ بیشۂ انبار (کذا) در دیارِ کرم نکرد گذار
زبدۂ عارفانِ این عہدست قدوۂ سالکانِ پیر پرست
محو در ذاتِ مُرشد(ش) یکسر زان سر از جیب برنکرد بدر
لاجرم یافت اتحّادِ وجود دیدنش حکمِ دیدنِ داؤد
نام مفرش نشاہی از رہِ زور (کذا) نقش زد روی سکۂ لاہور
جست ۴۷ مفش (کذا) در انفس و آفاق سرورِ فقر شاہ بُو اسحاق
کیمیای ولای بُسحاقی ساختہ زر ہمہ مسِ باقی ۴۸

(= وہ اوجِ شہود کی فضا کا ہُما ، بخت کے آسمان کے بُرج کا ستارہ
ممالکِ تسلیم کا تاج دار ، جس کے سر پر چار ترکی [ایک قِسم] ٹوپی کا تاج ہے
چند صوفی ان کی طرح ۔ ۔ ۔
انبار [ڈھیر ، خروار] کے جنگل کا شیر اُس کی طرح دیارِ کرم سے نہ گذرا
وہ اِس زمانے کے عارفوں کا خلاصہ اور پیر پرست سالکوں کا پیشوا ہے
وہ اپنے مرشد کی ذات میں سرتاپا محو ہے ، اسی لیے اُس نے دامن سے سر باہر نہ نکالا
بلاشبہ اُس نے وجود کا اتحّاد پالیا ۔ اس کو دیکھنا گویا داؤدؒ کو دیکھنا ہے
اس نے زور سے ، ... کا نام لاہور کے سکّے پر نقش کیا
انفس و آفاق میں سرورِ فقر یعنی شاہ ابواسحاق اس کی مثال ہیں [؟]
بو اسحاقی محبت یعنی ابواسحاق کی محبت نے باقی [مصنف] کے سارے تانبے کو سونا بنا دیا)

شیخ بو اسحاق کے احوال کا ذکر

ربّانی فیضوں کے آثار کے مظہر ، وارداتِ سُبحانی کے اصناف کے مجموعہ ، حقیقت کے جنگل کے شیر ، معرکۂ طریقت کے پیش خرام (آگے چلنے والے) ، صحیفۂ تصوّف کے عنوان ، دیوانِ تقرب کے انتخاب ، میدانِ ایثار کے شیر یر ، ممالکِ اسرار کے فرمان روا ، عارفِ علی الاطلاق (بے قید ، قطعی) شاہ ابواسحاق قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ العزیز عجیب اطوار کے مالک اور انوکھے ایثار کے حامل تھے ۔ ان کا مولد اور مدفن دارالسلطنت لاہور ، محلّۂ مُہرنگاں (مزنگ ؟) ہے ۔ یہ مُہرنگ لوگ عراقِ عجم کا ایک قبیلہ ہیں ۔ تمام گروہِ مہرنگیہ تجارت پیشہ اور مراسمِ شرم و عزت کے لحاظ سے شہرِ فاخرۂ لاہور میں ممتاز و مُستثنیٰ ہے ۔ گویا اِس قبیلے میں یہ حرمت و برکت شاہ کے وجودِ باجُود (سخاوت والا وجود) سے نسبت و تعلق ہی کی بنا پر ہے اور بیشک کل قیامت کے دن بھی اس نسبت کے شرف پر اسے (قبیلے کو) فخر و ناز ہوگا ۔

مصرع :

ہر کسی بکسی نازد و مارا تو بسی

(ہر کوئی کسی پر ناز کرتا ہے اور ہمارے لیے تو ہی کافی ہے)

تصوّف سے ان کے لگاؤ کا باعث اور سلسلۂ عُلیہ (قادریہ) سے نسبت کا سبب یہ ہوا کہ جب وہ بچپن کی حد سے نکل کر حدِّ بلوغ کو پہنچے تو انہوں نے سنت کی پابندی کے ساتھ ساتھ تجارت کا پیشہ اختیار کیا ۔ دوسرے تاجروں کی نسبت ان کی راس پونجی بہت ہی قلیل تھی ۔ ایک مرتبہ تاجروں کے قافلے کے ساتھ کابل گئے ۔ وہاں انہیں بخار ہوگیا ۔ انہوں نے خدا تعالیٰ سبحانہٗ کے ساتھ دل میں یہ عہد کیا کہ شفا پانے پر سر منڈوا دیں گے ۔ جب بخار اتر گیا تو ان کا دل سر منڈوانے پر راضی نہ ہوا ۔ چنانچہ کچھ عرصے بعد پھر بخار ہوگیا ۔ ابھی کمزور اور بے حال تھے کہ ایک روز باغ کی سیر کو نکلے ۔ انگور خریدا ، لیکن اپنے حصے سے کچھ زیادہ انگور اس خیال سے خرید لیا کہ کسی محتاج کو دے دیں گے ۔ باغ کے ایک کونے میں ایک مجذوبہ عورت کو بیٹھے پایا ۔ انگور کے سارے گچھے اس کے

پاس رکھ دیے ۔ اُس غیرتِ رجال کی سرمایہ اور کارِ ابدال کی تازیانہ (مجذوبہ) نے فوراً مراقبے سے سر اٹھایا اور ان پر تیز نگاہ ڈالتے ہوئے بولی : اے بوالہوس ! پہلے تو تُو نے اللہ کے ساتھ کیے گئے سر نہ منڈوانے کے عہد کو توڑا اور اب تُو دو جہانوں کی عافیت کی تمنّا کرتا ہے ۔ جا ، سر مُنڈوا اور اپنا کام کر ۔ چنانچہ انہوں نے اسی وقت سر منڈوا دیا اور اس مجذوبہ کے بے حد معتقد و شیفتہ ہوگئے ۔ چند روز صبح تا شام اس کی خدمت میں کھڑے رہے ۔ ایک دن وہ مجذوبہ غصّے میں بولی : تو خواہ مخواہ میرے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہے ۔ یہاں سے تجھے کچھ نہیں ملے گا ۔ انہوں نے کہا : تو پھر کہاں جاؤں اور کیا کروں ؟ وہ بولی : تیرے لیے اس جماعت (صوفیہ) کی دولت سے بہت بڑا حصہ ہے ، لیکن اس دروازے کا وا ہونا اس مرد کے حکم پر موقوف ہے ، جو لاہور اور ملتان کے درمیان تصرف و تسلّط کا ڈنکا بجا رہا ہے اور جس کے کمال کے شُہرہ نے اس علاقے میں عظیم غُلغلہ برپا کر رکھا ہے ۔ اسے جلد پا لے ۔

بیت :

نشستن را برفتن بایدت بست   کہ گر بر خاستی فرصت شُد از دست

(تجھے بیٹھنے کو چلنے سے باندھنا چاہیے کیونکہ اگر تو اٹھ کھڑا ہوا تو موقع ہاتھ سے نکل جائے گا)

مجو آب آلودگی کن قطعِ فرسنگ   کہ وقت از چشم مالیدن شود تنگ

(گدلا پانی مت تلاس کر ، کوس یعنی کوسوں کا فاصلہ طے کر ، اس لیے کہ آنکھ مَلنے سے وقت تنگ ہو جاتا ہے)

پاس کی یہ بات سُنتے ہی ان کے باطن میں شوقِ وطن کا شعلہ روشن ہوا اور تجارت کا جنون اور سواری کی رغبت جل کے رہ گئی ۔ جس وقت اُن پر یہ حالت طاری ہوئی اُس وقت ان کے پاس ایک گھوڑا تھا اور ابھی چند اشرفیاں تھیلی میں تھیں ۔ انہوں نے گھوڑا چھوڑ دینا چاہا اور تنہا جانے کی ٹھانی ، لیکن قافلہ سالار نے ، جو اُن کا کوئی قریبی عزیز تھا ، اس کی اجازت نہ دی ۔ اُس نے ان کے شوق کے پرندے کے پنجوں پر مہربانی کا جال ڈال دیا ۔

بیت :

(متن میں صرف ایک ہی مصرع ہے)

رحمِ آن کس کہ نہد دام چہ خواہد بودن (جو جال بچھاتا ہے اس کا رحم کیا ہوگا)

وہ ہر لمحہ میرِ قافلہ کے پاس جاتے اور روانگی کے بارے میں معلوم کرتے ۔ آخر کچھ مدت بعد قافلہ روانہ ہوگیا ۔

فرد :

دست ناپیدا اگر پایش کشید وے بسوے دست و گریبان می برید (کذا)

تمام راستہ شوق کے پروں سے اُڑتے ہوئے اور جذبۂ محبت کی حرارت سے گرم اور گداز ہوکر چلتے رہے ۔ جب لاہور کی منزل کچھ فاصلے پر رہ گئی تو گھوڑا ساتھیوں کے سپرد کرکے انھوں نے ہمّت کے بارگیر (گھوڑے پر سواری کا نوکر) کو تنہا گھر کی طرف ہانکا ۔ جو چند اشرفیاں تھیلی میں تھیں ان سے کچھ چیزیں خرید لی تھیں ۴۹ وہ ماں کے آگے رکھ دیں ۔ اس عفیفہ نے ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی کہ دوسرے لوگ تو مال خرید کر لاتے ہیں اور تو اپنی رقم سودے پر خرچ کیے بغیر آگیا ہے ؟ سوداگری کے اس ڈھنگ کے کیا کہنے ۔

غرض جس روز قافلہ دریا سے گذر گیا ، تو پیچھے رہا ہوا گھوڑا بھی گم ہوگیا ۔ جب یہ خبر گھر پہنچی تو بھائی کے عتاب اور ماں کی ملامت سے بہت غم زدہ ہوئے ۔

نظم :

ز لافِ عقل بسی نادمم طعنہ مزن مروّتے کہ ملامت بلاست ملتزم را (کذا) ۵۰

(عقل کی ڈینگ سے میں بہت نادم ہوں ، طعنہ نہ دے ۔ مروّت ہے یا ملامت ، ملتزم ۵۱ کے لیے بلا ہے ۔ ؟)

اس ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ کے خارزار اور عتاب و ملامت کی کھکیڑ میں حیران و پریشان ہو کر انھوں نے حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے حاملِ فیض باطن کا وسیلہ ڈھونڈا اور دُعا کی کہ یا الٰہی اُس مرد کے باطن کی حُرمت کے طفیل ، جس کی محبت کے شکار (کذا) میں مَیں بے چین اور بے قرار ہو چکا ہوں اور تدبیر کا سر رشتہ میرے ہاتھ سے نکل چکا ہے ، وہ گھوڑا کسی تلاش کے بغیر مجھ تک پہنچا دے اور مجھے میری ماں کے سامنے شرمسار نہ کر ۔ اتفاق سے ایک دن بعد (اگلے روز) کسی نے چند گھوڑے لا کر ان کے حوالے کر دیے ۔ اس سے گویا ان کی محبت و ارادت کے چراغ میں تازہ تیل پڑ گیا ۔

چنانچہ وہ ہر روز دل افروز شوق کے سیکڑوں شعلوں کے ساتھ باہر نکل جاتے اور لاہور اور مُلتان کے راستے پر بیٹھ جاتے اور ہر وقت آنے جانے والوں سے اپنے مقصود کی خوشبو سونگھتے رہتے ۔ جزیرہ نشینی ان کے دل کی تسکین کا سامان نہ کرتی ۔ اور آگ پر پڑے ہوئے ہرمل کے دانے کی مانند تڑپتے رہتے ۔ زبانِ حال سے گویا یہ مضمون ادا کرتے :

بیت :

کہ ای تاراجِ تو ہوش و قرارم　　پریشان کردہ ای تو روز گارم

نیابم جاے تو تا گردمش گرد ۵۲

(کہ اے محبوب تو نے میرا ہوش و قرار لوٹ لیا اور میرے زمانے کو منتشر کر دیا ہے یعنی مجھے پریشان حال کر دیا ہے مجھے تیری جگہ نہیں مِل رہی تاکہ میں اس کے گِرد گھوموں)

ایک روز اچانک ان کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جو پھٹی ہوئی جُوتی اور پھٹی پرانی شلوار پہنے ہوئے تھا اور اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی ۔ شکل و صورت سے وہ خاکروب دکھائی دے رہا تھا ۔ کوئی قیمتی اشیا پُشت پر باندھے آزاد مَنشی کے ساتھ اور وارستگی کے عالم میں خراماں خراماں چلا آرہا تھا ۔ پھر کسی سابقہ روحانی معرفت کے بغیر ہی وہ کچھ دُور رُک گیا ۔ ازاں بعد دوڑ کر آگے بڑھا اور ان کے ہاتھ کو چند مرتبہ چُوما ۵۳ ۔۔۔ انہوں نے اُس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے اور تیرا گھر کہاں ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ تُو میرے نام اور مقام کا کیا پوچھتا ہے ۔ میں قصبۂ جھنّی (جُھنّی) کی خالص بَھنّی ۵۴ (؟) ہوں ۔ میرا نام دھولا ہے ، حضرت شیخ داؤد کی خانقاہ میں رہتا ہوں ۔ جیسے ہی انہوں نے حضرتِ ایشاں کا نام سُنا سر اور چہرہ اس کے پاؤں پر مَلا ۔

بیت :

گل گل چو نو بہار سراپا بشگفم　　پیغام دوست گرز نسیم سحر رسد

(اگر نسیمِ سحر سے دوست کا پیغام ملے تو میں نوبہار کی مانند سر سے پاؤں تک کِھل کِھل اُٹھوں)

نازم بساعتی کہ بمالم جبینِ خویش　　بر پای قاصدی کہ از آن خاک در رسد

وہ گھڑی میرے لیے باعث افتخار ہوگی جب مَیں اُس سر زمین سے آنے والے

قاصد کے پاؤں پر اپنی پیشانی ملوں گا)

بڑی ہی عاجزی اور انکسار کے ساتھ بولے : اے حقِ معبود سے متعلق کعبۂ مقصود کے رہبر ، تھوڑی دیر ٹھہر تاکہ مَیں والدہ سے اجازت لے کر تیری خدمت میں پہنچوں ۔ پھر تیز تیز دوڑتے ہوئے پسینے میں شرابور والدہ کے پاس پہنچے اور ان سے اجازت چاہی ۔ انہیں اس بے قراری اور جلدی پر غصہ آیا ، لیکن جب کوئی چارہ نہ دیکھا تو چند تنکے (سکّے) ان کے ہاتھ میں دیے اور کچھ مدت کی اجازت دے دی ۔ وہ اس شخص کے پاس پہنچے اور بڑی دقت سے اس کی کمر پر رکھا ہوا سامان اپنے سر پر رکھا اور بڑے ہی شوق و تشفق کے ساتھ ، اس لا ابالی رفیق کی رفاقت میں انتہائی مسرت و شادمانی سے چل پڑے ۔ اے بھائی اس کے کوچے کے رہروؤں کے ساتھ دوست رہ یعنی یہ سعادت کی راہ ہے اے بھائی ۔ اُن صاحبِ کمال (داودؒ) کے بارے میں اُس سے جو بات بھی سُنتے اُسے گرانبہا موتی کی طرح ہوش کے کانوں میں ڈال لیتے ۔ راستہ چلتے وقت جس لمحے بھی اس پر سستی اور تھکاوٹ طاری ہو جاتی ، اُسی وقت اس کے پاؤں اور گھٹنے دستِ ادب سے دبانے لگتے ۔ اور اس سے جو بھی بُری حرکت اور کریہ صَوت سرزد ہوتی وہ معشوق کی سی حرکات و سکنات کی طرح اس کا دل اُڑا لیتی ۔ تا آنکہ نماز عصر کے وقت آستانۂ مبارک پہنچ کر دُور سے حضرت ایشاں اور شیخ بابو کو چوبارے پر بیٹھے دیکھا ۔ دھولا نے اپنا سامان ان سے لے لیا اور کہا : وہ باہر بیٹھے ہیں ، جا قدم چوم ۔

قطعہ (یعنی شعر):

آنکہ خلقی بجمالش نگرانند اینست و آنکہ شہری زغمش جامہ درآنند اینست

(جس کے حُسن پر لوگ نظریں جمائے ہوئے ہیں وہ یہ ہے اور جس کے غم میں ایک شہر کپڑے پھاڑے ہوئے ہے ، یہ ہے)

انہوں نے کہا کہ ایک بار تو میرے ساتھ اُن کے حضور ٹھہر ۔ وہ بولا : ضرورت نہیں ہے ۔ میں ذرا خانقاہ کے اس جانب جا رہا ہوں تاکہ تحفوں کی امانت سپرد کر دوں ۔ لہذا شاہ ابو اسحاق خوف اور اشتیاق کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ آہستہ آہستہ چلے ۔ پہلے شیخ بابو نے دُور سے ان کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا کہ لوٹ جا ۔ شاہ ہیبت زدہ ہو کر پیچھے ہٹے ۔ اسی اثنا میں حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے دستِ مبارک ان کی طرف اٹھایا اور معجزے کی حامل آستین سے فیض بشارت اشارہ فرمایا کہ آگے آ ۔ لہذا شاہ ڈرتے

کانپتے چوبارے پر پہنچے اور بے طاقتی کے عالم میں سر خاک پر رکھ دیا اور دیر تک سجدے میں پڑے رہے ۔ (حضرت ایشاں نے) فرمایا :

سر اٹھا ۔ انہوں نے زمین سے سر اٹھایا اور "لکل دخیل وحشت"۵۵ کے مصداق سرگریباں میں چھپا لیا اور بیٹھ گئے ۔ نہ تو سر اٹھانے کے ہمت رہی اور نہ تابِ دیدار ۔ ان پر غشی اور بیہوشی طاری ہوگئی ۔ کچھ دیر بعد حضرت نے ایک خادم سے فرمایا کہ امرومریدی (کذا) آستانے سے ایک چادر لے کر آ اور اس جوان کے کندھے پر ڈال ۔ اور وہ سیاہ ریشمی ردا تھی جس پر بہت عمدہ کشیدہ کاری کا کام کیا ہوا تھا ۔ لیکن شاہ ابو اسحاق بیحد استغراق میں تھے اور یہ الفاظ انہوں نے بیداری اور نیند کی درمیانی کیفیت میں سُنے ۔ جب تک حضوری میں بیٹھے رہے اپنے بارے میں بے خبر رہے ۔ اور جب حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ والرضوان اٹھے اور ان کی نظروں سے غائب ہوئے تو انہوں نے اس بیخودی سے سر اٹھایا ۔ وہ چادر تو ان کے جسم پر گویا آگ کی صورت اختیار کر گئی ۔ جسم کے جس جس حصّے کو چُھوتی وہ آگ کی مانند جلنے لگتا ۔ آخر اُٹھے ، وہ ردا لی اور خانقاہ کے کنوئیں کے چرخ پر ڈال دی اور ایک گوشے میں بیٹھ کر دیکھنے لگے ۔ اسی دوران میں ایک آدمی آیا اور اس نے وہ چادر اٹھالی اور لے گیا ۔ انہوں نے کوئی مزاحمت نہ کی ، کیونکہ انہیں علم تھا کہ ان میں اس کے پہننے کی طاقت نہیں ۔ جو شخص چادر اٹھا کر لے گیا وہ ایک انصاری تھا جس کا نام رحمت اللہ تھا ۔

غرض رات کے پہلے حصے میں خانقاہ کے کونے میں نالہ وآہ کے ساتھ بسر کی اور رات کے آخری حصے میں نوحہ کُناں اور نعرہ زناں صحرا کی طرف نکل گئے ۔ تمام رات دشت نوردی کی ۔ صبح کے وقت قصبۂ جھنی میں پُہنچے ۔ بازار میں جا کر ایک دکان کے گوشے میں پڑ رہے ۔ جب نماز کا وقت ہوا تو ان کا جی مچھلی کھانے کی آرزو میں ماہیِ بے آب کی طرح تڑپا ۔ وہاں نہ تو کوئی آشنا کہ اس کے گھر مہمان ہی بن جائیں اور نہ جیب میں پیسا کہ خود خرید کر کھالیں ۔ کچھ دیر بعد وہاں ایک شخص آیا ۔ اس تاریکی میں اس نے صدا لگائی کہ اگر یہاں کوئی بھوکا فقیر ہو تو وہ مخدوم شیخ بہاءالدین کی روح کے صدقے میں کھانا کھالے ۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ کون سا کھانا پکا ہے ؟ اس نے کہا : پُوچھ کیوں رہا ہے ، اگر رغبت ہے تو جو کچھ حاضر ہے ، آ اور کھالے ، ورنہ میں کوئی

اور فقیر ڈھونڈ لیتا ہوں ۔ انہوں نے کہا : اگر مچھلی ہو تو میں تیار ہوں ورنہ مجھے اور کسی چیز کی خواہش نہیں ۔ اس نے کہا : مچھلی تیار ہے ۔ چنانچہ وہ اٹھے اور اس کے ساتھ اس کے گھر چلے گئے ۔ وہ شخص جولاہا تھا ۔ اس نے مچھلی جولاہوں کے انداز میں ابالی تھی ، یعنی مچھلی کے گوشت کے ٹکڑے شوربے میں تیر رہے تھے ۔ اس نے بڑی سی رکابی میں ڈال دی ۔ اس کے دونوں بیٹوں نے کھائی اور خود اس نے ان کے ساتھ مل کر کھائی ۔ بہر حال چونکہ انہیں بہت زیادہ خواہش تھی اس لیے جیسی تیسی بھی میسّر آئی غنیمت جان کر پیٹ بھر کھائی ۔ فاتحہ پڑھی ۔ اس جولاہے نے پوچھا : تیرے سونے کی جگہ کہاں ہے ؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ فقیر یہاں کے لوگوں سے واقف نہیں ہے ۔ اس سادے آدمی نے کہا کہ یہیں سو رہ ۔ پھر انہیں ایک طرف جگہ دے دی ، دوسری طرف اپنی بیوی کو سُلا دیا اور ان دونوں کے درمیان خود بچوں کے ساتھ لیٹ گیا ، اور پشمینے کا لحاف سب پر ڈال دیا ۔ رات کے پہلے حصّے میں وہ سوئے رہے اورخوب آرام کیا ۔ جب آدھی رات گذری تو ان کے سینے میں زور کا درد اٹھا ، شدّت سے چیخ اٹھے ، جس کے باعث جولاہے کے بچے روتے ہوئے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور ماں باپ کے گلے لگ گئے ۔ آخر انہیں بہت دلاسا تسلّی دے کر اور چوم چاٹ کر پھر سُلا دیا گیا ۔ جولاہے کی بیوی بڑی ہی بد دماغ اور آشفتہ مزاج تھی ۔ رات کا ایک اور پہر گذرنے کے بعد شاہ (درد کے باعث) پہلے سے بھی زیادہ چیخ اٹھے ۔ جس کے نتیجے میں بچے پھر ڈرتے کانپتے ماں سے چمٹ گئے ۔ اس عورت نے غصّے کے عالم میں جولاہے کے سر پر زور کا دوہتڑ رسید کیا کہ او بھڑوے ! اِس قسم کے قلندر کو کوئی اپنے یہاں جگہ دیتا ہے جو تمام رات بچوں کی نیند اُڑائے رکھتا ہے ۔ شاہ اس عورت کی تیزی و طراری اور جولاہے کی بیچارگی پر بڑے شرمندہ ہوئے ۔ اسی وقت اٹھے اور صحرائے لاہور کی راہ پر چل پڑے ۔

روایت ہے کہ شاہ ابو اسحاق فرماتے تھے کہ جب میں سارا دن چلتا رہا تو تھکن اور بھوک کے باعث میں بے جان سا ہوگیا ۔ آبادی سے دور ایک سایہ دار درخت لرزاں ۵۶ نظر پڑا ۔ میں اس کے سائے میں لیٹ گیا ۔ میں نے دل میں سوچا کہ میں کیسا بدنصیب ہوں کہ میں نے حضرت کے لنگر سے کھانا نہ کھایا اور بے بہرہ چلا آیا ۔ اور اب مجھ میں چلنے کی بھی طاقت نہیں جو میں گھر بار تک پہنچ سکوں ۔ اسی سوچ میں میری

آنکھ لگ گئی ۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ایشاں میرے سرہانے آکر بیٹھے ہوئے ہیں ۔ شوربے کا پیالہ اور روٹی لیے مہربانی سے فرماتے ہیں کہ بابا تُونے تو اتنا بھی توقّف نہ کیا کہ کھانا ہی آ جاتا ۔ اب یہ لو ، یہ تمہارا حصّہ حاضر ہے ۔ اِس بشارت کی مسرت کے باعث میں جلد اٹھ کھڑا ہوا ۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ پیالہ اور سفید روٹی میرے پہلو میں موجود ہے ۔ اسے دیکھ کر میں مُتحیّر ہوا ۔ بھوک کے مطابق مَیں نے کھانا کھایا ۔ اِدھر میں نے کھانا ختم کیا اُدھر وہ پیالہ میری نظروں سے غائب ہوگیا ۔ مَیں اُٹھ کر عجیب و غریب ،٧٥ جگہ (کذا) چل پڑا ۔ جب میں والدہ کے پاس پہنچا تو انہیں میں نے کسی قدر یہ ماجرا سنایا ۔ وہ مُشفقہ بھی حیران رہ گئیں کہ کہاں اِس بے قراری کے ساتھ جانا اور کہاں اِس تیزی کے ساتھ آنا ۔ معاملہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ۔

بیت :

غیر خدا واقفِ این حال کیست   کآمدن و رفتنِ ما بہرِ چیست

(خدا کے سِوا ، اِس حال سے اور کون آگاہ ہے کہ ہمارا آنا اور جانا کس لیے ہے)

روایت ہے کہ کچھ دنوں بعد خلفاے کرام نے شہرِ لاہور میں عام منادی کرائی اور سعادت انجام مریدوں کو آگاہ کیا کہ زیارت کے موقع کا موسم اور سعادتِ ارادت کا وقتِ آخر قریب آ پہنچا ہے ۔ تیار ہو جاؤ اور روانگی کا ساز و سامان مہیّا کر لو ۔ اس زمانے میں کہ دولت قرین اور ہدایت قران ۵۸ تھا ، شہر لاہور میں حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے خلفا یہ تھے : شیخ مبارک نہے (کذا) ، شیخ بہاء الدین ، شیخ عُمر ، شیخ خضر رکن الدین کھوکھر اور شیخ عبداللہ ۔ ان میں سے ہر ایک گنجینۂ حقائق کا گنجور اور بحرِ معارف کا سفینہ تھا ۔ یہ حضرات ہر سال دو مرتبہ اپنے سعادت آثار مریدوں اور نیک کردار طالبوں کی جمعیت کی معیّن میں حضرت ایشاں کی زیارت کو آتے ۔ ان حضرات نے ایک معیّن طریقہ اور مقرّرہ گروہ تیار کر رکھا تھا۔ سبھی مذکورہ لوگ مقرّرہ دن اچھرے کے میدان میں اکٹھے ہوتے ۔ نذر کی جانے والی نقد و جنس ہر ایک سے لے کر اس کی نام وار فہرست بنالی جاتی ۔ جب وہاں پہنچتے تو نذر پیش کرنے کی خاطر نذر کی رقموں میں تفاوت کے مطابق ہر فرد کو رقم دے دی جاتی ۔ اتفاق سے ایک مرتبہ مرید اور خلفا مقرّرہ جگہ جمع ہوئے ۔ نذر کے موازنہ (وزن کرنے) اور گنتے وقت خلیفہ نے ، جو اس کام پر مقرر تھا ، شاہ بو اسحاق سے بھی پوچھ لیا کہ تیری نذر کس قدر ہے؟ انہوں نے تازہ نرگس کا

گلدستہ تحفے کے طور پر پکڑ رکھا تھا ، وہ خلیفہ کو دکھایا کہ بس یہی پھول حاضر ہیں ۔ وہ سختی اور درشتی سے پیش آیا کہ شاید اس قسم کے پھول وہاں کسی نے نہیں دیکھے ۔ نقد و جنس تو گھر میں رکھ آیا ہے اور گُل وگیاہ تحفے کے طور پر لے جا رہا ہے ، تجھے شرم تو نہیں آتی ، کہ دوسرے تو زر و سیم اور قسم قسم کے تحفے نذر گزارنیں گے اور تو یہ مٹھی بھر گھاس آگے رکھے گا ؟ تیرے حوصلے کے کیا کہنے ہیں اور تیری عقل کی کیا بات ہے ۔ شاہ ابو اسحاق اُس سنگ دل کی اِس ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش سے بہت ہی منفعل اور پشیمان ہوئے ۔

مصرع :

بغیرِ جان چہ بود عاشقانِ مفلس را ۵۹

(دل ہی عاشق کی بڑی سوغات ہے اور بیچارے کی کیا اوقات ہے)

الغرض جس روز مریدوں کے یہ خلفا ۶۰ آستانے کی قربت کی سعادت سے مشرف ہو رہے تھے تو خلفا نے دوسرے لوگوں سے پہلے معتبر اور زیادہ نذر والے لوگوں سے رجوع کیا ۔ شاہ ابو اسحاق اس سخت مزاج آدمی کی ڈانٹ ڈپٹ کے خوف سے سب سے آخر میں گھس گئے ۔ اس خلیفہ نے جس قدر بھی تحفے اور نذرانے پیش کیے آں حضرت نے ان کی طرف قطعاً نظرِ لطیف نہ اٹھائی ، اور فرمایا : جو شخص ہمارے لیے گل نرگس لایا ہے اسے آگے لاؤ ۔ سب احباب متوجہ ہوگئے ۔ انہیں جستجو ہوئی ۔ چنانچہ لوگوں کے ہجوم میں سے انہیں اہتمام کے ساتھ حاضر کیا گیا ۔ خلیفہ نے ان کے ہاتھ سے پھول پکڑنا اور پیش کرنا چاہے ۔ حضرت نے فرمایا کہ اَور کوئی اس گلدستے کو ہاتھ نہ لگائے ۔ پھر خود اپنے دستِ مبارک سے وہ گلدستہ ان سے لے لیا اور انہیں اپنے قریب جگہ دی اور اپنی شفقت و نوازش سے تمام حاضرین کو ابو اسحاق کا مشتاق بنا دیا ۔

بیت :

ما بروں را ننگریم و قال را — ما دروں را بنگریم و حال را

(ہم ظاہر اور گفتار کو نہیں دیکھتے ، ہم تو باطن اور کردار کو دیکھتے ہیں)

(حضرت نے) اسی لمحے وہ گلدستہ ایک درویش کے حوالے کیا کہ اسے دیپالپور لے جا کر درویش محمد خان کے سپرد کر دے ۔ یہ درویش محمد خان اور سلطان مہر علی خان حضرت

جنّت آشیانی (ہمایوں) کے بڑے صاحب شوکت امرا اور عالی مرتبہ خوانین میں سے تھے ، جنہیں جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے سالِ تخت نشینی میں سرکارِ دیپالپور کے تمام پر گنہ جات در و بست کے طریق پر جاگیرِ تنخواہ کی صورت میں ملے تھے ۔ ان لوگوں نے قلعۂ دیپالپور کے اندر مسجد تعمیر کر کے اور خانواہ (کذا) کھود کر اس عمدہ شہر کی گردن اور کانوں میں قیمتی زیور ڈالا اور اپنے لیے دوسرے جہان کی نعمتوں کا توشہ اور ثوابِ جاودانی کمایا تھا ۔

تاریخ :

شد سال بسال (کذا) نہصد و شصت این مسجد تمام
(یہ مسجد نو سو ساٹھ ھجری/۱۵۵۳ء میں مکمل ہوئی)

اس مسجد کی تاریخِ تعمیر ہے ۔

اتفاق سے اس روز مذکورہ درویشن محمد خان نے دل میں یہ خیال کیا تھا کہ اگر حضرت شیخ داؤد عارفِ کامل اور ولی مکمل ہیں تو وہ آج سرِ عدالت میرے لیے گُلِ نرگس بھیجیں گے ، وگرنہ ان کے کشف و کرامات کے بارے میں جو کچھ بھی سنا جا رہا ہے وہ محض حرف و صوت ہے ۔ چنانچہ وہ کچہری میں بیٹھا تھا کہ خادم نے گلدستہ لے جا کر اسے دیا ۔ مکاشفہ کی اس خوشبودار چیز (گلدستے) سے جب کرامات کی نسیم اس کے مشام میں چلی تو وہ بہت معتقد و مشتاق ہوا ۔ اس نے پانسو روپیہ نقد بطور نذر بھجوایا اور کمالِ صدق و اعتقاد پر مشتمل ایک عریضہ لکھا کہ ہم نے لنگرِ منوّرہ کے لیے مذکورہ رقم جتنا ایک کُپا ۶۱ (یا ڈبا) تیار کیا ہے جسے آستانۂ مبارک کے فقرا فصل کے فصل تصرف میں لائیں گے ۔

حضرت ، لاہور کے خلفا اور ولایت کے حامل تمام اصحاب کے مجمع میں بیٹھے تھے جب خادم نے وہ رقم اور عریضہ لا کر پیش کیا ۔ تبسّم کرتے ہوئے اس خلیفہ سے فرمایا کہ : یہ چیزیں ہمارے مہرنگ (یعنی ابواسحاق) کے رنگ و بو کی ہلکی سی خوشبو ہیں ، جسے تُو نے اِس پر ڈانٹ ڈپٹ کی تھی ۔

بیت :

جان ۶۲ کن درون پاک ضمیرے کہ عاقبت　　زین شیوہ کار فطرت بدیوانگی کشید (کذا)
(کسی پاک ضمیر کے اندر جگہ کر ، کیونکہ آخر کار اِس طریق سے فطرت کا معاملہ دیوانگی تک

جا پہنچا)

روایت ہے کہ خطۂ لاہور کے خلفا کی جماعت نے جب قافلہ کو واپس (لاہور کی طرف) موڑا تو شاہ ، شمعِ جہاں افروز (داؤد) کی شعاعوں پر پروانے کی مانند نیم سوختہ ہو کر رہ گئے ۔ حُبِ وطن اور فرزند و زن کی محبت کو انہوں نے طاقِ نسیاں پر رکھا اور نیستی و نامرادی کو قرارِ ابدی دیا ۔ ان کی والدہ کو جب اس کی خبر ملی تو وہ اسی وقت لاہور سے شیر گڑھ روانہ ہوگئیں ۔ دلِ بریاں (بُھنے ہوئے دل) اور دیدۂ گریاں کے ساتھ بیٹے کے پاس پہنچیں ۔ مہدِ معرفت کا وہ نازنین اور مصرِ مشاہدہ کا وہ عزیز بسترِ خاکستر پر سویا ہوا اور جوہر جان کو دردِ غُربت (پردیس) کے الماس میں پروئے ہوئے تھا ۔ مادرانہ شفقت اور عنصری پیوند کی گرم خونی کے تقاضا کے طور پر ان کا سر اپنی آغوش میں رکھا اور آنسو بہاتے ہوئے ان سے حال پوچھا ، لیکن (شاید) ان کی نرگسی نگاہ میں رنگ آشنائی چمک اٹھا ۔ بال نوچتے ہوئے حضرت ایشاں کی طرف دَوڑیں اور زبان کے گھوڑے کی لگام کو انہوں نے بیہودہ گوئی کے میدان میں کُھلا چھوڑ دیا کہ تُو (داؤد) نے لطف و احسان کے ترشح سے دنیا والوں کی کشتزارِ امید کو تو ہرا بھرا کر دیا اور میری شاخ عیش (زندگی) اور کاخ عشرت کو تباہ کر کے رکھ دیا ۔ خدارا ہمارے اور اس کے بچوں کے حال پر رحم کر اور اس سے ہاتھ اٹھا لے وگرنہ آج میں اپنا خون تیری اسی خانقاہ میں گراؤں گی اور کل قیامت کے دن تیری دامنگیر ہوں گی ۔ حضرت ایشاں نے فرمایا کہ میرا کوئی ایسا کام تیرے بیٹے پر موقوف نہیں جو اس کے بغیر پورا نہ ہو پائے ، اس نے تو اپنی کارسازی کی خاطر یہ ساری تکلیف اختیار کی ہے ۔ اگر تو راضی نہیں ہے تو میں نے بھی اجازت دے دی ۔ اگر تجھ سے ممکن ہے تو جا ابھی اسے لے جا ۔ پھر وہ بُڑھیا کے ساتھ اٹھے اور جانے کا سامان تیار کیا ۔ لڑکے (بو اسحاق) کو کڑے (کنگن) اور چیرے (پگڑی) کے ساتھ خود اونٹ کے ہودے پر سوار کیا ، لیکن ساربان نے اور پھر تمام لوگوں نے اگرچہ بڑی کوشش کی اور زور لگایا لیکن اونٹ زمین سے نہ اٹھا اور خاک میں اِس قدر لوٹا کہ سیکڑوں چابک کھانے اور سُوئے چبھائے جانے کے بعد بھی جگہ سے نہ ہِلا ۔

روایت ہے کہ ایک روز جذبۂ مابین کی ۶۳ کمند کہ اس کی اونٹنی نے بڑے ہاتھ پاؤں مارے ، اور محمل نہ اٹھائی۔ ۶۳ اونٹ کی اِس حرکت و ہمت کے بعد امید کے ہاتھ دھو ڈالے (ناامیدی ہوگئی) اور گاڑی کرائے پر لی اور اس پر سوار کرایا ۔ جب انہوں نے چنہ

چاہا تو گاڑی کے چاروں بیل زمین پر لیٹ گئے ۔ کوچوان نے جس قدر بھی کوشش کی اور چابک مارے ، بیل قطعاً نہ ہلے ۔ اس ضعیفہ نے جب ان دو لطیف باتوں کو معمول و عادت سے ہٹ کر پایا تو وہ حضرت ایشاں کی خدمت میں گئی اور زار و قطار روتے ہوئے کہنے لگی : تو نے میرا بیٹا مجھ سے چھین لیا ۔ اُسے تیرے سپرد کیے جا رہی ہوں ، لیکن یہ بتا کہ اس کے بال بچوں کا کیا بنے گا ۔ حضرت نے فرمایا : خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر ماں باپ سے زیادہ مہربان ہے ۔ جا ، خاطر جمع رکھ ، کچھ دیر کے لیے بیٹے کو یہاں چھوڑ جا ، جب اس کا کام بن جائے گا تیرے پاس چلا آئے گا۔

جب ان کی والدہ چلی گئیں تو (حضرت نے) انہیں اپنا مرید کر لیا اور شیخ کمال کے سپرد کر دیا کہ اس پر توجہ کر اور اس کے سلوک کے احوال کی اصلاح کرتا رہ ۔

روایت ہے کہ بندگی شیخ کمال خانقاہ کے تمام فقرا کو ایندھن کی خاطر ہر روز صحرا کی طرف بھیجا کرتے ۔ یہ کام ان سے عبادت اور وظائفِ شغل ادا کرنے کے بعد لیا جاتا ۔ وہ کسی کو بھی بیکار نہ رہنے دیتے ۔ اس زمانے میں ایندھن آستانۂ مبارک کے قریب ہی تھا ، یعنی ہر کوئی تھوڑے ہی فاصلے پر جا کر حسبِ خواہش ایندھن اکٹھا کر سکتا تھا ۔ شیخ کمال نے شاہ ابواسحق کو بھی ایندھن اکٹھا کرنے کی خدمت پر مامور فرمایا ۔ وہ ہر روز فقرا کی جماعت کے ساتھ صحرا کو جاتے اور بقدرِ طاقت ایندھن کا گٹھا اٹھا کر لے آتے ۔ ایک روز شیخ کمال نے دیکھا کہ ان کے ایندھن کا بوجھ دوسروں کی نسبت کمتر ہے ۔ چنانچہ انہیں بہت ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش فرمائی کہ یہ امر بڑی ہی سُستی کی علامت اور کم ہمتی کی دلیل ہے کہ تیرا ایندھن کمتر ہے اور تو سب سے کم لا رہا ہے ۔

بیت :

بلند ہمت باش ای پسر کہ قیمتِ تو چنانکہ ہمتِ تو آنقدر تواند بود

(اے بیٹے ! بلند ہمت بن کیونکہ جس قدر تیری ہمت ہوگی اُسی قدر تیری قیمت پڑ سکے گی) اس کے بعد سب دوستوں نے متفقہ طور پر یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب وہ خانقاہ کے نزدیک پہنچتے تو اپنے اپنے گٹھے سے کسی قدر ایندھن نکالتے اور شاہ ابواسحاق کے سر پر رکھ دیتے تاکہ ان کا گٹھا بھی دوسروں کے گٹھوں کے برابر ہو جائے اور شیخ کمال پھر عتاب نہ فرمائیں ۔ ہاں !

بیت :

تاکہ از غیری نہ بینی خو مِہا کی زسیری بازیابی لُطفہا

(اے بڑی آدمی ! جب تک تو غیر کی عشق پیچاں یا باڑ نہ دیکھے تو تُو لہسن سے لطف کیوں کر پائے گا)

یہاں تک کہ ہدایت و ارشاد دستگاہ (سرمایہ) حضرت نے کچھ مدت بعد شاہ ابواسحاق کے لیے ایک گھر (کمرہ) مقرر فرما دیا اور ان کی تربیت و تلقین پر توجہ کی ۔ انہوں نے مسلسل چند چِلّے کاٹے اور اس طرح دولتِ ابدی اور سعادتِ سرمدی حاصل کی ۔ جب ان کا کام کماحقہٗ بن گیا تو اجازت لی کہ لاہور جا بیٹھیں اور والدہ کی خدمت کریں اور بال بچوں پر توجہ دیں ۔

روایت ہے کہ ایک مُدت تک انہوں نے یہ بات پابندی کے ساتھ نبھائی کہ جمعہ کے روز نماز ادا کر کے لاہور سے شیر گڑھ روانہ ہو جاتے اور وہاں پہنچ کر جمعہ کی نماز حضرت ایشاں کی معیت میں ادا کرتے ۔ پھر اجازت لیتے اور دو گھڑیوں میں پھر لاہور پہنچ جاتے ۔ ان کے اکثر عزیز دوست مثلاً شیخ سہتہ (سٹھا؟) وغیرہ بھی ان کی رفاقت میں حضرت کی زیارت کو آتے ۔ یہ لوگ بھی ان (شاہ) کی متابعت کی برکت سے اور پیروی کے طفیل دوپہر میں بآسانی مسافت طے کر لیتے ۔

بیت :

باسبک روحان کن آمیزش کہ مانی چون براہ بارِ غم بردوش دل منزل بمنزل میبرند

(سبک روحوں ، مُراد بے تعلق یا اللہ والوں ، کے ساتھ مل کر رہ ، کیونکہ جب تو راستے میں رہ جائے تو وہ غم کا بوجھ دل کے کندھوں پر اُٹھا کر منزل بمنزل لے جائیں گے)

روایت ہے کہ شاہ ابواسحاق صوفیہ کا خاص لباس نہ پہنتے تھے ۔ جو کچھ غیب سے میسّر آ جاتا پہن لیتے ۔ جب بھی وہ گھر سے آستانے کی طرف نکلتے تو لوگ بے اختیار ان کے پیچھے ہو لیتے اور ان کے قدموں کے نشانوں پر چلتے ۔

روایت ہے کہ شیخ اسحاق سہتہ بڑے بڑے علما میں سے اور صلحائے دہر کا سرگروہ تھا ۔ اسے حضرت ایشاں سے بہت زیادہ عقیدت و ارادت تھی ۔ وہ اکثر شاہ ابواسحاق کے برابر (مقابل) انفس و آفاق کے اس قطب کی زیارت کے لیے لاہور سے پا پیادہ شیر گڑھ پہنچتا ۔ ایک رات شاہ ابواسحاق تہجّد کی نماز ادا کر کے آستانے کی طرف روانہ ہوئے ۔ شیخ

اسحاق سہتہ بھی اس صاحبِ کمال کے پیچھے تیز تیز چلا ۔ صبح کے وقت شاہ کے قدموں کی چاپ سے سڑک پر پڑا ایک کالا ناگ اٹھا اور پھن پھیلا کر زور شور سے پھنکارنے لگا ۔ شاہ اُس سے زور دار آواز میں مخاطب ہوئے کہ "او بے خبر نادان" ۔ اس ناگ نے اسی وقت سر زمین پر رکھ دیا اور سجدے میں گر گیا ۔ جب وہ جُھنگی کے قریب پہنچے تو صبح کی نماز ادا کی ۔ شیخ اسحاق سہتہ نے ان سے پوچھا کہ اس حالت استغراق میں ناگ کو تنبیہ اور سرزنش کرنے کا سبب کیا تھا ؟ انہوں نے فرمایا کہ درویش پر کبھی ایسی حالت وارد ہوتی ہے جب تمام حیوانات اور مخلوقات اس کی اطاعت و متابعت کے مقام پر ہوتی ہیں (سب اس کا حکم بجا لاتے ہیں)۔ جب وہ ناگ ستیزہ و شورش پر اتر آیا تو مجھے اپنے وقت پر شبہ ہوا ۔ بلاشبہ میں نے تنبیہ سے کام لیا اور اسے سجدے میں گرا دیا ۔

جب کبھی لاہور میں انہیں خربوزہ پیش کیا جاتا اور کوئی عمدہ اور میٹھا خربوزہ ہوتا تو اسے اسی طرح رومال میں لپیٹ کر ہاتھ میں رکھ لیتے اور چند ہی ساعتوں میں شیر گڑھ پہنچ کر حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی خدمت میں پیش کر دیتے ۔

روایت ہے کہ ان دنوں محمد جھولہ نام کا ایک ملحد تھا جو مذہبِ جبریہ کا پیرو کار تھا اور انسان کے فعل و قدرت کا قائل نہ تھا ۔ صوفیا کے لباس میں ظاہر ہوتا ۔ طاعت کی رسّی اس نے گردن سے اتار ڈالی تھی اور اباحت ۶۴ کی چراگاہ میں بے لگام چرتا رہتا ۔ اس نے لاہور کے اکثر جاہلوں کو اپنا مرید و معتقد بنا رکھا اور بہت زیادہ شہرت اور رسوخ پیدا کر لیا تھا ۔ اس کا ایک بیٹا تھا اور زر و زیور کی مالک چند بیٹیاں تھیں ۔ اور دولتمندی اور دنیاداری و تقلید سے تعلق کے باوجود خود پر آزاد مَنَشی کی عبارت لکھتا تھا (آزاد منش بنتا تھا)۔ حضرت ایشاں بھی اکثر لاہور کے دوستوں سے تبسم فرماتے ہوئے پوچھتے کہ محمد جھولہ کا کیا حال ہے اور اس کا "حالِ اتحاد" کس ڈگر پر ہے ۔

القصہ ایک روز شاہ ابواسحاق اس کو آزمانے کے ارادے سے محمد جھولہ کے گھر گئے اور اپنے ساتھ محلہ مزنگ کے چند اوباشوں اور لفنگوں کو بھی لیتے گئے ۔ شاہ نے ان لوگوں سے کہا کہ جس وقت بھی وہ "جبریہ" (وہ فرقہ جو انسان کو مجبورِ محض قرار دیتا ہے) والوں کی بے تکی تاتیں شروع کرے تم کچھ خیال کیے بغیر اٹھ کر اس کے گھر میں گھس جانا اور اس کی عورتوں ، لڑکیوں اور بیٹوں ۶۵ کے سامنے جو کچھ بھی طعام وغیرہ پڑا ہو ، اٹھا لینا اور کھا لینا تاکہ ہم اس کی استقامت کی نقدی کو تجربے کی کسوٹی پر پرکھ لیں ۔

بیت :

ندارد کسی باتو ناگفتہ کار و لیکن چو گفتی دلیلش بیار

(تجھ سے کسی کو ، تیرے بات کیے بغیر ، کوئی سرو کار نہیں ہے لیکن جب تو نے بات کی ہے تو پھر اس کی دلیل لا)

شام کے وقت شاہ اس کے گھر تشریف لے گئے ۔ اس نے ان کی حامِل ہدایت تشریف آوری کو غنیمت جانا اور بہت ہی خوش و خرم ہوا اور جبریہ کی باتوں سے متعلق چرب زبانی دکھانے لگا ۔ پھر بولا کہ انسان پر یہ محض تہمت ہے کہ وہ کوئی کام کرنے پر قدرت رکھتا اور خود کوئی فعل کر سکتا ہے ، اور اس کی حرکات و سکنات کانپنے والے اور اپاہج کے سکون و حرکت کی مانند ہیں ۔ اسی اثنا میں اوباشوں کا ٹولا ان (شاہ) کے حکم پر اٹھا اور اس کے گھر کے اندر داخل ہو کر وہ لوگ کھانے اور پھل وغیرہ پر ہاتھ صاف کرنے لگے ۔ ایک شور اور ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا ۔ محمد جھولہ نے اٹھ کر صورت حال معلوم کرنا چاہی تو شاہ ابواسحاق نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولے : بیٹھ جا ۔ تجھ میں کچھ کرنے کی قدرت کہاں ہے جو تو یہ شور شرابا دور کر پائے گا ۔ اسی دوران میں اس کے گھر والے باہر بھاگے آئے اور بولے کہ ان (شاہ) کے تمام ہمراہیوں نے اندر گھس کر دست درازی کی ہے ۔ محمد جھولہ ٦٦ بہت غصے ہوا ۔ شاہ سے کہنے لگا یہ بُرا فعل تیرا ہے کہ تُو نے اس "قدرت" کو ہمارے گھر میں شروع کیا ہے ۔ شاہ نے فرمایا : تُو خود ہی تو کہتا ہے کہ فعل کی نسبت بندے پر تہمت ہے ۔ اپنی بات پر ثابت قدم رہ اور بے قراری کے ناخن سے سینہ زخمی مت کر ، کیونکہ ہمیں اس میں کوئی اختیار نہیں ہے ۔ محمد جھولہ بولا : اے شاہ ! یہ ہنسی مذاق چھوڑ اور انہیں باہر لے آ ۔ چنانچہ ان کے فرمانے پر وہ لوگ باہر آ گئے ۔ انہوں نے محمد جھولہ کو آگے کھینچا اور بولے : تعجب ہے کہ تو میرے اور ان چند لوگوں کے فعل و قدرت کا قائل ہوگیا اور اپنے باطل اجتہاد میں ایک لحظہ بھی صبر نہ کر سکا ۔ اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تو کہتا ہے تو پھر تجھے صبر کرنا اور مجھے اور ان لوگوں کو اس فعل میں معذور و مجبور سمجھنا چاہیے تھا اور اگر تونے دیکھ اور سمجھ لیا ہے کہ یہ قول اور مذہب باطل ہے تو پھر تجھے تائب ہو جانا اور اس کی طرف نہ جانا چاہیے ، اس لیے کہ 'صلوات قائم کرو اور زکواۃ دو' کے حکم کی خبر اختیار کی حامل ہے ۔

بیت :

اختیار آمد عبادت را نمک ورنہ می گیرد بناخواہ ایں فلک ٦٧

(اختیار ، عبادت کے لیے نمک کی حیثیت رکھتا ہے ورنہ یہ آسمان تو اَن چاہے لے لیتا ہے)

محمد جھولہ عجیب مخمصے کا شکار ہوا اور ذرا بھی دم نہ مار سکا ۔

یہاں مذہب جبری و قدری کے بارے میں کچھ لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ اس سلسلے میں بڑے بڑے محققین کی آرا نقل کی جاتی ہیں ۔ کتاب "ملل و نحل" میں ہے کہ جبریہ اور قدریہ دو باہم متضاد فرقے ہیں ، مرجیہ اور عیدیہ کی مانند ۔ جبریہ فرقے کے لوگ اِس بات کے قائل ہیں کہ بندے سے قطعاً کوئی فعل صادر نہیں ہوتا ۔ اس کی حرکات ، مرتعش (رعشہ دار) کی حرکت کی مانند ہیں اور اس کی سکنات اپاہج ٦٨ کے سکون کی صورت ہیں جو بے قدرت ، بے ارادہ اور بے اختیار صادر ہوتا ہے ۔ پھر آگے اس فرقے کی دو شاخیں ہیں ۔ جبریۂ متوسط بندے کی قدرت و اختیار کا اِثبات کرتے ہیں لیکن ایسی قدرت کا جو غیر مؤثر ہے ۔ بندے کی قدرت و افعال میں حق سبحانہٗ کو فاعل جانتے ہیں اور بس ۔ اہل حق کا کہنا ہے کہ یہ قول باطل ہے ، اس لیے کہ ہم حرکتِ بطش (خشم ، تندی ، حملہ کرنا) اور حرکت ارتعاش (رعشہ) میں امتیاز کرتے ہیں ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پہلی (حرکت) اختیار میں ہے اور دوسری نہیں ہے ۔ اِس لحاظ سے انسان کو کسی فعل میں اختیار ہے ، اور اگر انسان فعل سے بالکل عاری ہو تو اس کا کام بہت ہی بُرا ہوگا اور ثواب و عقاب (سزا) کی ترتیب اس پر محال ہوگی ، کیونکہ حقیقت میں فعل کا سرزد ہونا اس سے منسوب نہ کیا جا سکے گا ، جیسا کہ کہتے ہیں : (فلاں) زکوٰۃ دیتا ہے ، نماز پڑھتا ہے وغیرہ ۔ ظاہر ہے اس صورت میں زکواۃ دینے اور نماز پڑھنے والا کوئی اور ہوگا نہ وہ انسان ۔ جب کہ قرآن (کریم) میں عمل کی نسبت انسان سے ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : وہ نماز قائم کرتے اور زکواۃ دیتے ہیں ۔ تو ان کی جزا بھی ان کے عمل کے مطابق ہوگی ۔ "ان کی جزا ان کے عملوں کی نسبت سے ہوگی"۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : آج کے دن ہر جی کو اس کے عمل کی جزا ملے گی ۔ اگر جبریہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تحقیق سے جانا ہے کہ اللہ تعالیٰ افعال کی تخلیق اور ان کی ایجاد میں مشغول ہے اور اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں ؛ خداے بزرگ و برتر فرماتا ہے : آیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے ۔

تو پھر جس وقت بھی ہم انسان کو حقیقت میں کسی فعل کا فاعل اور اس کا موجد جانیں گے تو لازم آئے گا کہ ... (عبارت غیر واضح ہے)۔ اور ایسا مناسب نہیں ہے ۔ محققوں نے (اس کے) جواب میں کہا ہے کہ جیسا کہ دلیل سے ثابت ہے کہ حق سبحانہٗ خالقِ افعال ہے تو ناگزیر یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض افعال میں بندے کی قدرتِ وارادات بھی شامل ہوتی ہے ، جیسے حرکتِ بطش میں اور بعض حرکتِ ارتعاش میں ۔ تو ان دو صورتوں کو ملا کر ہم کہتے ہیں کہ اللہ خالق ہے اور بندہ کاسب (کمانے والا ، ہنرور ، کام کرنے والا) ۔ بندے کے کام کرنے کو اس کی قدرتِ وارادات جانتے اور ہر فاعل کو اس کے اپنے فعل کا خالق اور موجِد گرداتے ہیں ۔ وہ (اصحابِ تحقیق) کہتے ہینکہ اگر انسان اپنے فعل میں مُختار نہ ہو تو اس کے افعال حرکاتِ جمادات کے جانشین ہوں گے اور چونکہ جمادات مکلّف (جسے اس کی طاقت کے اندازے کے مطابق کام سونپا گیا ہو) نہیں ہیں اس لیے بندے کو بھی تکلُّف (خود تکلیف اٹھانا) نہیں ہے اور وہ ذاتی احکام ، جن پر عمل کے لیے بندے کو کہا گیا ہے ، جیسے نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو وغیرہ ، سبھی بے فائدہ اور بے کار ٹھہریں گے ۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ اگر بندے کو خالقِ افعال مان لیا جائے تو پھر تمہارے قول کے مطابق حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ بعض اشیا کا خالق ۶۹ ہوگا اور بعض کا نہیں ، اور اس صورت میں یہ فرمان کہ "اللہ ہر شے کا خالق ہے" جھوٹ قرار پائے گا ، تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً (اللہ تعالیٰ اس سے بلند اور بڑا ہے) ۔ دوسرے یہ کہ افعال ، اعیان ۷۰ سے زیادہ ہیں ، اس لیے بندوں کی پیدا کردہ اشیا خدا کی پیدا کردہ اشیا سے زیادہ ہوں گی اور اِس بنا پر آدمی صفتِ خالقیّت میں مخلوق خالق سے زیادہ ہوگی ، کیونکہ جب دو فاعلوں میں سے ایک کا فعل زیادہ ہوگا تو وہ یقیناً فاعلیت کی مدح میں دوسرے کی نسبت زیادہ سزاوار (لائق ، شایاں) ہوگا ۔ پھر یہ لازم ٹھہرے گا کہ آفریدگان (پیدا کیے گئے ، مخلوق) کی قدرت ، آفرینندہ (پیدا کرنے والا ، خالق) کی قدرت کی نسبت کاملتر ہو ۔ اِس لیے کہ فعل ، قدرت کی علامت ہے ۔ جہاں فعل زیادہ ہوگا قدرت تمامتر (مکمل) ہوگی اور جس قدر قدرتُ کمال کے نزدیک ہوگی فعل کے آثار عام تر ہوں گے اور یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ وہ قدرت جو عرض (جو صفت خود قائم نہ ہو) ہو اور جسے دوام نہ ہو اس کی صفت کے زمانین (کذا) اُس قدرت کی نسبت کامل ہیں جو ذاتی (خود پر قائم) ہے اور لایزال (جسے زوال نہ ہو ۔ دوامی) اور لابقی (لاسیقی ،

جسے دوام نہ ہو ، لیکن یہاں منفی کی بجائے مُثبت کا محل ہے) اس کی صفت ہے ۔

بیت :

از بندۂ عاجز نشود دعویٰ قدرت القدرت لِلہ تبارک و تعالیٰ

(بندۂ عاجز سے قدرت کا دعوی ممکن نہیں ۔ قدرت تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے ہے)

اور جس نے پہلے پہل مذہب قدریہ آشکار کیا وہ عمر ولی عید (کذا) تھا ۔ زہد و ورع میں اسے بہت شہرت حاصل تھی ۔ "شرح تعرف" میں ہے کہ ایک روز کوئی دیہاتی اس کے پاس آیا اور کہنے لگا : اے شیخ ! کسی نے میرا گدھا چُرا لیا ہے ۔ دعا کر کہ خداوند تعالیٰ اسے مجھ تک پھر پہنچا دے ۔ شیخ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور بولا : یارب اس بیچارے کا گدھا چُرا لیا گیا ہے ، اور یہ چوری تیری مرضی اور ارادے سے نہیں ہوئی ، (چور کے) دل میں ڈال دے کہ وہ اس کا گدھا اسے لوٹا دے ۔ بدوّ چیخ اٹھا کہ شیخا ! مجھے اِس دُعا کی ضرورت نہیں ، کیونکہ جب اس (خدا) کی اس میں رضا تھی کہ گدھا چرا لیا جائے تو چُرا لیا گیا ، تو اب اگر وہ چاہے بھی کہ لوٹا دیا جائے تو وہ (چور) نہیں دے گا ۔ عمر مجبور ہوگیا اور کچھ نہ کہہ سکا ۔ سو اے عزیز ! قدری (قدریہ کا پیرو) حق کو عمل سے معزول کرتا اور خود کو اعمال سے مستحکم جانتا ہے ۔ اور علما اِس حدیث "القدریہ مجوس ہذاۃ الامتہ (قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں) پر متفق ہیں ۔ اس لیے گروہ پر (عبارت واضح نہیں ۔ کوئی لفظ رہ گیا ہے) یہ نام کسی دوسرے کے حوالے کرتے ہیں ۔ معتزلہ ۱، ، اشاعرہ ۲، کو قدریہ جانتے ہیں اور وہ اس مذہب (فرقے) کو معتزلہ کہتے ہیں ۔ ۳، اشعری کہتا ہے کہ قدری وہ ہے جو کسی فعل میں خود کو حق کا شریک جانتا ہے ۔ اسی لیے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے قدریہ کو مطلق کفر کا نام دیا جس کی تاویل نہیں ہے ۔ کفرِ خاص کے نام سے اسے موسوم کیا جو مجوسیّت (آتش پرستی) ہے ۔ یہ اس لیے کہ مجوس (آتش پرست) دو فاعلوں کا قائل ہے ۔ ایک خالقِ خیر۴، اور ایک خالقِ شر۵، ۔ وہ بھی حق کی خالقیت میں شریک لاتے ہیں ۔ ایک شریک تو کیا بے حساب اور لاتعداد شرکا ۔

مُعتزلی کہتا ہے کہ قدری وہ ہے جو تمام افعال تقدیر کے سر تھوپتا اور کفر اور فسق و فجور میں حق کے ارادہ و مشیّت کو شامل جانتا ہے ۔ یہ لوگ (مُعتزلہ) انسان کو ہر فعل

میں مسلوب الاختیار (جس سے اختیار لے لیا گیا ہو ، بے اختیار) جانتے ہیں ۔ اور اس تمام تکلیف (ایسے کام کا حکم جو کسی کی طاقت سے باہر ہو) کے باوصف امید کے دروازے پر ۔۔۔ ٧٦

کہتے ہیں کہ ایک روز کوئی قدری کسی اجمعی سے مناظرہ کر رہا تھا ۔ اس (قدری) نے کہا کہ قدری تو تم ہو ، ہم نہیں ، اس لیے کہ ہم کہتے ہیں کہ تقدیر نہیں ہے اور تم کہتے ہو کہ "ہے"۔ لہذا کسی چیز کی مشیئت کو اس نام سے موسوم کرنا چاہیے نہ دوسری کو ۔ اجمعی نے جواب دیا کہ ایسا ہی ہے ۔ ہم کہتے ہیں کہ تقدیر خدا کی طرف سے ہے ، ہم سے نہیں ۔ تم کہتے ہو کہ ہم سے ہے ، خدا سے نہیں ، لہذا نام کا مستحق وہ ہوگا جو خود کو اس سے متصف کرے ، غیر کو نہیں ۔ غرض اِن دو فریقوں کا طریقِ مباحثہ دور دراز ہے اور ہر دو جانب سے دلایل و براہین کے دروازے (وا ہیں) ۔ برسوں گذر چکے ہیں کہ وہ اس مسئلے پر غوروخوض کرتے اور مجادلہ و مناقشہ (لڑائی جھگڑے) کا در بند کرتے اور کھولتے رہتے ہیں اور یوں فَیضِ کلّی کے حصول سے محروم ہیں ۔

مصرع : این بحث و جدال درمیانست ہنوز
(یہ بحث اور لڑائی جھگڑا ابھی تک جاری ہے)

حقیقت یہ ہے کہ قدریہ اِفراط کی طرف مائل ہیں (اپنے نظریے سے متعلق انتہا پسند ہیں) اور حق کو ، عمل میں ، کسی طرح بھی دخیل نہیں گرداتنے اور خیر اور شر کے تمام امور فاعل کے کھاتے میں ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں ظاہر پر حکم ہے ، بلاشبہ کوئی فاعل اپنے اس فعل پر قابلِ گرفت ہے جس پر شریعت نے حد مقرر کر دی ہے ، جیسے زنا ، چوری وغیرہ ، اور اسے سند نہیں بنایا جا سکتا کہ میں اس کا فاعل نہیں ہوں ۔ ان باتوں سے وہ مخلوقات میں حق کی خالقیت ، ارادت اور تصرّف سے غافل رہ گئے ۔ جب کہ جبریہ نے تفریط کی راہ اختیار کی (یعنی دوسری انتہا کو لیا) ۔ وہ انسان کے کسی بھی قسم کے عمل اور قدرت کے منکر ہیں ، جس کی بنا پر انسان کے عمل اور اس کے نتیجے میں ثواب یا عقاب (سزا) کا عقیدہ ہی زائل ہوگیا ۔ (اصل میں) صحیح راستہ اِن دو طریقوں کے درمیان ہے جیسا کہ جعفر رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا ہے کہ لا جبر ولا تفویض ولکن امر بین امرین ؛ نہ ؛ تو جبر ہے اور نہ اختیار ، بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک معاملہ ہے ، اور اہل سنت و جماعت کا مسلک یہ ہے ، کیونکہ وہ ہر فعل کو کسب اور خلق کے

مابین واقع جانتے ہیں اور وہ خلق کا اثبات کرتے ہیں تاکہ قدر نہ ہو اور کسب ثابت کرتے ہیں تاکہ جبر نہ ہو ۔

بزرگوں کا کہنا ہے کہ جبریہ کا کلام (فلسفہ ، نظریہ) اور اہلِ توحید کا کلام ایک دوسرے کے مشابہ ہے ۔ حقیقت میں چونکہ مجوس ،، کے ساتھ قدر مناسبت (مشترک) ، کہ ان کا کلام ثنویت پر مبنی ہے ، ثابت ہے ، اس لیے جبریہ (جو مد مقابل ہیں) کا کلام توحید پر ہوگا ۔ اسی وجہ سے صاحبِ گلشن ۹ے کہتے ہیں :

ہر آن کس راکہ مذہب غیرِ جبراست　　نبیؐ فرمود کو مانند گبراست ۸۰

(جس کسی کا بھی مسلک جبریہ کے علاوہ ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ آتش پرست کی مانند ہے)

غایت اس کی یہ ہے کہ جبریہ دخلِ تقلید میں رہ گئے ہیں (؟) اور جبر کے بھید سے بے خبر ہیں اور موحدّوں (توحید پرستوں) کے مطابق جبر چار قسم کا ہے ۔ جبر جبری (جبر چہری ؟) تو وہ ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ۔ جبرہ (کذا) اس امر کے مقید نہیں ہیں (عبارت واضح نہیں) اور وہ اِس سے غافل ہیں کہ نفس کو اختیار حاصل ہے اور امرو نہی اور وعدہ و وعید اس کے تابع ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ان النفس لِلمّارہ (تحقیق نفس بہت زیادہ حکم دینے والا ہے)۔ ظاہر ہے کہ امر ، اختیار کے بغیر ممکن نہیں ۔ اگرچہ حقیقت میں وہ مجبور ہیں لیکن اپنی "مجبوریہ" (مجبوری) سے آگاہ نہیں ہیں ۔ حضرت معنوی ۸۱ جبر کے بیان میں اختیار سے متعلق فرماتے ہیں :

۸۲ در خرد جبر از قدر رُسوا ترست　　زانکہ جبری حِسّ خود را منکر است ۸۳

اختیاری ہست مارا درجہان　　حِسّ را منکر تتانی شد عیان ۸۴

این کہ فردا این کنم یاآن کنم　　این دلیلِ اختیار است ای صنم

جملہ قرآن امر و نہیست و وعید　　امر کردن سنگِ مرمر را کہ دید ۸۵

در ہر آن کاری کہ میلت نیست و خواست　　اندر آن جبری شوی کاین از خداست ۸۶

ترک کن این جبر را کہ بس تہیست　　تا بدانی سرِ سرِ جبر چیست ۸۷

(= عقل کے مطابق جبر ، قدر سے زیادہ رُسوا ہے ، اِس لیے کہ جبری اپنی حِس کا منکر ہے

= دنیا میں ہمیں اختیار حاصل ہے ۔ عیاں طور پر حِس کا منکر نہیں ہوا جا سکتا

= یہ جو [ہم کہتے ہیں کہ] میں کل یہ کروں گا یا وہ کروں گا تو اے بُت یعنی عزیز یہ اختیار کی دلیل ہے

= تمام قرآن کریم امر و نہی اور وعید یعنی عذاب کے وعدے سے پُر ہے ۔ سنگِ مرمر کو حکم کرنا کس نے دیکھا

= جس کام میں بھی تیری رغبت اور خواہش نہیں ہے اُس میں تُو جبری بن جاتا ہے کہ یہ تو خدا کی طرف سے ہے

= اِس جبر کو ترک کر کیونکہ یہ بہت ہی کھوکھلا ہے تاکہ تجھے معلوم ہو کہ سِرِّ جبر کا راز کیا ہے)

سِرِّ جبر یہ ہے کہ ہر فعل کا موجِد یزداں ہے اور سِرِّ جبر کا راز یہ کہ ہر فاعل ادانی (کذا ۔ ادنیٰ کی جمع) ہے زیادہ نہیں ہے (؟؛ اور تمام افعال ایک فاعلِ حقیقت پر ختم ہوتے ہیں : وکل الذی شاہدتہ فعل واحد (جو کچھ مَیں نے دیکھا وہ تو فعل واحد ہے) اور یہ وحدتِ افعال کا مرتبہ ہے ، اور جو جبر اِس درجے میں رونما ہوتا ہے وہ جبرِ تیقّن ہے ، جب کہ جبرِ تخلّق وحدتِ صفات کے مقام میں ہے ۔ اور متوسطین مرتبۂ مجبور میں خود کو مشاہدہ کرتے ہیں ۸۸ (؟) اور جبرِ تحقیق ۸۹ خاص الخاص "بقا بعد التناقض" ۹۰ کے مرتبے میں رونما ہوتا ہے ۔ اِس مرتبے میں جبر ، جابر اور مجبور ایک ہے ۔ پھر یہاں ایک اختیار صورت پذیر ہوتا ہے ، جیسا کہ آغاز میں تھا ، لیکن ان معنوں میں نہیں جیسا کہ شروع میں کہنا ، سننا اور آمد و رفت اس سے منسوب تھی ، لیکن آخر میں کہنے والا ، سُننے والا ، جاتے والا اور چلنے والا دوسرا ہے ۔ عارف رومی نے بھی اِس مقام کی خبر دی ہے :

لفظِ جبرم عشق را بی صبر کرد — وآنکہ عاشق نیست حبس جبر کرد
ور بود لیکن جبر جبرِ عامہ نیست — جبر آن امّارۂ خود کامہ نیست
لیکن معیت با حقست و جبر نیست — لیکن تجلّیِ مَہ است لیکن ابر نیست ۹۱

(لفظ جبر نے میرے عشق کو بے قرار کر دیا ، اور وہ جو عاشق نہیں ہے اس کو جبر میں بند کر دیا

= اور اگر یہ جبر ہے تو پھر یہ عام جبر نہیں ہے ، یہ اس خود غرض نفس امّارہ کا جبر نہیں ہے

= یہ تو حق کے ساتھ معیّت ہے اور جبر نہیں ہے ، یہ چاند کی روشنی ہے بادل نہیں ہے)

روایت ہے کہ جب شاہ ابواسحاق غلبۂ شکر میں اور اس خلّاق علی الاطلاق (خالقِ مُطلق) کی رویت میں طاق ہوگئے تو انہوں نے حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے آج اِسی دنیا میں رویتِ خدا (دیدارِ خداوندی) کی تمنا ہے، کل قیامت تک مجھ میں صبر نہیں ۔ آنحضرت (داؤد) نے فرمایا کہ : اس مقصود کے بادشاہ کا نقاب تیری آنکھوں پر کُھل جائے گا اور تجھے دنیا میں دیدارِ معلّیٰ شیخ آدم کی صورت میں میسّر آئے گا ۔ یہاں تک کہ ایک شب انہوں (ابو اسحاق) نے خواب میں رب الارباب (مالکوں کے مالک ، خدا) کو شیخ آدم کی صورت میں دیکھا اور مشاہدے کے نشے سے مست و مدہوش ہوگئے ۔

بیت :

ای شکنِ زلفِ تو غالیہ دانِ صبا کشتۂ عشقِ ترا (ہر) دو جہان خون بہا

(اے محبوب تیری زلفوں کا شکن صبا کا خوشبو دان ہے ۔ تیرے کُشتۂ عشق کا خون بہا دونوں جہان ہیں)

صورتِ تو جُز بخواب روی نیاورد ۹۲ نمود تاشود با خیال مردمِ چشم آشنا

(تیری صورت نے خواب میں آنے کے سوا اور کہیں چہرہ نہ دکھایا تاکہ آنکھوں کی پُتلی خیال سے آشنا نہ ہو جائے)

اور یہ شیخ آدم ، حضرت ایشاں کا فرزند تھا کہ بارہ برس ہی کی عمر میں جس کے رخساروں سے جمالِ یوسفی کے انوارِ کمال پُھوٹے پڑ رہے تھے ۔ اِس کے بعد سے شاہ ابو اسحاق ہمیشہ زانوے اِستغراق میں سر دے کر بیٹھنے لگے اور واصفِ حاجات (؟) کی صلوات ادا کرنے کے سوا ـــ کی طرف کم متوجہ ہوتے ۔ ۹۳ ان کے مراقبے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ دونوں پاؤں پر بیٹھ جاتے اور دونوں رانیں ٹِڈی کی طرح سینے سے ملائے رکھتے اور دونوں ہاتھ زانو کے گِرد مضبوطی سے لاتے اور ٹھوڑی گھٹنے پر رکھ کر اور آنکھیں بند کرکے مشغول ہو جاتے اور مسلسل بحرِ فکر میں ڈوبے رہتے ۔ صوم و صلوات ، فرض اور سُنّتِ موکّدہ کے بغیر کم ہی ادا کرتے ۔ نفلوں اور مندوبات (ایسے کام جن کا کرنا ، تَرک کرنے سے

بہتر ہے) کی طرف توجہ نہ کرتے ۔ اور اس حال کی کیفیت پر اشتمال ، کمال کے باعث ہے ۔ اور جو کچھ شیخ اکبر اعلیٰ اور مقصدِ اقصٰی ہے (کذا) تین بنیادوں پر منحصر ہے : شریعت ، طریقت اور حقیقت ۔ لیکن طالبین چاہتے ہیں کہ "وسیلۂ تنہا" (کذا) سے اُس جناب تک پہنچیں ۔ وہ علمائے متشرّع اور پرہیز گار زاہدوں سے حد سے زیادہ نماز ، روزہ اور نوافل اور اصل بہت ہی قلیل ، ادا کرتے ہیں ، اس لیے کہ ان کی رفتار چیونٹی کی رفتار کی مانند ہے ۔ عمر ہائے دراز کی ضرورت ہے جب کہیں ہزاروں میں سے ایک "دولتِ معرفت" اور "درجۂ قریب" میں پہنچتا ہے ۔

دوسرا گروہ اربابِ طریقت کا ہے ۔ ان کے کام کی بنیاد نفس کی فضیلتوں اور ستودہ اخلاق — حکمت و عفت و شجاعت و عدالت — کے حصول پر ہے ۔ یہ لوگ پہلے گروہ کی نسبت قریب الوصول اور تیز رفتار ہیں ۔ جو راستہ وہ سال میں طے کرتے ہیں یہ ایک ماہ میں کرتے ہیں ۔ تیسرا گروہ ارباب حقیقت کا ہے جو ظاہر عبادات میں سے فرض (و؟) سنن میں کمی کرتے اور نفلوں کی بجائے باطن کی صفا پر توجہ دیتے ہیں اور یہ ، وہ پیرومرشد کے ساتھ دلی ربط سے حاصل کرتے ہیں ۔ وہ ذکر خفی میں مصروف رہتے ہیں تاکہ ذکر کی تاثیر سے اس (طالب حقیقت) میں واصل ہونے کا شوق و طلب اور محبوب حقیقی کے دیدار کی لذت بڑھے اور اس طرح وہ (محبوب حقیقی) خود اسے اس سے چھین لے (یعنی طالب کی ذات کی نفی ہو جائے) اور اپنے وصال سے نوازے ۔

بیت :

تاکہ از جانبِ معشوق نباشد کششی ۹۵ کوششِ عاشق بیچارہ بجای نرسد

(جب تک معشوق کی طرف سے کوئی کشش نہ ہو عاشق بیچارے کی کوشش کسی انجام کو نہیں پہنچتی ۔ یعنی بیکار رہتی ہے)

اور اُن ۹۶ کا طریقہ یہ تھا کہ جو کچھ بھی منّتوں اور نذروں کی صورت میں اکٹھا ہوتا اسے اُسی وقت حاضرین مجلس اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتے اور اپنے بال بچوں کے لیے صرف اس حد تک رکھتے جو ان کے زندہ رہنے کے لیے کافی ہوتا ۔

روایت ہے کہ ایک روز شیخ اسحاق سہتہ نے عرض کیا کہ نذروں کی تمام رقمیں بیگانے لوگ لے جاتے ہیں اور فرزندان عزیز ہمیشہ عُسرت و تنگدستی میں رہتے ہیں ۔ کیا یہ مناسب ہے کہ یہ تو روٹی اور لباس کے لیے عاجز رہیں اور نقد و جنس دوسرے

لوگ اُڑا لیں ۔ ضروری ہے کہ پہلے بال بچوں کی ضروریات کے مطابق حصہ نکال لیا جائے اور باقی آپ تقسیم فرما دیا کریں تاکہ وہ تنگ دستی اور سختی میں مبتلا نہ ہوں ۔ (ابو اسحاق) نے فرمایا : اے اسحاق خاموش ہو جا ۔ اگر میرے فرزندوں میں فقر اختیاری کی ہمت نہیں ہے تو وہ فقرِ اضطراری کی خُو اپنا لیں گے کہ یہ بھی غنیمت ہے ۔

روایت ہے کہ ایک موقع پر قوم ہستہ و شہتہ (کذا) کے سرداروں نے ، کہ اکثر حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے مُرید تھے ، یہ عرضداشت بھجوائی کہ ہمارے بیٹوں کا ابواسحاق کی صحبت میں آنا جانا ہے ۹۷ اور ان پر اُن کا اعتقاد ہے ؛ لیکن وہ بطور ایک شیعہ کے مشہور ہیں ، اگر حکم ہو تو ہم اپنے فرزندوں کو ان کے یہاں جانے سے منع کر دیں ۔ حضرت ایشاں نے اپنے مبارک ہاتھ سے لکھ بھیجا کہ ہمارا ابواسحاق ولی کامل ہے اور ولی کبھی شیعہ نہیں ہوتا ۔ اِس سلسلے میں تم مطمئن رہو اور اس کے وجود شریف (مبارک وجود) کو غنیمت سمجھو ۔

روایت ہے کہ لاہور کے بعض خلفا شاہ ابو اسحاق کے بارے میں اچھی رائے نہ رکھتے اور دشمنی کا روّیہ اختیار کیے ہوئے تھے اور اکثر مریدوں کو ان سے ملنے سے روکتے ۔ ایک دن حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ والرضوان حال کے غلبے میں چاردری پر بیٹھے ہوئے تھے کہ وہی سارے خلفا اور مرید لاہور سے آئے اور خاک بوسی سے مشرف ہوئے ۔ حضرت ایشاں نے خلفا سے پوچھا کہ ہمارے اسحاق کے بارے میں کیا خبر ہے ۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم کم ہی اس سے ملاقات کرتے ہیں اور حضرت (داوٗدؒ) کے سوا اور کسی کو نہیں جانتے ۔ انہوں نے فرمایا : تم غلط سمجھے ۹۸ ہو کہ تم نے اسے کبھی نہیں دیکھا ۔ لاہور میں اس کے ہوتے ہوئے تمہارا میرے پاس آنا محض راستے کی تکلیف اور منزلوں (پڑاؤ) کی اذیت اٹھانا ہے ۔ سو جب بھی مجھ سے ملاقات کا ارادہ کرو ، اُس سے جا کر مِل لو ، کیونکہ اسحاق سے ملاقات کرنا داوٗد سے ملاقات کے مترادف ہے ۔

فضائے طریقت کے شہباز کے کیا کہنے ، واہ وا ! کشورِ حقیقت کے سپہ سالار ، کہ جِسے عارفوں کے پیشوا اور سالکوں کے سلطان نے اس افتخار کے شرف ، عزّ و تمکین اور اعزازِ خاص سے نوازا ۔ حضرت ایشاں کے وصال کے پورے دو سال بعد (ابواسحاق) ارشاد و ہدایت کی مسند پر متمکن ہوئے ۔ بعد میں ٦ ماہ محرم ۹۸۴/۵ اپریل ۱۵۷٦ کو اِس دار

فانی سے رحلت کر گئے ۔ یہ رباعی ۹۹ شاہ اسحاق کے وصال کی تاریخ میں کہی گئی ہے :

تاریخِ ماہ و سالِ وصالِ شاہ اسحاق ۱۰۰ جُستند دبیرانِ فلک از شہِ طارم
فریاد بصد حسرت و افسوس بر آورد فرمود کہ از ماہ محرم بششم (؟)
(شاہ اسحاق کے وصال کے ماہ و سال کی تاریخ آسمان کے مُنشیوں نے بلند مکان والے بادشاہ سے معلوم کی تو اس نے بصد حسرت و افسوس فریاد کی اور فرمایا کہ ماہ محرم کی چھٹی ---)

چھٹا مقام

نوٹ : متن میں چھٹا اور ساتواں "مقام" درج نہیں ۔

۱۔ متن میں یہ لفظ نہیں ہے ۔ اضافۂ قیاسی

۲۔ سُکر اور صَحو دو کیفیات کا نام ، لُغوی معنی عالم مستی اور عالم ہوش

۳۔ اِس کتاب کے مؤلف کا نام

۴۔ بھید اور وارداتِ قلبی اور اصطلاحی معنی غیبت اور حضوری

۵۔ اگر "گذرِ محیطِ نور" ہو تو ترجمہ "نور کے سمندر کی گذر گاہ" ہوگا

۶۔ غالباً تشاغل ہے بمعنی مشغول ہونا ، ورد کرنا

۷۔ اکبری دور کے مشہور شاعر فیضی کا شعر ہے ۔ اِس بحر اور زمین میں نظیری و عرفی وغیرہم نے بھی طبع آزمائی کی ہے ۔ فیضی کی متعلقہ غزل کے چند اشعار :

مرا براہِ محبت دو مشکل افتادہ است کہ خون گرفتہ ام و یار قاتل افتادہ است
بخاکِ تربتِ من استخوان چہ می نگری کہ پُل شکستہ و رختم بساحل افتادہ است
میانۂ من و آن شوخ تاچہ انجلد من آتشین دل و اُو آہنین دل افتادہ است
(آتش کہتا ہے :

اُس بلاے جاں سے آتش دیکھیے کیونکر بنے   دل سوا شیشے سے نازک دل سے نازک خوے دوست)

شکارِ ہمتِ فیضی بسوی صیدگہی است   کہ صد ہزار ہما نیم بسمل افتادہ است

کلیاتِ فیضی مرتبہ اے ڈی ارشد جلد اول لاہور ص ۳۶۲

۸۔ یا کتابت کی غلطی ہے یا کوئی لفظ رہ گیا ہے۔ فقرہ واضح نہیں

۹۔ "حُسن" کے بعد کے لفظ واضح نہیں ہیں

۱۰۔ حُسنش کی بجائے "حُسنت" اور لعلش کی بجائے "لعلت" ہونا چاہیے، کیونکہ پہلے دو شعروں میں صیغۂ واحد حاضر استعمال ہوا ہے

۱۱۔ حوالت بمعنی سپردگی کا یہاں کوئی محل نظر نہیں آتا۔ ممکن ہے "مقالت" بمعنی گفتگو ہو

۱۲۔ سواد کے معنی نواح، علاقہ اور سیاہی کے بھی ہیں۔ خط کے حوالے سے یہاں سواد میں صنعتِ ایہام ہے

۱۳۔ یہاں صیغہ واضح نہیں۔ ترجمہ قیاسی

۱۴۔ حاشیے پر "بنیان" کی بجائے "تبیان" ہے۔ اِس صورت میں ترجمہ ہوگا: جو دو جامع الفاظ بیان ہوئے ---

۱۵۔ آغوز کے لفظی معنی اس دودھ کے ہیں جو بکری بچہ جننے کے بعد دیتی ہے۔ یہاں اس کا محل واضح نہیں ہے۔ اسی طرح چوتھے مصرع میں لفظ "حوز" ہے جو کسی لغت میں نظر نہیں آتا۔ "خوز" ہو تو اس کے معنی دشمنی کرنا کے ہیں

۱۶۔ ایسا فانی جسے محبوبِ حقیقی سے وابستگی کی بنا پر بقا حاصل

۱۷۔ ممکن ہے مال ہو

۱۸۔ متن میں صرف "د" ہے۔ تصحیح قیاسی

۱۹۔ بیت المعمور: ایک آسمانی مسجد

۲۰۔ شیخ فریدالدین محمد معروف و ملقب بہ عطّار ۔ (ولادت چھٹی صدی ہجری کا وسط/بارھویں صدی عیسوی ۔ وفات ۶۲۷/۱۲۳۰ء) ایران کے مشہور صوفی شاعر جو منگولوں کے ہاتھوں شہید ہوئے ۔ تذکرۃ الاولیا کے علاوہ کئی مثنویاں ان سے یادگار ہیں ۔ مثنوی منطق الطیر ایک عرفانی مثنوی ہے جس میں انہوں نے پرندوں کی تمثیل میں ، ذات حقیقی تک رسائی کے لیے ایک سالک و عارف کو جن منزلوں سے گذرنا پڑتا ہے ، ان کا ذکر شاعرانہ طور پر کیا ہے۔

۲۱۔ نورالدین عبدالرحمان جامی (ولادت ۸۱۷ھ/۱۴۱۴ وفات ۸۹۸/۱۴۹۳) یہ بھی ایران کے مشہور صوفی و عارف شاعر ہیں ۔ کئی مثنویاں ، دیوان اور نثر کی کتابیں بالخصوص نفحات الانس اور لوائح ان سے یادگار ہیں ۔ لوائح ، خمریہ ابن فارض کے قصیدے کی شرح میں ہے ۔ یہ قصیدہ ۸۷۵/۱۔۱۴۷۰ میں تالیف ہوا ۔

۲۲۔ متن میں "ازسہ بارٔبعین میرسانیدی" ہے ، جس کا ترجمہ یہی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے صحیح "سہ اربعین" ہو ۔ اس صورت میں "تین چلّے" ہوگا۔

۲۳۔ متن میں "محبت" ہے جس کا محلِ استعمال یہاں واضح نہیں ۔ تصحیح قیاسی

۲۴۔ لاہور کا علاقہ "مزنگ" انہی کے نام سے موسوم ہے ۔ ان کا مزار بھی مزنگ کے اندر سرکاری ڈسپنسری کے بالمقابل واقع ہے ۔

۲۵۔ متن میں "بدانی" ہے ، بمعنی تو سمجھے ، لیکن سیاق و سباق کے مطابق "ندانی" ہونا چاہیے ۔ تصحیح قیاسی

۲۶۔

۲۷۔ متن میں "حلوا و زلیبا" ہے ۔ "و" پر کٹنے کا نشان معلوم ہوتا ہے۔ آگے چل کر "حلوا زلیبا" ہے ۔ جو غالباً "حلوا از زلیبا" ہے ۔ اس لحاظ سے ترجمہ ہوگا : جلیبی کا حلوا ۔

۲۸۔ متن میں "بکشادن" ہے لیکن سیاق و سباق کا تقاضا ہے کہ "نکشادن" ہو ۔

۲۹۔ متن میں بیمیا ہے ۔ سیمیا و لیمیا علوم خفیہ کو کہتے ہیں

۳۰۔ متن میں "عقب از داؤد جال طلبیدہ" ہے۔ "جال" سے پہلے کوئی کٹا ہوا حرف ہے۔ عبارت واضح نہیں ۔

۳۱۔ عبارت ہے : ۔۔۔ کہ ضعف و رحمت از دارِ دنیا بگذشتہ" ۔ ممکن ہے "از ضعف و زحمت ۔۔۔" ہو ۔ اِس صورت میں ترجمہ ہوگا: "کمزوری اور تکلیف کے باعث اِس دنیا سے ۔۔۔"۔

۳۲۔ گلستان ۔ باب اول ۔ پورا قطعہ اِس طرح ہے :
کس نبیند کہ تشنگانِ حجاز بسرِ آبِ شور گرد آیند
ہر کجا چشمۂ بود ۔۔۔ رک کلیات سعدی ۔ تہران ص ۸۸

۳۳۔ میر بخشی : قدیم میں شاہی دربار کا ایک عہدہ ۔ اِس افسر کا کام تنخواہیں تقسیم کرنا تھا ۔ آج کی زبان میں

اکاؤنٹنٹ جنرل

۳۴۔ حدیثِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم ، آدمی نے جس سے محبّت کی (قیامت کے دن) اس کے ساتھ اٹھایا جائے گا

۳۵۔ اِس خبر کا مبتدا غائب ہے

۳۶۔ یعنی شیخ سے دوری کی بنا پر بے قرار ہوا

۳۷۔ یہاں کورہ بمعنی آتشدان کا محل ہے ۔

۳۸۔ متن میں "درختِ ازان" ہے جو غالباً "درخت رزان" ہے ۔ رَز کی جمع بمعنی تاک

۳۹۔ متن میں "مفاد" ہے جس کا یہاں محل نہیں ۔ ممکن ہے "منقاد" بمعنی مطیع ہو

۴۰،۴۱۔ متن میں "صفت" ہے ۔ تصحیح قیاسی

۴۲۔ یعنی اِس بات کا افسوس ہوا کہ اِس سے کوئی فائدہ کیوں نہیں اُٹھایا ۔ متن میں "دریغم آمد" کے بعد دوسرا جملہ شروع ہو جاتا ہے ، اس لیے یہاں وضاحت کر دی ہے ، ممکن ہے چند لفظ رہ گئے ہوں ۔

۴۳۔ متن میں "محاسبتے" ہے ، جس کا یہاں محل نہیں ۔

۴۴۔ متن میں "وزنِ نقرہ" ہے ، ممکن ہے "ورق نقرہ" ہو

۴۵۔ اصل متن کے اوپر باریک خط میں کچھ تحریر ہے جو واضح نہیں اور نہ اس کے سیاق و سباق ہی کا پتا چلتا ہے ، اسی وجہ سے ترجمہ بھی مبہم ہے ۔

۴۶۔ متن میں "درشب نخواہد شد" ہے جو غالباً "درست ۔۔۔" ہے

۴۷۔ کوئی حرف رہ گیا ہے ۔ اگر مُفتش ہو تو بمعنی تلاش کرنے والا ، لیکن قیاس ہے کہ "ہست مثلش" ہوگا یعنی اس کی مانند ہے

۴۸۔ یہ دس اشعار دراصل "شیخ ابواسحاق کے احوال" سے متعلق ہیں ۔ کاتب نے غلطی سے یہاں درج کر دیے۔

۸۰۔ مراد مولانا جلال الدین رومی

۸۲۔ تمام اشعار مثنوی مولوی (مطبوعہ تہران) سے نقل کیے گئے ہیں کیونکہ مسودے میں کوئی بھی شعر صحیح مرقوم نہیں ہے۔

۸۳۔ مثنوی مولوی دفتر پنجم ص ۴۹۸

۸۴۔ ایضاً ص ۴۹۷

۸۵۔ ایضاً ص ۴۹۸

۸۶۔ ایضاً دفتر اول ص ۱۸

۸۷۔ ایضاً دفتر پنجم ص ۵۰۲

۸۸۔ عبارت واضح نہیں ۔ ایک آدھ لفظ رہ گیا ہے ۔

۸۹۔ متن میں یہ جُملہ واضح نہیں ۔ حاشیے میں لفظ تحقیق ہے اور عبارت صحیح ہے ۔ متن میں "جبر تخلق" ہے ۔

۹۰۔ ایک دوسرے کی ضد ہونے کے بعد باقی رہنا (؟)

۹۱۔ متن میں اشعار اور مصرعوں کی ترتیب بدلی ہوئی ہے اور اغلاط کے علاوہ کچھ الفاظ غائب ہیں ۔ ملاحظہ ہو مثنوی

مولوی (تہران) ص ۴۰ (دفتر اول)

۹۲۔ "نیارد نمود" (فعل حال) ہونا چاہیے یعنی چہرہ نہیں دکھاتی ۔

۹۳۔ یہاں عبارت اس طرح ہے "جز بادای صلوات واصف حاجات بحرکم متوجہ میگشت" اگر اصف کو الگ پڑھا جائے تو وہ ایک پھل ہے جس کا اچار ڈالا جاتا ہے ۔ ممکن ہے لفظ کچھ اور ہو جس سے یہ مطلب نکلتا ہو کہ نماز اور حاجات ضروریہ کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف کم متوجہ ہوئے۔

۹۴۔ اصل عبارت یوں ہے: "وانچہ شیخ اکبر اعلی وقصد اقصی است"۔ (قصد اقصی کے معنی تو بظاہر" دور کا یعنی بلند مقصد" بنتے ہیں ۔ غالباً کوئی سطر یا الفاظ رہ گئے ہیں ، کیونکہ شیخ اکبر اعلیٰ کا یہاں کوئی محل نظر نہیں آ رہا ۔

۹۵۔ کششی ہونا چاہیے ۔ کشتی کا کوئی محل نہیں ۔ ترجمہ کشش ہی کیا گیا ہے ۔

۹۶۔ یہاں ایک دم نئی بات شروع ہوگئی ہے ۔ آغاز "و آنرا طریقہ چنان بود" سے ہوتا ہے۔ "آن را" جو بظاہر بے جان کے لیے ہونا چاہیے یہاں ابواسحاق کے لیے استعمال ہوا ہے ۔

۹۷۔ متن میں "ہیران ما بہم بصحبت ابواسحاق ماولی کامل است" ہے جو بے معنی ہے ۔ حاشیے میں اس مقام پر کچھ عبارت ہے جو زیادہ واضح نہیں ۔

۹۸۔ متن میں "فہمیدہ اید" ہے۔

۹۹۔ تیسرا مصرع پورا نہیں ہے

۱۰۰۔ مصرع وزن سے خارج ہے ۔ یوں ہونا چاہیے: تاریخِ مہ و سالِ وصالِ شہِ اسحاق
اگر لفظ "تاریخ" حذف کر دیں تو بھی "ماہ و سال ۔۔ الخ کا وزن باقی مصرعوں سے الگ ہے

ساتواں مقام ۱
حضرت شاہ ابوالمعالی قدس اللہ سرّہ العزیز کے احوال کے ذکر میں

آن لولوِ لُجّۂ معانی آن مخزنِ فیض جاودانی ۲
آن سرورِ کشورِ ہدایت آن عرعرِ گلشن عنایت
سلطانِ سریرِ عالم عشق خورشید سپہرِ اعظم عشق
گاہی آفاق فرو گرفتہ صیتش گیرا دم یحیی و یمیتش
گاہی نہ بدر سرش زچادر (کذا) زد نور وصفا بہفت کشور
با خندہ بکاس گشتہ ہمدم پیوستہ بہار و ابر باہم
خندان گلِ گلشنِ حقایق زو یافتہ فیضہا خلایق
غوّاصِ ۳ بہارِ سرِّ قرآن صرّاف نقودِ گنجِ عرفان
بحری کہ نمی گرفتہ مسکن مخفی شدہ عالمی بیک تن
آن سالکِ ملکِ لایزالی آن حضرتِ شاہ ابوالمعالی
کز جرعۂ جام اوست باقی درمیکدۂ کلام ساقی
آن گوہرِ دُرجِ عرفان (کذا) آن اخترِ انورِ برجِ استان

(= وہ حقیقت کے گرداب کا موتی ، وہ فیضِ جاودانی کا خزینہ
= وہ کشور ہدایت کا سرور ، وہ گلشنِ عنایت کا عرعر [چیڑ کا درخت]
= عالم عشق کے تخت کا سلطان ، عشق کے سپہر اعظم کا سورج
= کبھی اُس کے شُہرہ نے آفاق کو گھیرا ، اس کی زندہ کرنے اور مارنے والی پھونک پکڑنے والی یعنی پُر تاثیر ہے [؟]
= کبھی ۰۰(؟) ہفت کشور یعنی پوری دنیا میں نور وصفا پھیلایا
= ہنسنے میں وہ پیالے کا ہمدم ہوا ۔ جیسے بہار اور بادل باہم ملے ہوئے ہوں
= حقیقتوں کے گلشن کا مسکراتا ہوا پھول ۔ خلایق نے اس سے فیوض حاصل کیے

= قرآن کے راز کے سمندروں کا غوطہ خور ۔ عرفان کے خزانے کی نقدیوں کی پرکھ رکھنے والا

= ایسا سمندر جس نے مسکن نہیں پکڑا ۔ ایک جسم میں ایک عالم پوشیدہ ہے

= وہ لازوال مُلک کا سالک ، یعنی وہ حضرت شاہ ابوالمعالی

= کہ جس کے جام کے گھونٹ سے میکدہ میں ساقی کا کلام باقی ہے [؟]

= وہ عرفان کی ڈبیا کا موتی ، وہ برج استان [کذا] کا روشن ستارہ)

ممالکِ تجرید کا جمشید ، آسمانِ توحید و تفرید کا خورشید ، طائفۂ علّیہ (بلند مرتبہ گروہ) کی برہانِ حجت ، صوفیہ کی دلیل قاطع و عادلی (کذا) ، حقایق غیبیہ کا مظہرِ عجائب ، دقایقِ لاریبیہ کا مظہرِ غرائب (شک سے پاک باریکیوں کا انوکھا مظہر) ، انوارِ ربانیہ کی تجلّیات کو جِلا دینے والا ، اسرارِ سبحانیہ کی واردات اترنے کی جگہ ، حق و یقین کے ارباب کا مرجع ، کامل عرفا اور واصل بُلغا کا ملجا ، جمالی و جلالی اَسرارِ سبحانیہ کا مجموعہ حضرت شاہ ابوالمعالی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ العزیز ربانی عارفوں میں معروفتر اور علمائے حقّانی میں بڑے عالم تھے۔ ان کی فطرتِ سلیم آفاق و انفس کے کمالات کی جامع اور ان کی ذات شریف فیض قدسی کا خالص نمونہ تھی ۔ ان کی لا تعداد دشوار ریاضتوں کا گِننا اور ہمت و طاقت سے بڑھ کر مجاہدات کا شمار کرنا تقریر و تحریر کے بس کی بات نہیں ۔ برسوں صوم وصال کے ساتھ بیابان میں بسر کیے ۔ افطار کے وقت اکثر نیلوفرزار کے سبز پتّے جو دائرے کی طرح پانی پر پھیل جاتے ہیں ، ابال کر کھاتے ۔ اور بیشتر اوقات روزہ طی چالیسویں تک پہنچاتے ۔ ان کے ایک محرمِ راز معتمد سے منقول ہے کہ ایک بار روزۂ طی چالیسویں تک پہنچایا ۔ ظاہری اور باطنی علوم کے جامع تھے ۔ رسالہ "تحفۃ القادریہ" ان کے حقایق اقتباس انفاس کا نتیجہ ہے ، جس نے حضرت غوث اعظمؓ کے احوال و منوال کے زلال (میٹھا اور صاف پانی) کے پیاسوں کو کماحقہٗ سیراب اور بامراد کیا اور بڑے بڑے طُرّہ داروں کی انوکھی ضیافت اور وسیع لذیذ دسترخوان کا سلمان کیا۔

ان کے اشعار کا اسلوب صاف ستھرا اور ہموار اور ان کا لطافت کا حامل کلام بیشتر سہل ممتنع کا رنگ لیے ہوئے ہے ۔ غُربتی ان کا تخلص ہے ۔ ان کا دیوان ہزار آفرین و تحسین کے لائق رنگین مضامین کی اقسام کو محیط ہے ۔ کچھ اور اشعار آبدار بھی ہیں جو

مُسلمی اور عارفی کے تخلص سے کہے ہیں اور بڑے ہی رواں ۵ اور شیریں ہیں ۔ ان کی ایک اور کتاب "مونس جان" ٦ ہے جو گلستان کے انداز و ترتیب پر ہے ۔ ساری کتاب لطایف و ظرایف سے پُر ہے ۔ ہر فن میں انہوں نے رسائل تالیف فرمائے ، جن میں سے ہر ایک زمانے کے دشوار پسندوں کے شعور و ادراک اور دانش کے بازو کا تعویذ ہے ۔ غوث اعظم کی مدح میں بہت سے ابیاتِ عاشقانہ اور اشعارِ مستانہ کہے ہیں جو جناب اقدس کے طالبوں کے لیے روح افزا اور مُحِبّوں کا زنگِ (روح) دور کرنے والے ہیں ۔ انھی میں سے ایک غزل یہ ہے :

آن تُرکِ عجم چون زمِی حُسن طرب کرد — بر پُشتِ سمند آمده (و) صیدِ عرب کرد
چون کاکُل ترکانه بیفداخت زمستی — غارت گری کوفه و بغداد و حلب کرد
خوبان که زخوبی چو گُل و سبزه نمودند — از ناز همه زیرِ قدم کرد عجب کرد
آن ماه چه ماهی و چه شاهی است که از عشق — هر غمزدهٔ یافت ازو هرچه طلب کرد
داری خبر (ی) ای مهِ جیلی که معالی — بریادِ تو القادرِ قادر همه شب کرد

(= وہ عجمی تُرک یعنی محبوب جب حُسن کی شراب سے سرشار ہوا تو سمند یعنی اصیل گھوڑے پر آیا اور اس نے عرب کا شکار کیا
= جب اس نے مستی کے عالم میں ترکوں ایسی زلفیں جھٹکیں تو کوفہ ، بغداد اور حلب کو لوٹ لیا
= وہ حَسِین جو حُسن میں گل و سبزہ کی طرح دکھائی دیتے تھے ، ان سب کو اس نے ناز سے قدموں تلے روند ڈالا ، اس نے کیا عجب کام کیا
= وہ چاند کیسا چاند اور کیسا بادشاہ ہے کہ عشق کی بدولت اس سے ہر غمزدہ نے مَن کی مُراد پائی
= اے ماہِ جیلی تُجھے کُچھ خبر ہے کہ معالی نے تمام رات تیری یاد میں "القادر قادر" کا وِرد کیا)

نظم :

در رہِ عشق ۸ نہی چونکہ قدم بر قدمی — درجہان گشت بیازار لواء قدمی ۹ (کذا)

هم مُحبیؔ بتو ختم آمد هم اوست محبوبی وچہ گویم تراشاہِ حدوث و قدمی (کذا)
رُخِ گلرنگِ تو آراستہ چون لعل حلقۂ زلفِ تو ماتندۂ برج عجمی
ای (کہ) چون خستہ و زارم برہت کرمی بر سرِ این خستہ کہ صاحب کرمی
جُز تو رُوی سویِ کہ آرم کہ کسی نیست (مصرع غائب) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰
(عشق کے راستے میں جب تو قدم پر قدم رکھے تو جہان میں ۔ ۔ ۔ ۔
= مُحبی بھی تجھ پر ختم ہوگئی اور وہ بھی محبوب ہے [؟] اور حدوث و قِدم یعنی اِس دنیا اور ازل کے بادشاہ میں تجھے کیا کہوں
= تیرا پھول جیسا چہرہ لعل کی طرح آراستہ ہے ۔ تیری زلف کا حلقہ عجمی برج کی ماتند ہے
= میں تیرے راستے میں زخمی اور خوار ہوں ، اِس آزردہ و خستہ پر کرم ہو کہ تو صاحبِ کرم ہے
= تیرے سوا میں اَور کس کی طرف توجہ کروں کہ کوئی نہیں ہے ۔ ۔ ۔ ۔)

ایک اور غزل :

کاشفِ کلِّ بلائی و مزیلِ الم ۱۰ الف = ای خدای من دِلم از شوق خود معمور دار
وز جمالِ ماہِ جیلی چشم ما پیروز دار ۱۱
آنچہ دُوران را دہد نزدیک کس (کذا) و آنچہ از نزدِ تو دوری می دہد رو دور دار
جُرعۂ از جامِ جیلی ریز در کامِ دلم مست گرداں و بکوی وحدتم منظور (؟) دار
جز جمالِ ماہِ جیلی نیست منظور دلم ناظری یارب بحالم آخر این منظور دار
یا الٰہی حیرتی دارم نمی دانم جُز این کز جمالِ ماہِ جیلی سرِّ ما مسرور دار
(۔ ۔ ۔ ۔ کوئی نہیں ، تو ہر بلا کو دُور کرنے اور ہر الم کو مٹانے والا ہے)
(= اے میرے خدا میرا دل اپنے عشق سے پُر رکھ ، اور ۱۲ جیلی چاند کے جمال سے ہماری آنکھ کو با مراد رکھ
= وہ جو دُوروں کو نزدیک لاتا ہے ۔ ۔ ۔ [؟] اور جو چیز تیری نزدیکی سے [ہمیں] دُور رکھتی ہے اسے دور رکھ
= جیلی جام سے میرے دل کے حلق میں ایک گھونٹ ڈال ، مجھے مست کر دے اور وحدت کے کوچے میں مجھے منظور [پیش نظر] رکھ
= میرے دل کو جیلی چاند کے سوا اور کسی کا جمال منظور نہیں ۔ یارب تو میرے حال کو

دیکھنے والا ہے ، آخر میری یہ خواہش پوری کر

= یا الٰہی میں حیرت کا شکار ہوں ، مجھے اس کے سوا اور کچھ علم نہیں کہ تو ہمارے سر کو جیلی چاند کے جمال سے مسرور رکھ ۔)

بائیس برس تک حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے ظلالِ افضال (فضلوں والے سائے) اور اکسیر مثال نظر میں رہے (یہاں کچھ عبارت محذوف ہے)

(ایک مرتبہ) ہندوستان کی سیر کو نکلے ۔ بندگی شیخ حامد قریشی ، جو اس حال میں ان کا شریک تھا اور آخر کار وہ بھی درجۂ ولایت کو پہنچا اور حضرت سے اسے قبولِ عظیم ملا ، شاہ کے ہمراہ ہو لیا ۔ رات کے وقت ایک دہلی جگہ آرام کرتے اور صبح کے وقت الگ الگ چلتے ۔ یہاں تک کہ دہلی آ پہنچے ۔ ایک روز حضرت کا گذر دہلی کی کسی سڑک پر ہوا جہاں ایک صاحبِ کشف مجذوب سے ملاقات ہوئی جو کسی مُہلک مرض میں گرفتار اور آزمائش خداوندی میں زار و نزار پڑا تھا ۔ اس نے حضرت ایشاں شاہ کی طرف دیکھا اور تعجب سے ہنستے ہوئے بولا کہ آج دنیا والے سلوکِ طریقت کے اکتساب اور حصولِ دولتِ (معرفت) کی خاطر بابا داؤد کے در پر حاضر ہوتے ہیں اور یہ لوگ اس قسم کی نعمت گھر میں رکھے باہر دوڑ رہے ہیں ۔ یہ بات سُنتے ہی ان کے دل میں اس کی محبت و عقیدت پیدا ہوگئی ۔ چنانچہ مشتاقانہ اس کے سامنے بڑے ادب سے بیٹھے رہتے ۔ ایک روز اس مجذوبِ الٰہی نے کھانے کے لیے مچھلی کا تقاضا کیا ۔ شاہ جیو نے بھون کر وقت پر حاضر کر دی ؛ ہر چند قرب و جوار کے لوگوں نے منع کیا کہ مچھلی اس مرض میں نقصان دہ ہے لیکن اس عزیز کا دل رکھنے کی خاطر انہوں نے سب سے چُھپا کر اُس کے حوالے کر دی ۔ اس نے بڑی رغبت کے ساتھ کھائی اور ان کے حق میں دعاے خیر کی جس کی قبولیت کا اثر انہوں نے اسی وقت دیکھ لیا ۔

روایت ہے کہ اس دوران میں ان کی والدۂ شریفہ ان کی دوری کی وجہ سے بڑی بے قراری اور اضطراب سے دو چار رہیں ۔ ان (والدہ) کے جانکاہ نالہ و آہ کی آواز صبح و شام حضرتِ ایشاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے فرشتوں ایسے کانوں میں پڑتی رہتی ۔ ایک روز اس عفیفہ نے بہت اضطراب کے عالم میں حضرت کے حضور عرض کی کہ واللہ معالی کے فراق میں میرا جگر بُھن گیا ہے ، اور اب اس سے زیادہ مجھ میں طاقت فراق نہیں رہی ۔ معلوم نہیں وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے ۔ خدارا توجہ کیجیے اور فرمائیے کہ اس کا کیا حال

ہے اور وہ کہاں ہے ۔ (حضرت ایشاں) اس عفیفہ کے ساتھ بڑی مہربانی فرمایا کرتے تھے کیونکہ وہ ان کے ماموں کی لڑکی اور اہلیۂ قدسیہ کی بہن تھیں ۔ اس روز ذرا ہنس کر فرمانے لگے : اس کی خبر کیا پوچھتی ہے ۔ چند روز ہو چلے ہیں ایک ہجر زدہ مجذوب کی خدمت میں رہ رہا ہے ۔ آج دہلی کے بازار میں بیٹھا بچوں کو دیکھ رہا ہے ۔ اپنی سَیر سے سیر ہو چکا ہے ، عنقریب پہنچنے والا ہے ۔ جا ، بیٹھ رہ اور صبر کا شیوہ اختیار کر ۔ حضرت بی بی نے جب یہ خبر سنی تو صبر اختیار کرتے ہوئے خاموش ہوگئیں ۔ پھر اُسی لمحے کسی کو دہلی دوڑایا اور خط لکھوایا کہ میں اپنی زندگی سے مایوس ہو چکی ہوں ، جلدی پہنچ کہ میں زندہ رہوں ۔

۱۳ فرد :

بلب آمده ست جانم تو بیا کہ زنده مانم پس ازانکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد ۱۴

(میری جان ہونٹوں پر آچکی ہے تو آ تاکہ میں زندہ رہوں ، جب مَیں نہ رہوں گا تو پھر کیا کرنے آئے گا)

یہ قاصد راستے ہی میں حضرت شاہ ابوالمعالی کی خدمت میں پہنچ گیا ۔ ایک ماہ کے بعد شام کے وقت ملائک پناہ خانقاہ میں داخل ہوئے ۔ اس وقت قرب و جوار کے بہت سے لوگ حضرت ایشاں کے گرد ہجوم کیے ہوئے تھے ۔ شاہ ڈرتے کانپتے سب سے چُھپتے چھپاتے حضرت کی پشتِ مبارک کی طرف دور جا بیٹھے ۔ ایک لمحے کے بعد جب حضرت ایشاں اپنے الہام کے حامل کلام سے فارغ ہوئے تو رُوے مبارک شاہ جیو کی طرف پھیر کر یہ شعر پڑھا :

بیت :

رو گرد جهان براو (؟) پا آبلہ کن گر ہمچو منی یابی مارا یلہ کن

(جا دنیا بھر میں گھوم اور پاؤں میں چھالے ڈال لے ، اگر مجھ ایسا کوئی نظر آئے تو پھر مجھے چھوڑ دے)

پھر فرمایا : معالی آگے آ اور ذرا یہ بتا کہ تونے اس مجذوب کو کیسا پایا ، تو نے اس سے کیا کہا اور اس سے کیا سُنا ۔ انہوں نے کسی قدر سرگذشت بیان کی تو (حضرت نے) فرمایا کہ ابتدا میں وہ عجیب حال میں تھا لیکن اب مہجوروں میں سے ہے ۔ اگر تجھے (معالی

کو) اس بلند مرتبہ گروہ کی دولتِ سلوک سے بہرۂ وافر کی آرزو ہے تو ہمیشہ میرے سامنے حاضر رہ اور دُوری مت اختیار ۱۵ کر تاکہ تجھے وہ کچھ حاصل ہو جو دوسری جگہوں سے تجھے ساری عمر میسّر نہ آئے گا۔

بیت :

ہر کہ خواہد با خدا ہم نشینی ۱۶ گو نشین اندر حضورِ اولیا

(جو کوئی خدا کے ساتھ ہم نشینی چاہتا ہے ، اس سے کہو کہ وہ اولیا کی خدمت میں بیٹھے)

اِس نصیبے اور بخت کے کیا کہنے ہیں کہ اس قسم کے عظیم پروں والا ہُما کسی کے سر پر اپنا مبارک سایہ ڈالے۔

فرد :

اگر مرایکی از خادمانِ خود شمری ہزار منصب شاہی بچشم بازم

(اگر تو مجھے اپنے خادموں میں سے ایک سمجھے تو میں ہزاروں منصبہاے شاہی کو آنکھوں میں نہ لاؤں ، یعنی وَقعت نہ دوں)

اگر بچشمِ عنایت بسوی من نگری زتاج (و) تختِ سلاطین نظر فرو نبرم

(اگر تو میری طرف نظر عنایت سے دیکھے تو مَیں سلاطین کے تاج و تخت پر نظر تک نہ ڈالوں)

روایت ہے کہ حسین خان صوبۂ لاہور کے صاحب دیوان کے اُمراے کرام میں سے تھا ، جسے عوام الناس غیار ۱۷ (؟) سِینے کی وجہ سے "حسین ہکری" (کذا) کہتے تھے ، جب کہ اہلِ اسلام نے اسے "حسین خان متشرع" کا لقب دے رکھا تھا ، اِس لیے کہ وہ مسلمانوں اور دوسری قوموں میں امتیاز کی خاطر ذمیوں اور بے دِینوں کے گریبان کے نزدیک کپڑے کا ٹکڑا سینے کا حکم دیتا رہتا تھا اور اس سلسلے میں قطعاً کوئی گواہ جائز نہ سمجھتا۔ وہ شریعت کے اعمال سے پوری طرح آراستہ شخص تھا اور اس کی زندگی پاکیزہ کاموں سے مزیّن ۱۸ تھی۔ اُسے حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے خادموں سے سچی عقیدت تھی اور ان کا بڑا مطیع تھا۔ جب اس نے حضرت ایشاں پر بیماری کے غلبے کا سُنا تو عیادت نامہ لکھ بھیجا اور ساتھ ہی گیارہ اشرفیاں ، ایک کمان اور مبارک نامی ایک غلام بھی خدمت میں ارسال کیا۔ حضرت ایشاں نے غلام تو بندگی سید رحمت اللہ

کو مرحمت فرما دیا ، قبضۂ کمان ہاتھ میں پکڑا اور اشرفیاں بازار بھجوا کر مطلوبہ ریزگاری منگوائی اور مستحق عزیزوں میں تقسیم فرما دی ۔ صبح کے وقت جب قاصد در پر حاضر ہوا کہ اس عریضے کا جواب حاصل کرے تو حضرت نے کچھ تامّل کیا کیوں کہ ان میں لکھنے کی تاب نہ تھی اور دوسرا اور کوئی نہ تھا جو حسبِ دل خواہ جواب لکھ سکے ، اِس لیے کہ وہ مکتوب نوادر کے مجموعہ شیخ عبدالقادر مؤلف "تاریخ نظامی" ۱۹ کے انوکھی تحریر والے قلم کا نتیجہ تھا اور بہت ہی فصاحت و بلاغت کا حامل اور لطافت و نزاکت سے پُر تھا ۔ شیخ مذکور ، خان (حسین خان) کا ندیم و انیس تھا ۔ اس موقع پر نیک انجام غلام مُلّا پنہان نے ، جو اس زمانے میں صغر سنی کے باوجود رابعہ صفت خواتینِ خانہ کی تمام خدمت بجا لاتا تھا ، عرض کیا کہ میاں ابوالمعالی ، انشا اور رقعہ نویسی میں بڑی مہارت کے مالک ہیں ۔ حضرت نے پوچھا : تجھے کیسے معلوم ہے ؟ اس نے عرض کیا کہ میں جب بھی حضرت کی خدمت سے فارغ ہوتا ہوں ، اکثر اوقات ان کی خدمت میں استفادۂ علوم کرتا ہوں ۔ حضرت نے فرمایا جا اور اسے بُلا لا ۔ وہ جلدی سے حجرے کے دروازے پر پہنچا ۔ دروازہ اندر سے بند پایا ۔ اُس نے آواز دی کہ اے شاہ ، دروازہ کھولیے اور جلدی کیجیے کہ حضرت ایشاں نے آپ کو یاد فرمایا ہے ۔ بہت ہی برہمی کے عالم میں انہوں (معالی) نے دروازہ کھولا اور بولے : میں کیا کروں ۔ تو نے جلدی سے حضرت ایشاں کا نام لے لیا اور میری غیرت و غضب کی آگ سے خود کو بچا لیا ، وگرنہ تو فوراً جل کر راکھ ہوگیا ہوتا ۔ مُلّا پنہاں نے حیران و پریشان ہو کر پوچھا کہ مجھ پر اس عتاب و خطاب کا سبب کیا ہے ، میں نے تو اپنے خیال ۲۰ میں خدمت ادا کی تھی اور نتیجے کا امیدوار تھا ، کیونکہ میں نے تو موقع پا کر آپ کی تعریف کی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ مَیں اِس وقت امید کا پنجہ حضرت غوث اعظم کے دامن پر مارے ہوا تھا (ان کا دامن تھامے ہوا تھا) اور بڑی عاجزی اور انکسار سے ان سے التماس کر رہا تھا کہ ہم ناقصوں کی تکمیل کی خاطر خدائے مہربان سے حضرت ایشاں کی زندگی کو دو مزید سالوں کی مہلت لے دیں ۔ اور حضرت ایشاں (غوث اعظم) کی بدولت قضا و قدر کو میری عاجزی پر رحم آگیا تھا کہ اسی اثنا میں نے تو نے آکر شور و غوغا مچا دیا ، اس طرح تو نے میری مناجات کا موقع کھو دیا اور اس عالی مقصد کو معرضِ التوا میں ڈال دیا ۔ مُلّا پنہان نے حیرانی کے عالم میں اپنی نادانستہ تقصیر پر معذرت چاہی اور اس قسم کے مقصد کے فوت ہونے پر بہت افسوس

کیا ۔ شاہ جیو نے فوراً تجدیدِ وضو کی اور حضرت ایشاں کی خدمت میں حاضر ہوگئے ۔ حضرت نے حسین خان مُتشرّع کا وہ عریضہ ان کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا : اسے پڑھ اور اگر جواب لکھ سکتا ہے تو لکھ دے ۔ انہوں نے اسی وقت لکھ کر نظرِ گرامی کے آگے رکھا ۔ حضرت نے پسند فرما کر حکم دیا کہ بیاض میں لکھ اور قاصد کے حوالے کر ۔ پھر بڑی ہی عنایت و نوازش سے سرِ مبارک سے ٹوپی اتار کر شاہ کو بخش دی کہ جس کی برکت سے شاہ ، دین پناہ ہوگئے ۔

بیت :

قبول عشق عنانم گرفت و طرفی بُرد بخلوتی کہ تصوّر نبود محرم را

(عشق کی قبولیت نے میری عنان پکڑی اور ایک طرف ایسی خلوت میں لے گئی جہاں محرم تک کو بھی تصور نہ تھا)

روایت ہے کہ جب حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے لیے دعوتِ حق کی نوید کا مژدہ اور اجابتِ لبیک کا وقت (وقتِ وفات) قریب آپہنچا تو سید رحمت اللہ کی مریم صفت بیٹیاں اور فرزند اور خوند بی بی ہر وقت پاس رہنے لگیں ۔ (ایک موقع پر) فرمایا کہ ابوالمعالی اور عبداللہ کو بھی یہاں بلاؤ ۔ شیخ عبداللہ کو باہر سے بلا کر لے آئے اور شاہ جیو باوجود ضعف و خستگی کے حجرۂ خاص کے دروازے پر وقت کا دھیان رکھ رہے تھے ۔

شعر :

اجمعوا اجمعوا یا أحباب با احباب (کذا) حین وصل الحبیب اقتربا

(اے دوستو جمع ہو جاؤ ، جمع ہو جاؤ ، حبیب کے وصل کا وقت قریب آگیا ہے)

اِس حالت کے دوران میں سب سے پہلے فیض اثر نظر قدسی صفات شیخ عبداللہ کے بستر پر ڈالی اور شاہ (معالی) کو اشارے سے آگاہ کر کے اس خوش بخت شمع شبستان کی پرورش و تربیت کی خدمت ان (شاہ) کے سپرد کی ۔ کچھ دیر بعد شاہ کو اپنے پاس بٹھایا اور سرگوشی کے انداز میں انہیں کوئی بات سمجھائی ، جسے سُنتے ہی وہ مُطلقاً بیہوش ہوگئے اور زمین پر لوٹنے لگے ۔ حضرت نے خواتین عالیہ اور سعادت آثار کنیزوں کو اشارہ فرمایا کہ انہیں اٹھا کر لے جاؤ اور ایک گوشے میں لٹا دو ۔ تین شب و روز تک خلوت

میں اسی شدید بیہوشی میں پڑے رہے ۔ اِن تین شب و روز میں انہوں نے پانی اور کھانا وغیرہ قطعاً نہ مانگا ، نہ ان میں بولنے بات کرنے کی طاقت تھی اور نہ انہوں نے آنکھیں ہی کھولیں ۔ اِس صورت حال کے تین روز بعد حضرت ایشاں رحلت کر گئے ۔ شاہ جیو کو نمازِ جنازہ کے وقت اس مستی سے افاقہ ہوگیا ۔

بیت :

خوش آنکہ وارہاند مارا ز تازیانے (؟) روشن ضمیر پیری یا خوبرو جوانی

(خوشی کی بات یہ ہے کہ کوئی روشن ضمیر پیر یا خوبرو جوان ہمیں تازیانے سے نجات دلا دے)

روایت ہے کہ خاندان عالیہ کے وہ گوہرِ شب چراغ ، حضرت قادریہ کے سلسلے کی وہ شمع شبستان ، حق اندیشی و خدا دانی کے مجموعہ کی فہرست (یعنی) حضرت شیخ عبدالقادر ثانی ، حضرت مخدوم شیخ حامد گیلانی قدس اللہ سرہُ العزیز کے بعد عظیم شان کے مالک تھے ، ان کے احوال مستقیم اور وہ بڑے ہی بزرگ اور صاحب نفس تھے ۔ جب ان کی "قضا ترجمان" زبان سے کوئی بات نکلتی تو فوراً اسی طرح پوری ہو جاتی ۔ مجھے یاد ہے کہ میرے والد نے مجھے چار سال کی عمر میں آں حضرت کی پابوسی سے مشرف کیا تھا ۔ اس وقت انہوں نے مجھے دونوں مبارک ہاتھوں سے اٹھا کر مسندِ خاص پر بٹھایا ۔ کچھ دیر کے بعد مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی ۔ انہوں نے مجھے بسترِ خاصہ پر لٹا دیا ۔ جب میں بیدار ہوا تو میرے سر پر دست نوازش رکھا اور تبرک کے طور پر اس قدر قند اور میدہ ، جو غلاف (تھیلے) میں نہیں سما رہا تھا ، دستِ مبارک سے باندھ کر اور مجھے اپنے خادم کی گود میں بٹھا کر گھر بھجوا دیا ۔ جب میرے والد مجھے لے کر ان کی خدمت میں پہنچے تھے تو انہوں نے والد سے پوچھا تھا کہ جانِ من ! تیرا بس یہی ایک لڑکا ہے ؟ والد نے عرض کیا کہ اس سے چھوٹا ایک اور لڑکا بھی ہے ۔ فرمایا : میرا خیال تھا کہ تیرا صرف یہی ایک لڑکا ہے ۔ اتفاق سے چند روز نہ گذرے تھے کہ میرا بھائی فوت ہوگیا ۔ میری جدّ ماجدہ (دادی؛ نے ، جو حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی حقیقی بھانجی تھیں ، فرمایا کہ مجھے تو اسی وقت یقین ہوگیا تھا کہ یہ جو شیخ عبدالقادر کی زبان پر آیا تھا کہ تیرا یہی ایک بیٹا ہے ؟ تو دوسرا بیٹا زندہ نہ رہے گا ۔

مختصر یہ کہ جب شاہ جیو سے کی گئی سرگوشی کی خبرِ لطیف اور ان کی غشی و مدہوشی

کا ماجرا ہر دیار کے صغار و کبار (چھوٹے بڑوں) تک پہنچا تو ایک روز حضرت شیخ عبدالقادر سوم اُچہ مبارک سے شیر گڑھ تشریف لائے ، اور چوبارہ کے نشیمن (ٹھکانے) پر انہوں نے نزولِ اجلال فرمایا (بیٹھ گئے) اور شاہ ابوالمعالی کو خلوت میں طلب کیا ، تمام حاضرینِ مجلس اور خادموں کو باہر بھیج کر دروازہ بند کر لیا اور تنہائی میں بیٹھ کر موتیوں کی ڈبیا کھولی (زبان کھولی) اور نہایت نرمی اور دل دہی سے فرمایا کہ : ہمارے اور تمہارے درمیان شیوۂ خصوصیت اور اتحاد اِس حد تک ہے کہ زبان اس کے بیان کا حق ادا نہیں کر سکتی ۔ بالخصوص مجھے تمہاری ذاتِ شریف سے اس قدر توقع ہے کہ تمہارے پاس جو بھی اچھی بات یا چیز ہے اور جس کا تم مجھے ضرور تمند سمجھتے ہو ، وہ آج میری مہمانی میں بے دریغ صرف کر ڈالو اور مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا مرہونِ احسان و مروت کر لو ۔ شاہ جیو بڑی ہی عاجزی اور کمال انکسار سے آگے بڑھے اور عرض کیا کہ اگر ہم غلاموں کا جگر و جان اِس آستان کے کُتوں کے کام آئے تو ہم اِسے دو جہانوں کی سعادت سمجھ کر قربان کر دیں ، باقی چیزوں کا تو ذکر ہی کیا ۔ جو کچھ بغداد میں ہے وہ خلیفہ کا ہے ۔ ہم جس کام پر بھی مامور ہوں گے اس پر عمل کریں گے ۔ حضرت شیخ عبدالقادر نے فرمایا کہ سب سے بڑی تمنا اور انتہائی آرزو تم سے اُس بات کی ہے جو (حضرت ایشاں نے) کان میں کہی تھی ۔ یہ بات سُنتے ہی شاہ تحیّر کے گرداب میں ڈوب گئے اور ان کے چہرے کا رنگ ایک دم متغیر ہوگیا اور وہ دم تک نہ مار سکے ۔ حضرت وہ بات سُننے کے امیدوار ، اور اُس کے بیان کی عصمت سانس کی شاہراہ پر بندھی تھی ، نہ گفتار کا یارا نہ انکار کی مجال ۔ آخر کار بڑی ہی تکرار و تقاضا کے بعد آہستہ سے التماس کی کہ یا حضرت شیخ ! بیان کی تاب نہیں ۔ حضرت شیخ عبدالقادر نے پھر فرمایا کہ تم خود اچھی طرح جانتے ہو کہ اگر مَیں اس وقت حاضر ہوتا اور حضرت ایشاں سے اس بات کے بارے میں پوچھتا تو وہ خود مجھ کو بتانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے ۔ آخر تم اس وقت موجود تھے اور انہوں نے وہ راز تم تک پہنچایا تھا ، اب تم پر لازم ہے کہ مجھے وہ بات بتانے میں دریغ نہ کرو اور جس طور بھی جانتے اور بیان کر سکتے ہو ضرور کہہ دو ۔ شاہ جیو نے پھر کچھ دیر کے لیے سر فکر کے گریبان میں ڈال لیا اور پوری عاجزی کے ساتھ التماس کی کہ یا حضرت ! تاب نہیں ہے ۔ حضرت شیخ نے فرمایا : اگر تم وہ دو کلماتِ شریفہ بعینہٖ بتا نہیں سکتے ، تو جو بات انہوں نے اس سے پیشتر فرمائی تھی ، کم از کم وہ تو بتا دو ۔ شاہ

جیو بولے کہ : جب میں حسب الحکم خدمت میں پہنچا تو نظرِ التفات سے مجھے دیکھا ۔ پہلے حافظ کا یہ شعر زبان پر لائے ۔ پھر سرگوشی کی نوازش سے مجھے نوازا اور اعزاز بخشا ۔ وہ شعر یہ ہے :

بیت :

من ہماندم کہ وضو سا ختم از چشمۂ عشق چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہرچہ کہ ہست ۲۱

(میں نے جس وقت چشمۂ عشق سے وضو کیا ، اسی لمحے میں نے ہر موجود چیز پر چار تکبیریں پڑھ ڈالیں ، یعنی دنیا کی خوشیوں سے اعتنا نہ برتی)

یہ بات سُن کر حضرت شیخ بہت روئے اور فرمایا کہ اگر کوئی گوشِ شَنوا (سننے والا کان) اور باطنِ مصفّا رکھتا ہو تو اس کے لیے یہی بات کافی ہے ۔

نظم :

درخانہ اگر کس است یک حرف بس است (کذا) در راستی کردار و صدق گفتار است ۲۲

([یہ قول کہ] "گھر میں اگر کوئی ہے تو پھر ایک ہی حرف کافی ہے" راستی کردار اور صدقِ گفتار کے بارے میں ہے)

دلہای مُردہ زندہ بگردد بدان سخن کز جانِ صدق قالب الفاظ را صداست ۲۳

ہرگونہ صدق ز اندازہ ۲۴ یک نفس بود (کذا) چون صبح روشنی جہانیش در قفاست

ہرچ از زبان جہد نرسد پیش ما بگوش در دل برفت ۲۵ ہر سخنی کان ز جان بخاست ۲۶

(= مُردہ دل اس سخن سے زندہ ہو جاتے ہیں ، کیونکہ صدق کی روح سے الفاظ کے جسم میں آواز ہے

= ہر قسم کا صدق اندازے کے لحاظ سے ایک نفس [لمحہ ؟] ہے ، صبح کی مانند اس کی روشنی جہاں پیچھے ہے

= جو کچھ زبان سے نکلتا ہے وہ ہمارے سامنے کانوں میں نہیں پہنچتا ، جو سخن جان سے اُٹھا وہ دل تک پہنچا)

روایت ہے کہ جب حضرت شیخ عبدالقادر سوم قدس اللہ سرہ العزیز کے وصال کی خبر حضرت شاہ ابوالمعالی کو پہنچائی گئی تو وہ بہت متاثر اور غم زدہ ہوئے اور انہوں نے بہت اشک حسرت بہائے ۔ پھر فی البدیہہ ، حضرت شیخ کی تاریخ وفات "شیخ الامم"

(۱۰۲۲/۱۶۱۳) کے الفاظ سے نکالی ۔

روایت ہے کہ نورالدین حسین کُبڑا زمانے کے اربابِ خرد کا سرآمد اور وزیرانِ عصر کا مشیر تھا ۔ اس کے ہم عصر اسے "خرد فہم" ۲۷ کے الفاظ سے پکارتے تھے ۔ حسب و نسب کے بے حد غرور کی بنا پر ہند میں کسی ولی یا سیّد کے وجود کا قطعاً قائل نہ تھا ۔ برسوں پرگنۂ دیپالپور کے منصبِ امانت پر فائز رہا ۔ اکابر و اشراف پر اس کا رعب و دبدبہ اس حد تک غلبہ کیے ہوئے تھا کہ وہ کسی پوچھ گچھ کے بغیر ہر کسی کی تذلیل کر ڈالتا ۔ اس نے کسی امام الدین نامی محرّر کو قید میں ڈال دیا ۔ اس کا بھائی ضیاء الدین ، حضرت شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اِس سلسلے میں التجا کی ۔ حضرت نے کسی سابقہ معرفت اور حقِ صحبت کے بغیر نورالدین حسین کے نام رقعہ لکھا ، جس کا مضمون یہ تھا کہ یہ جو اُس بیچارے قیدی کے پاؤں میں تُو نے زنجیر ڈال رکھی ہے اِس کی جگہ اُس کی گردن میں تُو ایک ایسا طوق ڈال جس سے وہ عمر بھر تیری قید سے نکل ہی نہ سکے ۔ یہ (طوق اصل میں) احسان و مروّت کی زنجیر ہے ۔

یہ رقعہ میر کی مسند پر چپکے سے رکھ دیا گیا ۔ اس نے پڑھا اور پوچھا کہ یہ کس کا رقعہ ہے ، لیکن کسی نے بھی بتانے کی ہمت نہ کی ۔ اسی رات میر نے خواب میں دیکھا کہ ایک عظیم الشان آدمی (اُس سے) کہہ رہا ہے کہ تُو اِس بے گناہ قیدی کو چھوڑ کیوں نہیں دیتا۔ صبح سویرے وہ قید خانے کی طرف گیا اور ایک ایک قیدی پر نظر ڈالی ۔ امام الدین کی زنجیر اُس نے پاؤں سے کُھلی اور گری ہوئی پائی ۔ سمجھ گیا کہ یہی وہ شخص ہے جس کی سفارش کی گئی ہے ۔ اُس سے پوچھا کہ تیری سفارش کا رقعہ کس نے لکھا تھا ۔ اُس نے نام لے دیا ۔ اُس نے اسی وقت اُسے رہا کر دیا ۔ اور اُس (میر) کے دل سے ان کے دیدار کی آگ کا شعلہ اٹھنے لگا ۔ چنانچہ انھی دنوں وہ لاہور روانہ ہوگیا ۔ اس نے اپنے وکیل سے کہا کہ جب میں شاہ کی حویلی کے قریب پہنچوں تو مجھے آگاہ کر دینا ۔ پھر اُس نے اسی لمحے آزمائش کی خاطر دل میں سوچا کہ اگر یہ شخص ولایت و معرفت سے بہرہ ور ہے تو اپنی چادر میرے پاؤں میں بچھا دے گا ۔ جب وہ حسین گڑھ کے نزدیک پہنچا تو وکیل نے عرض کیا کہ وہ شاہ جیو کا آستانہ نظر آ رہا ہے ، حکم ہو تاکہ وقت کے لیے ان کی مرضی پوچھ لی جائے ۔ لیکن وہ (میر) اکیلا ہی آستانے کے در پر پہنچ گیا ۔ حضرت شاہ کسی اطلاع اور آگاہی کے بغیر ہی باہر آگئے اور اس سے مصافحہ کے بعد کندھوں

سے سفید چادر اتار کر میر کے پاؤں کے آگے بچھا دی اور اپنے نمکین تبسم سے میرزا کو منفعل کر دیا ۔ میر نورالدین عظمتِ صحبت اور دہشتِ کرامت سے لرز اٹھا ۔ اُس نے وہ چادر اٹھائی ، اسے چوما اور آنکھوں پر لگایا ۔

نظم :

آنکہ واقف گشت برا سرارِ ہُو   سرِّ مخلوقات چہ بود پیش او ۲۸

(جو کوئی "ھُو" یعنی خدا تعالیٰ کے بھیدوں سے واقف ہوگیا اس کے آگے مخلوقات کے بھید کی کیا حقیقت ہے)

روایت ہے کہ جب بلند مرتبہ شہر دیپالپور کے اکابر واشراف ، خالصۂ شریفہ ۲۹ کے اکابر کی مخالفت اور دشمنی کے باعث بہت زیادہ آزار کا شکار ہوئے اور نتیجے کے طور پر جلا وطنی اختیار کرنے کا سوچنے لگے ، کیونکہ ان میں نہ تو استغاثے کا یارا تھا اور نہ جمے رہنے کی ہمت تھی ، اس لیے انتہائی اضطرار کی حالت میں انہیں مدارِ کار دعا ہی میں نظر آیا ۔ چنانچہ وہ حضرت شاہ کی خدمت میں پہنچے ۔ جب یہ اعزّہ شاہ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ تنہا آبادی سے دُور کسی بلندی پر بحرِ شکر میں غرق بیٹھے ہیں ۔ انہوں نے ان لوگوں کے سلام کا جواب دیا اور ان سے پوچھا کہ کیا مہم درپیش ہے ؟ انہوں نے اپنی پریشاں حالی اور بد اندیش حاکم کے ارادے کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا ۔ شاہ جیو نے فرمایا ۔ پھر سے کہو ۔ انہوں نے پھر سے سارا ماجرا کہہ سنایا ۔ فرمایا کہ پھر سے کہو ۔ جب ان لوگوں نے تیسری مرتبہ حاکم کے ستم کا ماجرا تفصیل سے بیان کیا تو (شاہ جیو) اخگر کی طرح چمک اٹھے اور تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ پھر ان میں سے دو آدمیوں کے ہاتھ ، دستِ مبارک میں پکڑ کر چند قدم مستانہ وار خرام فرمایا اور حافظ کا یہ شعر پڑھا :

بیا تا گُل برافشانیم و مَی درساغر اندازیم   فلک راسقف بشکافیم و طرح نو در اندازیم ۳۰

(آ ، تاکہ ہم پھول چھڑکیں اور شراب ساغر میں ڈالیں ۔ آسمان کی چھت پھاڑ ڈالیں اور نئی بنیاد رکھیں)

فرمانے لگے کہ یہ حاکم تو معزول ہوگیا ، تاہم تم لوگ لاہور تک جاؤ ۔ درویشوں کی دعا کو اپنے ساتھ جانو ۔ تمام اعزّہ حسب الحکم لاہور روانہ ہوگئے ۔ چند ہی دنوں کے بعد اس حاکم کی

معزولی کا پروانہ شہر سے آگیا ۔ اس کی تاریخ تحریر دیکھی گئی تو (پتا چلا کہ) اسی روز اس کو کسی جرم و تقصیر کے بغیر معزول کر دیا گیا تھا جس روز وہ شاہ کے حضور حاضر ہوا تھا (ہوئے تھے ؟) ۔

بیت :

کار نہ این گنبدِ گردان کند   ہرچہ کند ہمتِ مردان کند

(کام ، یہ گردش کرنے والا گُنبد یعنی آسمان ، نہیں کرتا ۔ جو کچھ بھی کرتی ہے وہ دلیروں کی ہمت کرتی ہے)

منقول ہے کہ حضرت شاہ ، قصبۂ حسین گڑھ کے علاقے میں (کچھ عرصہ) دریا کے کنارے بیٹھے ۔ یہاں انہوں نے پُختہ خوبصورت حویلی ، مرغوب حُجرے بنوائے ، نیلوفرزار (جہاں نیلوفر کثرت سے ہو) کو انتہائی زیبایش کے ساتھ پیراستہ کیا ۔ اس حویلی سے دو تیروں کی مارتک کے فاصلے پر ایک اور عمارت تعمیر کروائی جو وسیع حوض اور ایک مختصر و عجیب ایوان پر مشتمل تھی ۔ علاوہ ازیں قسم قسم کے پودے لگوائے ۔ یہ عجیب نُزہت کدہ اور انوکھا دشت تھا ؛ یہیں وہ زیارت اور ریاضت وعبادتِ حق مصروف رہتے ۔ حسین خان ولد سید میر علی بصیر ، شہباز خان کنبو کے ہمراہ صوبۂ بنگالہ میں متعین تھا ۔ ایک مدت کے بعد وہ وہاں سے حسین گڑھ لوٹا کہ یہ اس کا وطن اور ٹھکانا تھا ۔ عزت و مرتبہ اور جاہ و حشمت کے سبب اس کا دماغ نخوت و تکبّر کے بخار میں مبتلا تھا ۔ اس سفر میں اس نے امراے کرام کی مانند ایک لشکر آراستہ کیا اور سولہ ہاتھی ساتھ لیے ۔ اس کا معاملہ کمال دولتمندی کو پہنچا ۔ نیرنگیِ عمارات اور تصرفات کے مشاہدے سے اسے حضرت شاہ پر رشک آیا ۔ اس نے اپنے نا معقول کلام سے خادموں کے دل زخمی کیے ۔ ۳۱ حضرت شاہ وہاں سے اٹھ کر شیر گڑھ تشریف فرما ہوگئے ۔ جس روز حسین خان ، ملایک آشیاں ۳۲ آستان کے طواف کے ارادے سے آیا تو حضرت شیخ عبداللہ اور شاہ جیو اکٹھے اس کی ملاقات کو باہر آئے ۔ مسافحہ کے بعد وہیں روضۂ منوّرہ کے سائے میں بیٹھ گئے ۔ جب حسین خان نے شاہ جیو کو دیکھا تو حسد کے مارے سانپ کی طرح بل کھا اٹھا ، اور ہرزہ گوئی پر اُتر آیا ، اور کہنے لگا : تم پھر حسین گڑھ نہ جاؤ گے کہ وہ تمہاری شاہد بازی کی جگہ نہیں ہے ۔ شاہ جیو نے یہ شعر پڑھا :

بیت :

ای دوست دریغ از تو کہ صاحب نظران را دیدی بھمان چشم کہ دیدی دگران را

(اے دوست تجھ پر افسوس ہے کہ تو نے اہلِ نظر کو اُسی نگاہ سے دیکھا جس نگاہ سے دوسروں کو دیکھا)

حسین خان بولا : تم میری نگاہ میں وہی کل کے بچے ہو ، یہ گُدڑی مُدڑی مجھے کیا دکھاتے ہو ۔ میں وہ شخص ہوں جس کے باپ ۳۳ نے اپنی تمام تر شوکت اور فطرتِ تحقیق کے دشمنی کا مظاہرہ نہ کیا ، تو تم لوگوں کی کیا حیثیت ہے ۔ شاہ جیو بھڑک اٹھے اور فرمانے لگے کہ تمہارے دقایقِ عفوی ۳۴ اظہر من الشمس (بہت واضح) ہیں ۔ تمہیں اپنی زبان سے فخر کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔ حسین خان بولا : اگر میں نے پھر تجھے وہاں دیکھا یا سُنا تو وہیں تجھے نیلو فرزار کے پانی (تالاب) میں ایسے غوطے دوں گا کہ تیری جان نکل جائے گی ۔ شاہ جیونے فرمایاکہ : انشاءاللہ میں بھی تجھے بستر اور سرہانے پر اسی قسم کے غوطے دلاؤں گا ۔ حضرت شیخ عبداللہ نے حسین خان سے فرمایاکہ : جو کچھ تیرا دل ۳۵ چاہتا ہے ، مجھے بتا ، اِن کے ساتھ گستاخی نہ کر ۔

بیت :

گر خدا خواہد کہ پوشد عیب کس کم زند درعیب معیوبان نفس

ورخدا خواہد کہ پردہ کس دَرد میلش اندر طعنۂ پاکان برد ۳۶

(اگر خدا چاہے کہ کسی کے عیب ڈھانپے تو وہ شخص بُرے لوگوں کے بھی عیب نہیں اچھالتا

اور اگر خدا کی مرضی ہو کہ کسی کا پردہ نہ رکھے تو ایسا شخص پاک لوگوں پر طعنہ زنی کی طرف مائل ہو جاتا ہے)

اتفاق سے اس ملاقات کے کچھ ہی عرصے بعد سید حسین خان کو ایک عجیب بیماری لاحق ہوگئی ۔ وہ ڈوبنے والے آدمی کی مانند ہاتھ پاؤں مارتا اور بڑی تکلیف کے غشی کے غوطے سے سر باہر نکالتا ۔ آخر یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ عارضہ اسی گستاخی کے نتیجے میں ہو ہے ۔

بیت :

ہرچہ بر تو می رسد از رنج غم آن ز بی باکی و گستاخی و ہم ۲۷ (کذا)

(جو کچھ بھی رنج و غم تجھ پر وارد ہوتا ہے وہ تیری بے باکی اور گستاخی کا نتیجہ ہوتا ہے)

آخر کار اس کے تمام وابستگان حضرت شاہ جیو مہربان کی خدمت میں ملتجی ہوئے اور ان لوگوں نے بڑے عجز و انکسار کا مظاہرہ کیا ۔ انہوں نے ایک چھوٹا سا برتن پانی بھر کر دیا کہ وہ اِس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی پیتا رہے ۔ جب یہ پانی ختم ہو جائے گا تو اسے صحت ہو جائے گی ، لیکن اِس شرط پر کہ وہ پھر میرا شکوہ زبان پر نہ لائے ، ورنہ وہی بیماری عود کر آئے گی ۔ اس نے وہ پانی مذکورہ ہدایت کے مطابق تھوڑا سا پیا ۔ اس کے حلق میں پانی گراتے رہے تا آنکہ چند روز کے بعد اسے مکمل صحت ہوگئی ۔ وہ معذرت کرنے کی خاطر حضرت شاہ جیو کی خدمت میں دوڑا ، چنانچہ قریۂ شیخپور کے ایک حجرے میں ان کی ملاقات سے مشرف ہوا اور دربار جانے کی اجازت چاہی ۔ آخر کار جب وہ لشکر (چھاؤنی) کی طرف روانہ ہوا تو پہلی ہی منزل (پڑاؤ) پر پھر حضرت کے بارے میں زبان پر شکوہ لایا اور اِس طرح اُس نے اپنے اوپر خود ہی ستم کیا ۔ ہاں !

بیت :

چو تیرہ شود مرد را روز گار ہم آن کند کش نیاید بکار

(جب کسی آدمی کے دن تاریک ہو جاتے ہیں تو وہ ، وہ کچھ کرتا ہے جو اس کے کام نہ آئے)

اُسی رات اس کا وہی مرض عود کر آیا ۔ اسے اُٹھا کر حسین گڑھ لایا گیا اور ان لوگوں نے پھر حضرت شاہ جیو سے رجوع کیا ۔ اِس مرتبہ انہوں نے مُسکِت جواب دیا کہ اب اس کا معاملہ دعا اور دوا سے گذر گیا ہے ۔ کل رات جب وہ میرا شکوہ زبان پر لایا تو اسی وقت حضرت غوث الاعظم نے چالیس ابدال اس پر مقرر کر دیے اور وہ اسے اٹھا کر ان کے حضور لے گئے ۔ راستے میں اِن ابدال میں سے کسی نے اس کی کمر پر زور سے ڈنڈا مارا جس سے اس کا جگر پھٹ گیا ۔ اب وہ میری دعا سے صحت یاب نہ ہوگا ۔

بیت :

دیدیم چند بار نیایدنکو ہمی فرجام آنکہ قصد بدین خاندان کند

(ہم نے چند مرتبہ دیکھا ہے کہ جس کسی نے بھی اِس خاندان کا قصد کیا اس کا انجام اچھا نہ ہوا)

روایت ہے کہ حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے وصال کے بعد و (ابوالمعالی) ٹھٹھہ کے علاقے کی طرف تن تنہا روانہ ہوئے ۔ یہ میرزا خانی ترخانی کا دو امارت تھا ۔ علما و فقرا کی مجالس سے فراغت کے بعد بابا نیاری (مُلّا نیازی ؟) سے ملاقات کا اتفاق ہوا ۔ وہ ایک موزوں شاعر تھا اور فاضلِ ذوفنون (بہت سے علوم کا ماہر) ہونے کے ساتھ ساتھ روشن طبع اور نقاد فطرت کا مالک تھا ۔ اس نے نظم و نثر کے کئی دفاتر سیاہ کر ڈالے تھے (بہت لکھا تھا) ۔ جہاں کہیں بھی اسے کسی بڑے صاحب علم کا پتہ چلتا اس کے پاس پہنچتا اور اس سے سند پاتا ۔ محض میرزا فریدون کو دیکھنے کی خاطر ، جو بادشاہ ہمایوں کا منظور نظر تھا ، وہ کابل گیا اور اس کے حُسن پر لٹو ہوگیا اور اُس سے اپنے عشق کا قصہ اس نے نظم میں ڈھالا ۔ (یہاں غلط کتابت کے سبب مفہوم واضح نہیں ۔ غالباً مصنف نے یہ کہنا چاہا ہے کہ اس نے جو قصۂ مذکور منظوم کیا وہ مثنوی شاہ و گدا کے رنگ میں تھا ۔ ۔ ۔ ۔ وہ (ابوالمعالی) اس کی خدمت میں پہنچے ۔ کہتے تھے کہ اگر آفتاب اس کی طبع کے لیے روح پروری اور سخن پروری کا سیراب کرنے والا بادل بن جاتا اور نظم آوری کی چادر کا نقاب جلوہ گری کا حجاب بن جاتا ۳۸ (؟) تو وہ سید سند شریف جرجانی ۳۹ کی طرح علوم غریبہ کی تصانیف کی تحقیق و تدقیق میں یگانۂ روزگار ہوتا ۔ چونکہ اس کی شوخیِ طبع کے باعث ، جو جوانی کے غرور اور ہوا و ہوس کا نتیجہ تھی حضرت جنت آشیانی کے مقبوضہ ممالک کے ارباب حل و عقد اور اصحابِ فیض و بسط اس سے ملول تھے ، اس لیے جب بد فطرت حاسدوں نے اس پر رقص کی تہمت لگائی اور اس کی تحقیق شروع ۴۰ ہوئی تو مُلّا ڈر کر وہاں سے ٹھٹھہ چلا آیا ۔ جو سروسامان درکار تھا اس کا اس نے اہتمام کیا ۔ اس کے چند دیوان ہیں جو تمام فنون سفر (شعر ؟) پر مشتمل اور سبھی مطبوع و موضوع ہیں ۔ اس نے مُلاجامی ۴۱ کی "ہفت اورنگ" کا بدیع و بلیغ جواب کہا ہے ۔ اس نے ان پانچ سو مضمونوں (شعروں) میں سے جن کے بارے میں اس کا دعوا ہے کہ وہ اس سے مخصوص ہیں ، حضرت شاہ کی خدمت میں پڑھ کر سنائے اور کہا کہ یہ (نئے مضمونوں کے حامل اشعار ، نئے مضمون) بلند طاقچے میں پڑے تھے مُلّا جامی کا قد لمبا تھا اس نے میری دستاویزِ سند پر دست درازی کی ۔ میں نے ا

لیے ۔ شاہ جیو نے فرمایا : ہاں یہ سخن تمہارے قد کی دست درازی کے بارے میں ہے ۔ مُلانیازی شرمندہ ہوگیا اور کچھ نہ بولا ۔ شاہ جیو نے فرمایا کہ , مُلّا کی صحبت اس کی شاعری سے بہتر رہی ۔ ملا نیازی کے پاس کھانے پکانے کی تراکیب پر مشتمل ایک رسالہ تھا جس میں گوشت ، چاول اور دیگر لوازم کے ساتھ پانی اور ایندھن تک کا وزن اور مقدار مندرج تھی ۔ ایک کے مطابق کھانے پکائے جاتے ۔ ایک موقع پر قبولی (گوشت کے بغیر پلاؤ) پکا کر حضرت شاہ جیو کے سامنے لایا گیا جو بہت لذیذ اور عمدہ تھا ۔

۱۰۱۵ھ / ۷-۱۶۰۶ء میں (ابوالمعالی نے) حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی طرف سے لاہور کی سکونت پر مامور ہو کر اور تصرف کی اجازت پاکر اپنے فرزندانِ کامگار کے ہمراہ اس شہرِ گرامی میں سکونت اختیار کر لی ۔ کوئی نو برس تک لوگوں کے ہر فرقے اور گروہ کی آرزوؤں کا مرجع و ملجا رہے اور گروہ در گروہ لوگوں کے لیے فیض و نوال پروری (بخشش و عطا) کا دروازہ کھولے رکھا ۔ اس مدت میں آستانۂ متبرکہ کی زیارت کے لیے قطعاً تشریف نہ لے گئے ۔ جب کبھی شیر گڑھ کا کوئی باشندہ اس عارفِ دہر کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اُس سے وہاں کے ایک ایک ساکن اور ہر ہر مکان کے بارے میں بڑے شوق و جذبہ سے پوچھتے اور غایتِ اشتیاق اور شدتِ فراق کے باعث اکثر رو دیتے ۔

بیت :

ہوای یار (و) دیارم چوبگذرد بخیال　　شود منازلم از آبِ دیدہ مالا مال

(دوست اور وطن کی ہوا [آرزو] جب میرے خیال سے گذرتی ہے تو میری منزلیں آبِ دیدہ [اشکوں] سے بھر جاتی ہیں)

روایت ہے کہ ایک روز کسی رفیق سے بقعۂ مبارک کی پاکیزگی ، آستانۂ متبرکہ کی آب و ہوا و فضا کی خوبی اور شیر گڑھ کے قرب و جوار کے نیزار (نرکل کا جنگل) ، درختوں اور مرغزار کا ذکر کر رہے تھے ، ساتھ ساتھ روتے جاتے اور سندھی زبان کا یہ دُہڑا بار بار پڑھتے :

وہ دن ڈہن سہنسوی توری ہول کریخ　　وریکی ، ہیچ ستہو سادر (کذا)

اُس مخلص نے ان کی خدمت میں التماس کی کہ اگر ایک مرتبہ اس طرف گذر ہو جائے تو کیا ہرج ہے ، کوئی بھی رکاوٹ تو نہیں ۔ یہ بات سُنتے ہی اِس قدر ردئے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے بھر گئی ۔ فرمانے لگے : کاشکے ایک مرتبہ اس مقدس مکان تک

جانے کی اجازت مل جائے تو میں یہ سفید ریش ، بی بی سوتاں کی خاکِ پا پر ملوں اور پھر سے سعادتِ ازلی پاؤں ۔ اور یہ بی بی سوتاں حضرتِ ایشاں کی کنیز اور مادر زاد مرد تھی (یعنی خواجہ سرا ؟) ، حضرت کی خدمت بجا لاتی اور لوگوں کے سوال مطالب ۴۲ گھر کے اندر سے لے کر آتی ۔ حضرت ایشاں نے شاہ درویش حسین کو اس کی گود میں دے کر اسے "ماں" کے نام سے موسوم کیا اور نوازا تھا ۔

منقول ہے کہ شیخ فیض ۴۳ نے ، جو جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کا جادو طراز ملک الشعرا اور دمساز مصاحبوں کا سرگروہ تھا ، ان کے طریقۂ تجرد کی خبر سن کر اور اشعار آبدار اور نثرِ صافی و ہموار کی اطلاع پا کر ، ان سے ملاقات کے بے حد اشتیاق میں انہیں خط بھیجا اور "استدعاے شریف" کی (غالباً مراد ہے ، ملاقات کی خواہش ظاہر کی ۔ درمیان میں کوئی لفظ رہ گیا ہے)۔ انہوں نے جواب لکھ کر ملاقات کو پھر کسی اور موقع پر موقوف کر دیا ۔ یہ دونوں خطوط اس طرح ہیں :

(فیضی کا خط) :

ای دل برآر شہپرِ شوق و گذار خط	کفرِ محبت است نوشتن بیار خط ۴۴
حدیثِ ما بزبانِ قلم نیاید راست	حکایت بیدانش بہم دانش نیاید راست ۴۵ (کذا)
نیست قدم کہ سر کنم بادیۂ فراق را	نامہ بیال بستہ ام طائرِ اشتیاق را
سلام اللہ منشور اللالی	علی الشیخ الصفی ابی المعالی ۴۶

(خط کا ترجمہ) :

مدت ہو چلی ہے کہ آپ کے مکارم و معالی (خوبیاں اور بلندیاں) کا دیباچہ قوت سامع کے لیے لذت کا سامان کر رہا ہے ۔ جانے اور آنے کے موقع سے متعلق یہ سوچا تھا کہ محبت نامہ بھیج کر حجاب دور کروں ، لیکن چونکہ دل کو قرار نہ تھا اس لیے (میں نے) اس پر قرار نہ پکڑا ۔ اب جب کہ اس شہر گرامی (یا کرامت) میں ہوں اور قرب و جوار (آپ کا) میسر ہے ، میں نے چاہا کہ آپ سے ملاقات کا وقت لوں ؛ یہ بات آج اور کل پر پڑتی رہی ۔ یہاں تک کہ آج بے اختیار ہو کر اپنے جذبۂ شوق کو صد ملامتیں کیں اور یہ صحیفۂ اشتیاق بے تکلفانہ روانہ کر دیا ۔ تکلف بر طرف ، اِس حیاتِ فانی کی کوئی بھی چیز

چند لمحے جانی دوستوں کے ساتھ بسر کرنے کے برابر نہیں ہو سکتی کیونکہ کسی راستے سے گذر نہ ہوگا (؟)

بیت :

بزم نشاط بادہ کشان را غنیمت است ساقی بیا کہ صحبتِ یاران غنیمت است
(بادہ کشوں کے لیے بزم نشاط غنیمت ہے ۔ ساقی آ کہ دوستوں کی صحبت غنیمت ہے)

خط کا جواب : ۴۷

سلام من الرحمٰن نحو جنابکم لان سلامی لایلیق بیابکم

اسلمہ متحابہ و ادعیہ مستجابہ کہ از زوایای قبای اشواق دقیقۂ حقیقہ حصول یافت ، ابرازمی نماید کہ چون ہمای ذی ہوایِ اقبال برفرقِ فقرای شکستہ بال سایۂ شہبالِ سعادت اظلال گستردہ ، سرورِ اینحال اینانرا (اینجانبرا ؟) چنان از خود ربودہ کہ ہرچند می خواستند کہ در ادای شُکرِ این دولت حرفی ادانمایند ، نتوانستند ۔ لاجرم بمجرد دعا اکتفا نمودہ شد ۔ ہمیشہ بفیض اکبر اجدر باشند ۔ و آنکہ فقیرِ خود را بشرفِ صحبت سامی اشارت فرمودند ، عزیزا ! اسفیدار تن از وصولِ وی بسی افسردہ بود ۔ نیت دارد کہ باین انسیت اگر نسیم بہار یابد از ہرچہ زودتر بشیت اللہ تعالیٰ برسد ۔ اِنہٗ علیٰ ذٰالِک قدیر و بالاجابت جدیر ۔ والسلام

(ترجمہ) : رحمٰن کا سلام ہو آپ کی جناب کی طرف کیونکہ میرا سلام تو اس قابل نہیں کہ آپ کے در پر پیش کیا جائے

محبت بھر اسلام اور قبول ہونے والی دعائیں

جو حقیقت کی حامل باریکیوں کے اشواق [شوق کی جمع] کی قبا کے گوشوں سے حصول پذیر ہوئیں ؛ عرض پرداز ہے [یعنی میں عرض کرتا ہوں] کہ جب خوش بختی کی فضا کے ہُما نے شکستہ پَر فقیروں کے سر پر سعادت ڈالنے والے بڑے پَر کا سایہ ڈالا تو اِس حال کے سرور نے اِن کو [ہمیں] کچھ ایسا بیخود کر دیا کہ ہرچند حرفوں کی اس دولت کا شُکر ادا کرنا چاہا، نہ کر سکے ۔ بلاشبہ پھر دعا ہی پر اکتفا کرنا پڑا ۔ [آپ] ہمیشہ بڑے فیض ۴۸ سے صاحب مرتبہ ہوں ۔ اور یہ جو انہوں [آپ] نے اپنے فقیر کو صحبتِ گرامی کا اشارہ فرمایا ہے ، تو میرے عزیز ! جسم کا سفیدا ۴۹ اُس کے وصول سے بہت مرجھا گیا تھا ۔ [ہماری] نیت ہے کہ انسیّت [مہر و محبت] کے ساتھ اگر اسے نسیم بہار ۵۰ میّسر آ جائے تو اللہ تعالیٰ کی

رضا سے جس قدر بھی جلد ہو سکا ، پہنچے [پہنچوں] گا ۔ تحقیق یہ اس قدیر [صاحب قدرت] پر ہے اور سزاوار اجابت ہے ۔ والسلام

آخر کار اس (فیضی) کے مسلسل تقاضوں اور بار بار کی استدعا پر ایک روز اس کے گھر تشریف لے گئے ، جہاں انہوں نے اس کے کتب خانہ کو دیکھنے کے شوق کا اظہار کیا ۔ وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ پر رکھے کُتب خانہ میں داخل ہوا اور جواہر معانی کے اس خزانے کو پورے طور پر فیض اثر نظر کے آگے رکھ کر خود باہر چلا آیا ۔ اُس نے دو تین شایستہ خدمتگار خدمت کے لیے وہاں چھوڑے ۔ وہ خود بھی دن میں دو مرتبہ خدمت میں حاضر ہوتا اور کوئی نہ کوئی موضوع لے بیٹھتا ۔ حضرت شاہ تین دن تک فیضی کے کتابخانے میں بیٹھے مطالعہ میں مشغول رہے ۔ اِس دوران میں انہوں نے نہ تو زمین پر پہلو رکھا (کروٹ نہ بدلی) ، نہ پاؤں دراز کیے ، نہ کچھ کھایا پیا اور نہ حاجت انسانی کے لیے پاؤں ہی باہر رکھا ۔ جب بھی کھانے کے طشت لائے جاتے ، اسی وقت انگشتِ مبارک زبان پر رکھتے اور "اللہ زیادہ دے" فرما دیتے ۔ تیسرے دن فاتحہ پڑھ کر رخصت ہوئے ۔ اس کے بعد (یعنی اس موقع پر) فیضی نے ملاہی (؟) رنگ کا ایک کھیس لا کر ان کے دوش مبارک پر ڈال دیا اور بولا : اسے قبول فرمائیں ۔ وہ بڑا ہی معتقد اور مشتاقِ خدمت ہوگیا ۔ جب اس (فیضی) کا باپ ۵۱ فوت ہوگیا تو انہوں (شاہ) نے محمد صادق کو فاتحہ خوانی کے لیے بھیجا ، اور یہ تعزیت نامہ لکھا :

و محاضر تعزیت و خدماه قدوۃ الفضلا کہ بفیض و فضل جلیل میشود ، پیشوایان شکیب و صبر جمیل اند ، بسی لائق و درخور بود کہ بدل افکار و چشم اشکبار اظہار ہم پای در اندوہ خرق جدای بسرعت و اضطراب بجا آوردہ می شد و از جہت عذری کہ بود از دریافت سعادت در حضور معذور ماند ، العذر عندالکریم معذور مقبول ماموں است و فرزند ارجمند محمد صادق را از برای ابلاغ فاتحہ مفتح الابواب قربت و دعای مزید حیات بوافی بحضرت متوجہ گشت تا بشرف ملازمت انشراف یافتہ دریں حادثہ خون انگیز و واقعۂ درد آمیز بمالازمانِ آستان ہم رنگی و ہم آہنگی فقرا باز نماید ۔ والدعا ۵۲

(ترجمہ : جو حاضر مجلس اور وہاں کے خدم و حشم ہیں (؟) فاضلوں کے پیشوا کہ فیض اور فضل کے سبب باعظمت ہیں ، شکیب اور صبرِ جمیل کے پیشوا ہیں ۔ یہ بہت ہی

شایستہ و سزاوار تھا کہ خرقہ جدای [کذا] کے غم میں افکار اور چشمِ اشکبار کے تبادلے میں ہم پائی [ساتھی ہونا ، شریک ہونا] کا اظہارِ تیزی اور اضطراب کے ساتھ بجا لایا جاتا ، لیکن ایک صحیح عُذر کی بنا پر خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت کے حصول سے [مَیں] معذور رہا ۔ عُذر سخی کے قریب قبول ہے یعنی مردِ کریم عُذر کو تسلیم کر لیتا ہے اور معذور پُر امید ہوتا ہے ۔ اپنے فرزندِ ارجمند محمد صادق کو فاتحہ خوانی کے لیے ، کہ قربت کے دروازوں کا کھولنے والا ہے ، اور آپ یعنی فیضی کی مزید درازیِ عمر کی دعا کے ساتھ آپ کے حضور بھیجا ہے تاکہ خدمت کے شرف سے مشرف ہو کر اِس خون رُلانے والے حادثے اور درد انگیز واقعے میں ملازمانِ آستان کے ساتھ [ہم] فقیروں کی ہم رنگی و ہم آہنگی [یعنی اس غم میں برابر کی شرکت] کا اظہار کرے ۔ والدعا)

روایت ہے ملا ابراہیم نے ، جو آنحضرت کا تہِ دل سے مخلص تھا ، بتایا کہ ایک روز بعض اصحاب کے دل میں یہ خیال گذرا کہ آیا حضرت شاہ نے قرآن مجید حفظ کیا ہے یا نہیں ۔ اِسی اثنا میں وہ باہر نکلے ۔ مؤذن شام کی نماز کی اذان دے رہا تھا ۔ اس (مُلا) نے تکبیر کہی ، حضرت خود امامت کے لیے آگے بڑھے اور پہلی رکعت میں سات سپارے ، سورۂ بقرہ تا سورۂ الانعام ، کچھ ایسی تجوید (صحیح تلفظ وغیرہ) کے ساتھ پڑھ گئے کہ مُقتدیوں کی سامعہ مخارج اور حروف کے ادا کرنے اور وقفوں پر والہ و شیفتہ ہو ہوگئی اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو ابھی نماز شام کا وقت قضا نہ ہوا تھا ۔ ہاں :

بیت :

عشق راطِیِ لسانست کہ چندانہ سخن   دوست با دوست بیک چشم میگوید (؟)

(عشق ایسی استعدادِ گویائی کا مالک ہے کہ دوست ایک ہی نگاہ میں دوست کے ساتھ بہت سی باتیں کر جاتا ہے)

روایت ہے کہ (ایک موقع پر) اطراف و جوانب میں لوگوں کے حسبِ خواہش خاصی بارش ہوئی ، لیکن لاہور کا شہرِ گرامی اور اس کا قرب و جوار اس سے بالکل محروم رہا ۔ حاکمِ شہر نے حیران پریشان ہو کر حضرت شاہ ابوالمعالی کی خدمت سے رجوع کیا اور ان سے اِس سے متعلق حکمت کا پوچھا اور بارش کی دعا کی درخواست کی ۔ انہوں نے فرمایا کہ اِس شہر میں ایک مستجاب الدعوات (جس کی دعائیں قبول ہوتی ہوں) عفیفہ

(پارسا عورت) ہے ۔ اس کا گھر گذر گاہ کے نشیب میں واقع ہے ۔ ایک روز شدید بارش ہوئی اور بہت سا پانی اس کے گھر میں داخل ہوگیا ، جس کے باعث چند روز تک وہ خاصی پریشان حال رہی ۔ اُس نے اِس صورتِ حال سے دل تنگ ہو کر دعا کی کہ شہر میں ذرا بارش نہ ہو اور (اب) چارہ یہ ہے کہ اس کے گھر کی طرف پانی کا راستہ مسدود کر دیا جائے ۔ بارش کی دعا کی التماس بھی تم اسی سے کرو ۔ حاکم نے پوچھا کہ اسے کیونکر پائیں اور اس امر کا تدارک کریں ۔ (حضرت نے) فرمایا کہ : خیرات کے طور پر چند روپے گذرِ حاجی تاج (کوچہ یا بازار حاجی تاج) کے مستحقین کے لیے بھجوا دو اور کچھ اس عورت کو دے دو ؛ یہ کہ وہ یہ رقم قبول نہ کرے گی ، ویسا ہی ہے (عبارت میں تسلسل نہیں ہے)۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس عفیفہ کو ویسا ہی پایا ۔ انہوں نے اس سے بارش کی دعا کرائی اور اس کے گھر تک پانی پہنچنے کا راستہ بند کر دیا اور وہ بند کسی قدر بلند بنا دیا ۔ (آخر) لوگوں کے حسبِ آرزو بارش برسی ۔ جس کے نتیجے میں اس ضعیفہ (عفیفہ ؟) کو لوگوں میں بہت قبول عام ملا ۔ وہ پریشان اور مکدر ہو کر حضرت شاہ کی خدمت میں آئی اور شکوہ کرنے لگی کہ تو نے اپنے قُرب میں میری موجودگی کو پسند نہ کیا اور مردوں میں مجھے رسوا کر دیا ۔ پھر وہ اجازت لے کر چلی گئی اور شہر سے ایسی غائب ہوئی کہ ہر چند اسے تلاش کیا گیا ، اسے نہ ملنا تھا نہ ملی ۔

منقول ہے کہ ایک موقع پر لاہور میں بارش نہ ہوئی ۔ اس زمانے میں لاہور کا ایک حاکم افضل آغا تھا ۔ اس نے تمام صالحین ۵۴ اور عالموں کو جمع کر کے عید گاہ بھیج دیا تاکہ وہاں وہ نماز استسقا ۵۴ اور دعا میں مشغول ہوں ، اور خود وہ حضرت شاہ سے عید گاہ تشریف لے جانے کا ملتمس ہوا ۔ انہوں نے فرمایا : مجھے معذور رکھو ۔ اس نے بے حد عاجزی کی اور کہنے لگا کہ میں اُس وقت تک اِس در سے نہیں اُٹھوں گا جب تک حضرت کو اس مجمع میں نہ لے جاؤں گا ۔ ذرا سوچ کر فرمایا : آج اور کل بارش نہ ہوگی ، پرسوں برسے گی ۔ پہلی گھڑی میں بارش کا در کُھلے گا اور دنیا سیراب ہو جائے گی ۔ افضل آغا نے کہا حکم ہو تو اسے یادداشت کے طور پر لکھ لیا جائے ۔ فرمایا : لکھ لو ۔ اس نے پھر عرض کیا کہ آج اور کل کے توقف میں کیا حکمت ہے ؟ ابھی کیوں نہ برسے کہ تمام علما اور فقرا رُوے عجز زمین پر رکھے اور دستِ دعا آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہیں ۔

فرمایا: یوں جانو کہ اس میں مصلحت یہ ہے کہ مکر و غرور کہیں باہر نکلے ہوئے (یعنی دعا وغیرہ کے لیے عید گاہ میں پہنچے ہوئے) عزیزوں کی راہ نہ مارے اور ان کا نفس فربہ و چیرہ (غالب) نہ ہو جائے ، کیونکہ کسی شک و شبہ اور احتمال کے بغیر ان حضرات میں سے ہر ایک بارش برسنے کی دعا کی قبولیت کو خود سے منسوب کرے گا (یعنی ہر کوئی سمجھے گا کہ میری دعا قبول ہوئی ہے) اور اس عمدہ بات پر مغرور ہو کہ دائرۂ مقصود سے باہر جا پڑیں گے ۔

بیت :

مقصدا از دل رُوی تابد مقصد است　　مدعا حاصل نگردد مدعاست

(مقصد دل سے چہرہ چمکائے ۵۵ تو مقصد ہے ، مدعا۵۶ حاصل نہیں ہوتا کہ مدعا ہے) اس صحبت میں حامد نامی کوئی درویش بھی موجود تھا ، اُس نے بتایا کہ روزِ موعود مَیں خِضری دروازہ کے قریب بیٹھا تھا اور ابر و باراں کے آثار کی عدم موجودگی پر متعجب ہو رہا تھا کہ اچانک مجھے آسمان کے وسط میں ایک سیاہ بادل دکھائی دیا ۔ اسی وقت بارش کے آثار نظر آنے لگے ۔ بجلی کڑکی اور ہر طرف سے بادل آنے لگے ۔ پھر وہ بارش ہوئی کہ لوگ تنگ آگئے ۔ افضل ۵۸ اغا مومیں جامہ کی چادر اوڑھے بڑی مشکل سے حضرت شاہ کی خدمت میں پہنچا اور بارش تھمنے (کی دعا) کی التماس کی تاکہ دنیا تباہ نہ ہو جائے ۔ متبسّم ہو کر فرمانے لگے : ہر چیز کا بند کرنا اور کھولنا خدائی حکمتِ بالغہ سے وابستہ ہے ۔ جو کچھ مصلحتِ وقت ہوتی ہے ، قدرت اسی کے مطابق کام کرتی ہے ۔

۵۹ بیت :

او مصلحتِ تو از تو بہ می داند　　(وہ تیری مصلحت تجھ سے بہتر جانتا ہے)

اسی وقت بارش تھم گئی ۔

منقول ہے ایک موقع پر وہ سخت بیمار ہوگئے اور زندگی کی امید نہ رہی ۔ اسی حالت میں بادۂ حق پر سجادہ کے صدق (یعنی) شاہ محمد باقر نے آہستہ سے پوچھا کہ یا حضرت ! اس وقت آپ کے مقدس ضمیر کو کیا دکھائی دے رہا اور محسوس ہو رہا ہے ۔ فرمایا : بابا ! دنیا میں حق کی ذاتِ پاک کے سوا کوئی اور چیز ہے جو ہمیں نظر آ سکتی ہو ۔ کیا اِس وقت اور کیا اِس کے علاوہ (وقت میں) واللہ ہماری بصرِ بصیرت کو معبودِ حقیقی کے سوا ، کبھی کچھ اور نظر نہیں آیا ۔

بیت :

جُز کوی تو کعبۂ صفا نیست مرا جز روی تو قبلۂ وفا نیست مرا
در بحرِ مشاہداتِ حق غرق شدم پروای شہودِ ماسوا نیست مرا

(تیرے کوچے کے سوا میرا اور کوئی کعبۂ صفا نہیں ہے ، تیرے چہرے کے سوا میرا اور کوئی قبلۂ وفا نہیں ہے
میں حق کے مشاہدات کے سمندر میں غرق ہو چکا ہوں ، مجھے ماسویٰ ۶۰ کے دکھائی دینے کی پروا نہیں ہے)

مرض الموت میں ، جب رحلت کے دن قریب تھے، ایک روز فرمایا : مجھے تکمیل کی قدرت اور قربت سے پیوستگی کی اجازت ، کماحقۂ میسّر آئی لیکن رتبۂ توحید کے استیلا ۶۱ اور عالم شہود کے غلبہ کے باعث میں طالبوں کی تربیت و تعمیر کی طرف کم ہی متوجہ ہوا ۔

بیت :

کہ چندان شورِ لیلیٰ درسرم بود کجا پروای کاری دیگرم بود ۶۲
(مجھے کسی اور کام کی کیا پروا تھی کہ میرے سر میں تو لیلیٰ کا بیحد شور یعنی سودا سمایا تھا)

اِس مقام پر مراتبِ توحید کی شرح میں کسی قدر لکھا جانا نہایت مناسب و لائق معلوم ہوا کہ سرمایۂ مقصد ہی یہی ہے : اور جان لیجیے کہ توحید کے مختلف مراتب ہیں یعنی علم ، عَین اور حق ۔ جیسے یقین کا علم وہ چیز ہے جو دلیل سے ظاہر ہو اور اس کا عین وہ ہے جو وجدان سے ثابت ہو اور اس کا حق وہ ہے جو رحمٰن سے مُختص ہو ۔ اور حقیقت کی تلاش کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کی طرف چلتے ہوئے ہدایت کے انوار دیکھتا ہے اور یقین کے ساتھ دلیلِ قاطع سے جانتا ہے کہ وجودِ حقیقی تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے ، اور جو اس کے سوا ہے وہ معدوم ہے اور اس کا وجود صرف ایک سایہ ہے ، اور اللہ تعالیٰ کا وجود زیادہ شاندار اور بلند ہے ۔ پس وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ موجودات میں نہ کوئی فعل ہے نہ کوئی صفت اور نہ کوئی ذات ہی ہے ، بجُز اللہ تعالیٰ کے ۔ لیکن وہ صرف اِس علم کی بدولت عینِ توحید کو نہیں پا سکتا کیونکہ وہ تشبیہاتِ جسمانیہ کا عادی ہے اور حجت الاسلام ۶۳ نے فرمایا ہے کہ حقیقی معرفت تو اس دلیل کے ذریعے حاصل ہوتی ہے جس میں کوئی شک نہ ہو اور اس میں شک کا تصور بھی نہ کیا جا سکتا ہو ۔ اسے مناظرین اور متکلّمین یقین کہتے ہیں لیکن اہل تصوف لفظ یقین کے اطلاق میں صرف اسی کو شامل نہیں کرتے بلکہ وہ دل پر اس بات کے غالب ہو جانے اور چھا جانے کی حالت کو یقین کہتے ہیں ، یعنی جب یہ حالت محکم اور

متصرف بن جائے اور دل پر تحریص اور منع صرف اس کی طرف سے ہو تو اسے یقین کہا جائے گا ، اسی لیے یقین کو بعض اوقات ضعیف یا قوی بھی قرار دیا جاتا ہے ؛ یعنی کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص موت کے بارے میں ضعیف الیقین ہے ، حالانکہ موت کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے ۔ حُجۃالاسلام نے یہ بات یوں ہی بیان کی ہے اور حجۃ الاسلام نے ترجمۃ العوارف میں یہ بھی کہا ہے کہ اسی طرح کے یقین کے بارے میں ہے جو کچھ انبیاء علیہم الصلوٰت والسلام سے وارد ہوا ہے ۔

ترجمۃ العوارف کے مطابق یقین عبارت ہے بشری پردوں کے کشف کی حالت میں نورِ حقیقت کے ظہور سے ، وجد و شوق کی گواہی کے ساتھ ۔ وہ مجرّد ہے ۔ پردوں کے کشف کی حالت میں عقل و نقل اور علم الیقین کی دلالت کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص مشاہدۂ شعاع اور حرارتِ آفتاب کے ادراک سے وجودِ آفتاب کے بارے میں بے گماں ہو ۔ عین الیقین کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی نورِ بصر کے اضمحلال کے باعث نورِ آفتاب کے متعلق بے گماں ہو ، اور علم الیقین میں معلوم و محقق ہو جاتا ہے جب کہ ٦٤ عین میں مشاہدہ و معاون (؟) ہوتا ہے ۔ حقّ الیقین میں مشاہدہ اور مشاہد (دیکھنے والا) نیز معاینہ اور معائن (اپنے روبرو کوئی چیز دیکھنے والا) کی دُوئی اٹھ جاتی ہے اور یہ کیفیت و حقیقت بقا میں کاملین اور واصلین کو شاذ و نادر اور اتفاق کے طور پر ایک لمحے سے زیادہ میسر نہیں آتی ، بعینہٖ بجلی کی طرح جو اچانک چمکتی اور اُسی وقت وجود میں آکر ختم ہو جاتی ہے ۔ اگر وہ کچھ دیر ٹھہر جائے تو اس کی ترتیب و ترکیب کا سلسلہ خلل پذیر ہو جائے اور اُس کا نام اٹھ جائے ؛ اور "لی مع اللہ وقت ٦٥" اس لمحے سے عبارت ہے ۔ اور جو کچھ استدلال کے انداز میں ہے وہ عقلِ معلوم ہے اور اس سے علم الیقین دور ہے ؛ اِس لیے کہ وہ علمِ استدلال ہے اور یہ علمِ حال ۔ شک کی تاریکی عقل کے چراغ سے ایکا ایکی دور نہیں ہوتی ، ہاں آفتابِ حقیقت کے طلوع پر (ایسا ممکن ہے) "اذا طلع ۔ ۔ ۔ الخ" جب طلوع ہو یعنی مصباح (چراغ) سے ۔

ازاں بعد صاحبِ ترجمۃ العوارف کا کہنا ہے کہ جہاں تک توحید یقینی وحدانی کا تعلق ہے تو وہ ایسی چیز ہے جسے صاحبِ حالت ، ذوق اور مشاہدے سے پاتا ہے ۔ اس کے تین مرتبے ہیں ۔ پہلا مرتبہ توحیدِ افعال کا ہے ۔ وہ مرتبہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی تجلی صفات کے ذریعے کرے ، دوسرا مرتبہ توحید ذات کا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات کے ساتھ جلوہ گر ہو اور اس توحید والا شخص مکمل ذات کو

دیکھتا ہے اور صفات اس کی ذات ، صفات اور افعال میں شعاعوں کی طرح ہوتی ہیں اور وہ اپنے آپ کو تمام مخلوقات کے ساتھ پاتا ہے جیسے وہ اسی کے لیے گھوم رہی ہیں ، اور وہ سب اسی کے اعضا کی طرح ہیں ۔ وہ ان میں سے جس سے بھی ملتا ہے اس چیز کو اپنے ہی ساتھ پناہ لینے والی پاتا ہے (یا وہ خود کو اس چیز میں پناہ لینے والا پاتا ہے) اور خدا کی ذاتِ واحد کو دیکھتا ہے اور ان چیزوں کی صفات کو خدا کی صفات جانتا اور ان چیزوں کے افعال کو خدا کے افعال دیکھتا ہے ، اس لیے کہ وہ کُلیۃً عینِ توحید میں غرق ہو چکا ہوتا ہے اورانسان کے لیے اس رتبے سے آگے توحید میں کوئی مقام نہیں ہے ۔ جب وہ اس حال میں ہوتا ہے تو اس کی روح جمالِ ذات کے مشاہدے میں غرق ہوتی ہے ۔ اور عقل جو اشیا کے درمیان فرق کرتی ہے مستور ہو جاتی ہے ۔ یہ حالت ذاتِ قدیم کے نور کے غلبے کی وجہ سے ہوتی ہے ۔ اس حالت میں قدیم اور جدید کا فرق اٹھ جاتا ہے کیونکہ باطل ، حق میں محو ہو جاتا (مٹ جاتا) ہے ۔ اِس حالت کو "جمع" کی حالت کہا جاتا ہے ۔ یہ حالتِ جمع بحرِ توحید میں ایک وادی کا مقام رکھتی ہے ۔ امام عارف قدوۃ الاولیا (ولیوں کے پیشوا) ابو اسماعیل عبداللہ بن حجۃ الانصار ہروی کی کتاب منازل السائرین میں لکھا ہے کہ حالتِ جمع سالکین کے مقامات کی انتہا ہے اور وہ بحرِ توحید کا کنارہ ہے ۔ اور شرح بمنازل میں مرقوم ہے کہ اللہ کی طرف سفر کی انتہا کہاں ہو سکتی ہے ؟ اور اِس سے بڑھ کر کوئی اور مقام نہیں ہو سکتا ۔ پھر اس کے بعد تو اللہ تعالیٰ کی سیر صرف اللہ تعالیٰ کی توفیقِ خاص ہی سے ممکن ہے ۔ اور بحرِ توحید کا کنار کہنے سے ان کی مراد اللہ تعالیٰ کی انتہا ہے جس کے بعد کوئی چیز نہیں ہے ۔ پس اگر کوئی شخص اس مقام پر پہنچ جائے تو پھر واپسی کی کوئی صورت نہیں ہوتی ۔ ترجمۃ المعارف (کذا) کے مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ حالتِ جمع اس حالت کو کہتے ہیں کہ صاحبِ حال وجود میں ظاہر ہونے والے ہر اثر کو اپنی طرف منسوب کرے ۔ تمام افعالِ صفات اور اسماء جب اس کے اندر ہیں تو وہ ذات واحد میں ہوتے ہیں ۔ تو صاحبِ حال کبھی تو کسی ایک چیز کا حال بیان کرتا ہے تو کبھی کسی دوسری چیز کا حال ۔ اور جو بات وہ کہتا ہے اس کی گرفت نہیں کی جاتی ، کیونکہ جو کچھ وہ کہتا ہے زبانِ جمع سے ۔ کہتا ہے ، نہ کہ اپنی زبان سے ۔ (تیسری) اور توحیدِ رحمانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی توحید پر گواہی دے (وجود کے اس طرح ظاہر کرنے سے کہ وہ ایک ہے ، اس کا کوئی شریک نہیں) اور یہ ازلی و ابدی شہادت کسی

سبب کی طرف سہارا نہیں لیتی ۔ انسان کے لیے ایسی حالت میں دوام ممکن نہیں ہے ، بلکہ قِدم کی جانب سے ایک بجلی کی چمک کی طرح یہ حالت چمکتی ہے اور اس کے سِرّ (بھید) کے کناروں کو وہ شخص پکڑتا ہے ۔ پھر وہ حالت جلد ہی ختم ہو جاتی ہے ۔ (آگے عبارت کاتب کی مہربانی سے مبہم ہوگئی ہے)۔ اور توحید کو ہر موجود میں دیکھنا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایک دلیل ہے ، جیسے کہتے ہیں کہ وہ ہر چیز میں موجود ہے ۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ وہ ایک ہے ۔ اور اپنی صفت پر ہر چیز کا ظاہر کرنا حقیقت کی گواہی دینے کی ایک شکل ہے (جو اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں دیتا ہے)

ساتواں مقام

۱۔ متن میں وضاحت نہیں ۔ اسی کو ساتواں مقام سمجھنا چاہیے

۲۔ اِس مثنوی کے شروع کے چند شعر نثر میں دیے گئے ہیں ۔ پھر شاید ہی کوئی شعر ہوگا جو صحیح نقل ہوا ہو ۔ مثلاً کاہی کو کاتہی ، سریر کو بریر ، ابراہم کو آبروباہم وغیرہ لکھا گیا ہے ۔ ان اشعار کی تصحیح قیاس پر کی گئی ہے ۔

۳۔ بحار ہونا چاہیے ، جمع بحر

۴۔ متن میں "عرفان" ہے "عرفای" ہونا چاہیے

۵۔ متن میں "ثلاثت" ہے جو بظاہر سلاست ہے

۶۔ متن میں "موبس خان" ہے، تصحیح از "پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ "از جہانگیر تا عالمگیر مرتبہ ڈاکٹر ظہورالدین احمد ۔ لاہور ص ۳۸

۷۔ سعدی کی مشہور کتاب جو ۶۵۶/۱۲۵۸ میں تصنیف ہوئی اور جس کا زیادہ تر موضوع تربیت اخلاق ہے

۸۔ متن میں "بجد" ہے ۔ تصحیح قیاسی

۹۔ یہ بھی غزل ہی ہے ، اور یہاں بھی کاتب نے ہاتھ دکھایا ہے ۔ بیشتر اشعار وزن سے خارج ہیں ۔

۳۔ آئندہ غزل کا پہلا مصرع اسی زمین میں ہے ۔ کتابت کی غلطی سے دونوں کے اشعار گڈمڈ ہوگئے ہیں۔ مُراد حضرت عبدالقادر جیلانی

۱۰ الف متن میں "مزیلا لھمی" ہے ۔ دوسرے مصرعے کا وزن پہلے مصرعے سے الگ ہے ۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا ،

حقیقت یہ ہے کہ پہلے مصرع کا تعلق سابقہ غزل سے ہے اور یہ اُس کا آخری مصرع ہے ۔ لہذا اِس کا ترجمہ "۔ ۔ ۔ کوئی نہیں ہے ۔ ۔ " کے بعد پڑھنا چاہیے۔

۱۱۔ قافیے کی غلطی ہے ۔ دور ، معمور کے ساتھ پیروز ٹھیک نہیں ۔ اس مصرعے کا ترجمہ "ای خدای من ۔ ۔ ۔" کے ترجمے کے بعد دیا گیا ہے۔

۱۲۔ کاتب نے ہر جگہ "جبلی" (ب کے ساتھ) لکھا ہے۔

۱۳۔ یہاں پھر کاتب نے "فرد" سے پہلے کی عبارت کو مصرعے کی صورت دے کر فرد کے بعد لکھا ہے۔

۱۴۔ امیر خسرو دہلوی کی مشہور غزل کا ایک شعر ۔ اس غزل کے چند اور اشعار ملاحظہ ہوں ۔

خبرم شدہ ست کامشب سرِیار خواہی آمد | سرِ من فدایِ را ہے کہ سوار خواہی آمد
غم و غصۂ فراقت بکشم چنانکہ دانم | اگرم چو بخت روزے بہ کنار خواہی آمد
مِی تُست خونِ خلقے و ہمی خوری دما دم | مخور این قدح کہ فردا بہ خمار خواہی آمد
ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف | بہ امیدِ آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد
بہ یک آمدن ببردی دل و جانِ صد چو خسرو | کہ زَیَد اگر بدینسان دو سہ بار خواہی آمد

(کلیاتِ غزلیات خسرو ۔ مرتبہ اقبال صلاح الدین پیکیجز لمیٹڈ لاہور ۔ جلد دوم ص ۴۸۱۔۴۸۳)

۱۵۔ متن میں "بکن۔ین" ہے جس کے مُثبت معنی ہیں جبکہ سیاق و سباق کے مطابق "مکن۔ین" (م کے ساتھ) ہونا چاہیے منفی معنوں میں۔

۱۶۔ صحیح شعر یوں ہے: ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا او نشیند در حضورِ اولیا (مثنوی رومی ۔ دفتر دوم ص ۱۵۸)

۱۷۔ متن میں "غبار" (ب کے ساتھ) ہے۔ غالباً غِیار ہے بمعنی یہودیوں کا زرد امتیازی نشان ۔

۱۸۔ قیاسی ترجمہ ۔ متن میں عبارت اِس طرح ہے: "و روز کار کمال حیوانات طیبہ پراسہتہ"۔

۱۹۔ مصنف کو سہو ہوا ہے ۔ تاریخِ "نظامی" خواجہ نظام الدین احمد کی کتاب "طبقاتِ اکبر شاہی" کا تاریخی نام ہے (نظامی = ۱۰۰۱ ھ)۔ ملا عبدالقادر نے "منتخب التواریخ" کے نام سے کتاب لکھی تھی اور ملا عبدالقادر ہی جاگیردار حسین خان کی خدمت میں ملازم رہا ۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو : راقم کا مضمون "تاریخ" مشمولہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند ۔ پنجاب یونیورسٹی ۔ جلد چوتھی ، فارسی ادب [دوم] ص ۴۹۳ بعد)

۲۰۔ متن میں "رغم" ہے بمعنی بر خلاف ، جبکہ موقع "زعم" کا ہے بمعنی گمان ، خیال

۲۱۔ حافظ کی متعلقہ غزل کے چند اور شعر ملاحظہ ہوں :

مَطلَب طاعت و پیمان و صلاح از منِ مست | کہ بہ پیمانہ کشی شہرہ شدم روزِ الست
مَی بدہ تا دہمت آگہی از سرِّ قضا | کہ بروی کہِ شدم عاشق و از بویِ کہِ مست
کمرِ کوہ کمست از کمرِ مور اینجا | نا امید از در رحمت مشو ای بادہ پرست
حافظ از دولتِ عشق تو سلیمانی شد | یعنی از وصل تو اش نیست بجُز باد بدست

(دیوان حافظ ۔ مرتبہ قزوینی ۔ ۔ ۔ ص ۱۸، ۱۹)

۲۲۔ یہ دراصل شعر نہیں ہے ۔ پہلا حصہ ضرب المثل ہے اور اسی حوالے سے آگے بات ہوئی ہے۔

۲۳۔ متن میں "الفاظ واحد است" ہے۔ تصحیح قیاسی

۲۴۔ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ مفہوم واضح نہیں ہے۔

۲۵۔ متن میں "نرفت" یعنی منفی معنوں میں ہے جس سے مفہوم بدل جاتا ہے۔

۲۶۔ متن میں "بخوراست" ۔ تصحیحِ قیاسی

۲۷۔ غالباً "فخم" ہے بمعنی بلند قدر، "فحم" (ح کے ساتھ) کے معنی، کوئلے اور انگشت کے ہیں ۔ خرد فخم: بلند مرتبہ عقل (؟)

۲۸۔ یہ شعر مثنوی رومی کے دوسرے دفتر میں "امتحان کردنِ خواجہ لُقمان را در زیرکی" کے تحت آیا ہے۔ مثنوی معنوی (تہران) ص ۱۴۲

۲۹۔ سرکاری زمین یا ملکیت

۳۰۔ دیوان حافظ مرتبہ محمد قزوینی ۔ ۔ ۔ تہران ص ۲۵۸، ۲۵۹ ۔ اس غزل کے چند اور اشعار ملاحظہ ہوں:

اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقان ریزد — من و ساقی بہم تازیم و بنیادش براندازیم
صبا خاکِ وجودِ ما بدان عالی جناب انداز — بود کان شاہِ خوبان را نظر بر منظر اندازیم
یکی از عقل می لافد یکی طامات می بافد — بیا کاین داوریہا را بہ پیش داور اندازیم
بہشتِ عدن اگر خواہی بیا با ما بمیخانہ — کہ از پای خُمت روزی بحوض کوثر اندازیم
سخن دانی و خوش خوانی نمی ورزند درشیراز — بیا حافظ کہ تا خود را بملکی دیگر اندازیم

۳۱۔ یہاں عبارت بے ربط ہے۔ کچھ الفاظ محذوف معلوم ہوتے ہیں۔

۳۲۔ فرشتوں کے ٹھکانے والا

۳۳۔ متن میں "پدرم" (میرا باپ) ہے، لیکن اس جملے کے آخری حصے سے اس کا کچھ ربط معلوم نہیں ہوتا ۔ ممکن ہے حسب معمول کتابت کی غلطی ہو، اور حسین خانکی مراد کچھ اور ہو ۔

۳۴۔ معاف کرنے کے باریک نکتے (؟)

۳۵۔ متن میں "دولت" ہے۔ صحیح "دلت" ہونا چاہیے۔

۳۶۔ مثنوی رومی میں دوسرا شعر پہلے آیا ہے، اور "گر" کی جگہ "ور" ہے اور "ور" کی جگہ "چون" ۔ مثنوی معنوی دفتر اول ص ۲۳ "کژماندنِ دہان آن شخص گُستاخ کہ نام پیغمبر بتسخر بُرد"۔

۳۷۔ مثنوی رومی میں یہ شعر یوں ہے:

ہرچہ بر تو آید از ظلمات و غم — آن ز بی باکی و گستاخیست ہم

(ص ۴۔ دفتر اول "درخواستنِ توفیق رعایت ادب ۔۔۔")

۳۸۔ کتابت کی اغلاط کے باعث عبارت واضح نہیں ۔ یہ ترجمہ بھی ممکن ہے: اگر اس کا آفتاب طبع اس کے لیے بادل بن جاتا الخ ۔

۳۹۔ اپنے دور کے بڑے علما میں سے تھے۔ پورا نام علامہ میر سید شریف جرجانی ہے۔ ۱۴۱۳/۸۱۶ تک زندہ تھے ۔ بعد میں تیمور انہیں سمرقند لے گیا ۔ فلسفہ اور علم کلام میں کئی کتب و رسائل ان سے یادگار ہیں۔

۴۰۔ متن میں "متوجہ نشد" ہے، جب کہ یہاں اثبات کا مقام ہے۔

۴۱۔ نورالدین عبدالرحمان جامی نویں صدی ہجری کے عظیم شاعر اور صوفی جنہیں "خاتم الشعرا" کا لقب دیا گیا ہے ۔ ایران کے عظیم اور نامور شعرا کا سلسلہ ان پر آکر ختم ہو جاتا ہے۔ ولادت ۱۴۱۴/۸۱۷ وفات ۱۴۹۳/۸۹۸ء ۔ ہفت اورنگ ان کی سات مثنویوں کے مجموعے کا نام ہے، جن میں سے پانچ نظامی گنجوی کے خمسہ کے جواب میں ہیں ۔ سات مثنویوں کے نام یہ ہیں: سلسلۃ الذہب، سلامان و ابسال، تحفۃ الابرار، سبحۃ الابرار، یوسف و زلیخا، لیلیٰ و مجنون، اور خرد نامۂ اسکندری ۔ ان کے علاوہ ان کی اور بھی کئی تصانیف ہیں جن میں نفحات

الُانس اور بہارستان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۴۲۔ مُراد سوالوں کے جواب

۴۳۔ یعنی شیخ ابوالفیض فیضی ، شیخ مبارک کا بیٹا اور ابوالفضل کا بھائی

۴۴۔ متن کاتب نے بُری طرح مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ دونوں خطوط "پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ" مرتبہ ڈاکٹر ظہورالدین احمد (مجلس ترقی ادب ۔ لاہور ۔ ۱۹۷۴ ص ۳۴،۳۵) سے نقل کیے گئے ہیں ۔ جو اشعار اس کتاب میں نہیں ہیں وہ متن سے لیے گئے ہیں تصحیح قیاسی کے ساتھ ۔ ویسے مذکورہ کتاب میں بھی اغلاط اور محذوفات ہیں۔

۴۵۔ "بہم" ، دانش کے بعد آنا چاہیے کہ قافیہ ہے

۴۶۔ اشعار کا ترجمہ : - اے دل تو شوق کا بڑا پر کھول اور خط رہنے دے ، دوست کو خط لکھنا محبت کا کفر یعنی انکار ہے۔

- ہماری بات قلم کی زبان سے ٹھیک ادا نہیں ہو پاتی ، بیدانش اور دانش [؟] کی حکایت اکٹھی بیان نہیں ہو سکتی
- پاؤں نہیں ہیں جو میں فراق کے صحرا طے کر لوں ، اس لیے مَیں نے اشتیاق کے پرندے [کبوتر] کے بازو سے خط باندھ دیا ہے
- برگزیدہ شیخ ابوالمعالی پر اللہ کا سلام ہو ایسا سلام جو امیدوں کی کشادگی کا ضامن ہو ۔

۴۷۔ خط کا متن اس لیے دیا گیا ہے تاکہ ابوالمعالی کی نثر کا انداز معلوم ہو سکے ۔ ترجمہ متن کے بعد دیا گیا ہے۔

۴۸۔ اکبر ، جلال الدین اور خود فیضی کے نام کی رعایت سے استفادہ کیا ہے

۴۹۔ ایک سیدھا لمبا درخت

۵۰۔ متن میں "بہار نسیم" ہے ۔ اس صورت میں : اگر اے بہار کی نسیم ۔۔۔ الخ

۵۱۔ یعنی شیخ مبارک ناگوری جو اپنے دور کے جید علما میں سے تھے ۔ ان کا انتقال لاہور میں ۱۰۰۱/۳-۱۵۹۲ میں ہوا (منتخب التواریخ از مُلّا عبدالقادر بدایونی ۔ اردو ترجمہ محمود احمد فاروقی ۔ لاہور ص ۶۰۲ ، ۶۰۳)

۵۲۔ متن میں "بقبض" ہے۔

۵۳۔ حسبِ سابق و معمول یہاں بھی متن اغلاط سے پُر ہے ، لہٰذا ترجمے میں قیاس سے کام لیا گیا ہے، کہیں کہیں متن میں بھی تصحیح قیاسی کر دی گئی ہے۔

۵۴۔ متن میں "استنفشا" ہے

۵۵۔ مطلب ، نیت ، وہ جگہ جہاں کا اردہ کیا جائے

۵۶۔ آرزو ، دعویٰ کی گئی چیز

۵۷۔ جس دن کا شاہ ابوالمعالی نے کہا تھا

۵۸۔ متن میں ہر جگہ "اغا" (الف بغیر مَد کے) ہے۔

۵۹۔ متن میں صرف ایک مصرع ہے

۶۰۔ اللہ کے سوا جو کچھ ہے۔

۶۱۔ غلبہ

۶۲۔ دوسرا مصرع پہلے ہونا چاہیے

۶۳۔ حجۃ الاسلام ابوحامد محمد بن محمد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا لقب ۔ غزالی ۴۵۰/۱۰۵۸ میں طوس کے علاقے طابران

میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد ایک عبادت گزار شخص تھے جن کا پیشہ کپڑے بُننا تھا اسی بنا پر غزالی کا لقب اختیار کیا ۔ ۴۸۴/۱۰۹۱ سے چار سال تک بغداد میں تدریس ، وعظ او مناظرے کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف میں مصروف رہے ۔ ۴۸۸/۱۰۹۵ میں ان میں روحانی تبدیلی آئی ، اور انہوں نے دُنیوی مقام و مرتبہ کو خیر باد کہا ۔ کئی سال مختلف ملکوں اور شہروں میں رہ کر ۴۹۸/۵۔۱۱۰۴ میں طوس لوٹے اور ۵۰۵/۲۔۱۱۱۱ء میں فوت ہوئے ۔ انہیں طابران میں سپردِ خاک کیا گیا۔ ان کی تصنیفات کے لیے ملاحظہ ہو : تاریخ ادبیات در ایران از دکتر صفا جلد ۲ ص ۹۲۰ بعد

۶۴۔ یہاں بھی حسبِ معمول اغلاط و محذوفات ہیں

۶۵۔ مَیں اس وقت اللہ کے ساتھ تھا ۔ حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ۔ علامہ فروزانفر کے مطابق یہ حدیث محل نظر ہے ۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو : احادیث مثنوی از بدیع الزمان فروزانفر ۔ ترجمہ ڈاکٹر محمد عبداللطیف ۔ لاہور ص ۱۹۹، ۶۱